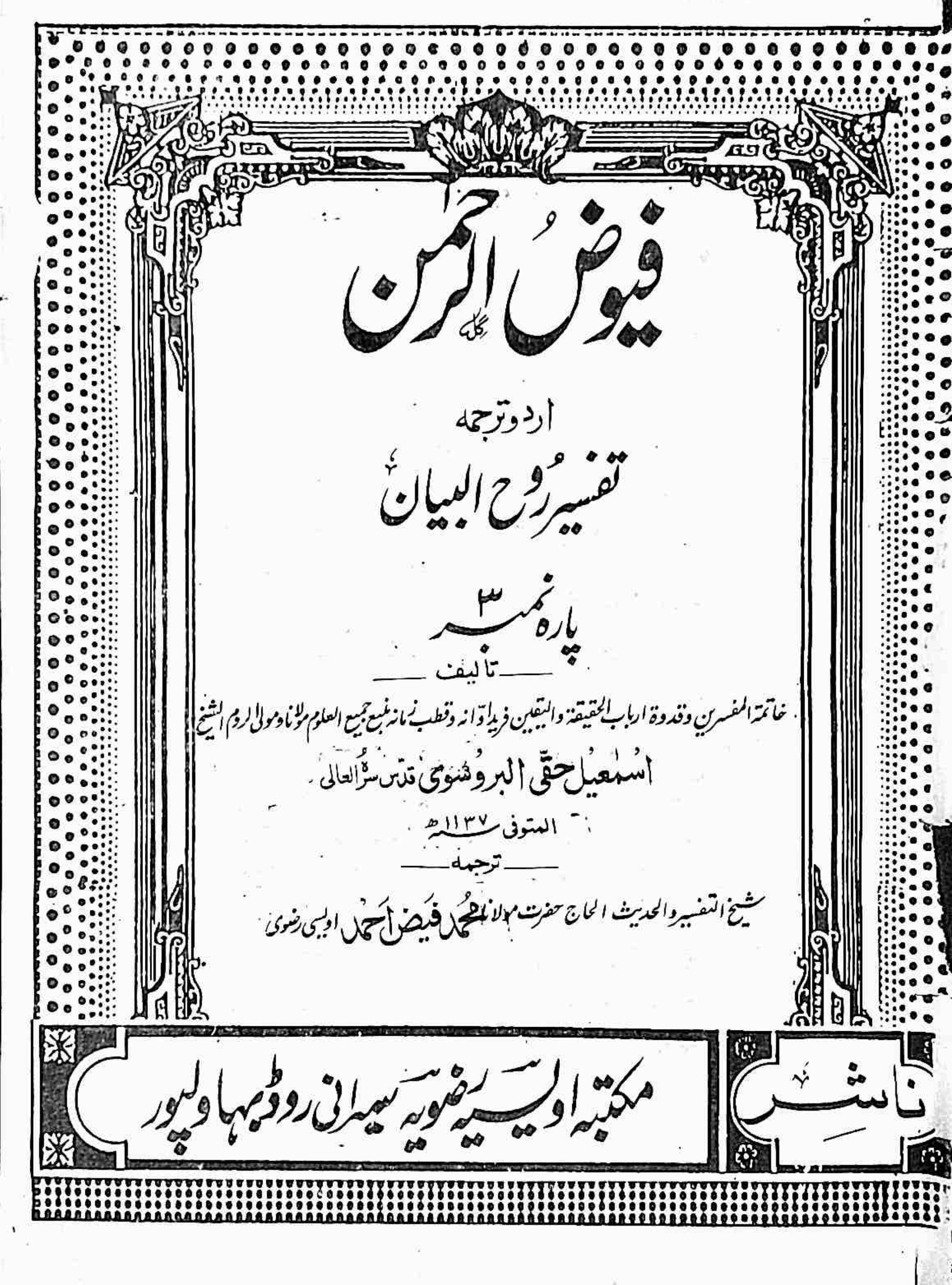


فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

پارہ نمبر ۳

تالیف

خاتمۃ المفسرین وقدوۃ ارباب الحقیقۃ والیقین فرید اوانہ وقطب زمانہ منبع جمیع العلوم مولانا ومولی الروم الشیخ

اسمٰعیل حقی البروسوی قدس سرہ العالی

المتوفی سنہ ۱۱۳۷ھ

ترجمہ

شیخ التفسیر والحدیث الحاج حضرت مولانا محمد فیض احمد اویسی رضوی

ناشر

مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور

نام کتاب ______ فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ روح البیان ۳
مصنف ______ علامہ اسماعیل حقی (قدس سرہ العزیز)
مترجم ______ علامہ محمد فیض احمد اویسی رضوی
سن طباعت ______ ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۳ء
مصحح ______ حاجی چوہدری مشتاق محمد خاں رحمۃ اللہ علیہ
ناشر ______ مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور

شکریہ و شکوہ! محمد عطا الرسول اویسی رضوی غفر لہ عرض گزار ہے کہ ہم ان احباب کے شکر گزار ہیں جو (تفسیر فیوض الرحمٰن) بلکہ ہماری مطبوعات کی اغلاط سے آگاہ فرماتے ہیں اور ان سے شکوہ ہے جو اطلاع دیئے بغیر غلط پراپیگنڈہ کرتے ہیں بلکہ بعض دوست تو اپنے ماہناموں میں شائع کر دیتے ہیں یہ ان کی زیادتی ہے اور عند اللہ جرم عظیم۔

اپیل: امکان بشر پر ہم تصحیح کر کے تفسیر فیوض الرحمٰن و دیگر مطبوعات شائع کرتے ہیں۔ اگر علمی و لفظی اغلاط نظر آئیں تو ہمیں آگاہ فرمائیں تاکہ ہم دوسرے ایڈیشن میں صحیح کر کے شائع کر سکیں۔ اس طرح آپ کو اجر و ثواب اور قارئین کو صحیح مطلب پڑھنے کا ذوق نصیب ہوگا۔

[illegible]

اماکن الوظیفہ دعوت دین کی اہمیت = $\frac{112}{3}$

حجامت شکر امر بالمعروف۔ اثر ملوک کا رنگ = $\frac{186}{3}$

ایک اسم شبہ اللہ کتنے بیت نازل ہے $\frac{14}{3}$

مسودات حیلہ سازی = $\frac{79}{4}$

(دماغی ورزش)

فکر جاری محقق محمد = $\frac{174}{5}$

فہرست پارہ نمبر (٣)

تِلْكَ الرُّسُلُ

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ
بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ
الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا
جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ
اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ؑ

ترجمہ: یہ پیغمبر ہیں جنھیں ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت بخشی ان میں بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالےٰ نے (بلاواسطہ) گفتگو فرمائی اور بعض وہ ہیں جن کے درجات بلند فرمائے اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) کو کھلی نشانیاں عطا فرمائیں اور پاکیزہ روح سے اس کی مدد فرمائی اور اگر اللہ تعالےٰ چاہتا تو ان کے بعد والے آپس میں نہ لڑتے بعد اس کے کہ ان کے ہاں کھلی نشانیاں آچکیں لیکن انھوں نے اختلاف کیا ان کے بعض تو ایمان پر رہے اور بعض کافر ہو گئے اور اگر اللہ تعالےٰ چاہتا تو وہ نہ لڑتے لیکن اللہ تعالےٰ جو چاہے کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

تِلْكَ الرُّسُلُ، اس جماعت کی طرف اشارہ ہے جس میں منجملہ ان کے ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ پس لام الرسل میں استغراق کی ہوگی۔ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ، بایں طور کہ اس کے بعض کو ایک ایسی منقبت کے ساتھ مخصوص کیا کہ اس کے غیر میں نہیں ہے۔ (سوائے ہمارے نبی علیہ السلام کے)

عقیدہ: تمام انبیاء علیہم السلام نبوت میں برابر ہیں کیونکہ وہ ایک شئے ہے اس میں کسی قسم کی فضیلت نہیں ہے البتہ باعتبار درجات

ایک دوسرے سے افضل ہیں کہ اس درجہ کو دوسرا نبی علیہ السلام نہیں پہنچا مثلاً خلت ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نصیب ہوئی وہ کسی دوسرے کو میسّر نہ ہوئی اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کو ملک اور نبوت اور خوش الحانی عطا ہوئی وہ کسی دوسرے کو نہ ملا اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع جن و انس اور پرندے چرندے حتیٰ کہ ہوا بھی زیر فرمان ہوئی۔ جو ان کے والد کو یہ مرتبہ نہ ملا۔ اسی طرح ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث الی الجن والانس ہیں اور ان کی شریعت تمام ادیان کی ناسخ ہے لیکن یہ درجہ کسی کو حاصل نہ ہوا[1]

ف : بعض ان میں سے ایسے (نبی) ہوئے کہ جنھوں نے اپنی امت کو توحید الافعال کی طرف بالفعل بلایا اور توحید الصفات و الذات کی طرف بالقوۃ۔ بعض ان میں سے ایسے تھے کہ جنھوں نے توحید الصفات کی طرف بھی بالفعل بلایا اور توحید الذات کی طرف بالقوۃ۔ اور بعض ان میں سے ایسے بھی تھے کہ جنھوں نے توحید الذات کی طرف بھی بالفعل بلایا، یہ ابراہیم علیہ السلام تھے **اس لیے کہ یہ** توحید کے قطب تھے۔ کیونکہ دیگر انبیاء علیہم السلام مبداء و معاد اور ذات احدیہ (جو کہ بعض صفات کے ساتھ موصوف ہے) کی طرف بلاتے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام ذاتِ الٰہیہ احدیہ کی طرف بلاتے تھے اسی لیے ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی تابعداری کا حکم ہوا جیسا کہ فرمایا :

واوحینا الیک ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا۔

لیکن یہ تابعداری باعتبار اجمال کے ہے نہ کہ باعتبار تفصیل کے۔ کیونکہ تفصیل کے ساتھ صفات کی تفاصیل کے متمم صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اس لیے خاتم الانبیاء سوائے آپ کے اور کوئی نہیں ہے۔

مسئلہ : انبیاء علیہم السلام اگرچہ درجاتِ دعوت میں باعتبار امتوں کے مشارب کے متفاوت ہیں لیکن وہ سب کے سب واصل اور فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہیں کیونکہ ولایت نبوت سے پہلے ہے کیونکہ جہاں ولایت کے درجات کا انتہا ہوتا ہے وہاں سے نبوت کی ابتداء ہوتی ہے۔ گویا نبوت کی بناء ولایت پر ہے اور ولایت فنا فی اللہ و بقا باللہ کا نام ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہر نبی علیہ السلام واصل الی اللہ اور جمیع مراتبِ توحید فی الافعال والصفات والذات کا جامع ہوتا ہے۔

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ : یعنی اس پر اللہ تعالےٰ کا فضل ہوا بایں طور کہ اس سے بلا واسطہ کلام کیا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ وہ اللہ تعالےٰ کے کلیم (کلام کرنے والے) ہیں۔ علماء کا اختلاف ہے کہ جس کلام کو موسیٰ علیہ السلام نے سنا کیا واقعی یہ وہی کلام قدیم ازلی ہے جو جنس حروف و اصوات سے نہیں۔ (یا کچھ اور)

ف : امام اشعری اور ان کے اتباع تو فرماتے ہیں کہ یہ وہی کلام قدیم ازلی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح اس کی رویت (جو کہ

---

[1] : ہاں یہ عقیدہ ضروری ہے کہ ان تمام انبیاء علیہم السلام کے جملہ خصائص ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے " آنچہ ہمہ دارند تو تنہا داری " بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ (اویسی)

کیفیت سے پاک ہے) ممتنع نہیں تو اس کا کلام بھی جو کہ کیفیت سے پاک ہے ممتنع نہیں۔

ف: بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کلام قدیم ازلی کا سننا محال ہے اور یہ کلام جو سنا گیا یہ حروف و اصوات ہیں۔

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط ان کے بعض کو درجات پر فائز المرام فرمایا۔ درجات کی نصب علی نزع الخافض ہے یعنی ان کے ایسے درجات بلند فرماتے کہ ان کے غیر میں نہ پائے جاتے اور اسے چند وجوہ اور بڑے بڑے مراتب کی وجہ سے فضیلت بخشی۔ اس سے ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کیونکہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اس لیے کہ آپ کو جو آیات کثیرہ (کہ جن کی تعداد تین ہزار یا اس سے بھی زائد ہے) عطا ہوتے اور کسی نبی علیہ السلام کو نصیب نہ ہوئے بلکہ اگر کوئی اور آیت بھی آپ کو نہ ملتی تو صرف قرآن پاک ہی تمام انبیاء پر فضیلت کے لیے کافی تھا۔ کیونکہ یہ ایسا معجزہ ہے کہ رہتی دنیا تک باقی رہے گا بخلاف باقی معجزات کے۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں تمام انبیاء علیہم السلام سے چھ چیزوں کی وجہ سے افضل ہوں:

① میں جوامع الکلم دیا گیا ہوں۔
② رعب سے مجھے نوازا گیا۔
③ میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئیں۔
④ میرے لیے زمین کو مسجد و طہور قرار دیا گیا۔
⑤ تمام مخلوق کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔
⑥ مجھے ختم الانبیاء بنایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر صاحب فضیلت کی فضیلت اس کے نور کی ضیا کے مطابق ہوتی ہے۔ اس لیے کہ رفعت فی الدرجات بقدر رفعت کے ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

والذین اوتوا العلم درجات۔

نور واحدانیت کے ظل کی روشنی ہے جس قدر علم میں اضافہ ہوگا اسی قدر درجات بلند ہوں گے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم شب معراج کی خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میں نے حضرت آدم علیہ السلام کو آسمان دنیا میں اور یحیٰی و عیسٰی علیہما السلام کو دوسرے اور یوسف علیہ السلام کو چوتھے اور ہارون علیہ السلام کو پانچویں پر اور موسیٰ علیہ السلام کو چھٹے پر ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر دیکھا پھر آپ سدرہ المنتہیٰ تک پہنچے۔"

کما قال تعالیٰ:

کان قاب قوسین او ادنیٰ۔

اس رفعت فی الدرجہ کو قرب حضرت الٰہی کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور یہ قرب اس نور علمی کی قوت کی مقدار پر نصیب ہوتا ہے اور

ظلمات الوجود پر انبیاء علیہم السلام کی توحید کے انوار کے غلبات ہوتے ہیں ۔ چنانچہ جب ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وحدانیت کا نور ظلمتِ انسانیہ پر غالب ہوا تو ظلمت انسانیہ بالکل مضمحل ہو کر لاشے بلکہ انسانیت کے وجود کی ظلمت فنا ہوگئی کیونکہ آپ پہ صفات جمال وجلال کا غلبہ ہوگیا تھا اسی لیے ہر نبی کے اندر جتنی مقدار اس ظلمت انسانیہ سے کچھ بقایا تھی اتنی مقدار وہ آسمان در آسمان کی پرواز سے رہ گیا اور ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم ہر مکان اور امکان کو طے کر کے آگے چلے گئے۔ اس لیے کہ آپ ظلمتِ وجود سے فانی اور اپنے وجود کے نور سے باقی ہوگئے تھے۔ اسی لیے اللہ تعالے نے آپ کو نور کے سے موسوم فرمایا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے :

قد جاءکم من الله نور ...الخ

اس نور سے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں اور کتاب سے قرآن مجید۔ ناظرین اس تحقیق کو غنیمت سمجھئے ان شاء اللہ یہ تحقیق اور ایسے معانی صرف یہاں پڑھیں گے (اسی وجہ سے تفسیر روح البیان دوسری تفاسیر سے فائق ہے)

تفسیر عالمانہ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ، اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بیّنات یعنے آیاتِ باہرہ ومعجزات ظاہرہ مثلاً احیاء الموتی وشفائے مریضاں اور ابراء اکمہ وابرص گارے سے پرندے بنانا اور غیبی خبریں اور انجیل عطا فرمائی ۔

سوال : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی افضلیت کا سبب ان معجزات کو بتانا صحیح نہیں۔ اس لیے کہ معجزات صرف انہیں سے مخصوص نہیں تھے بلکہ اور انبیاء علیہم السلام کو بھی معجزات عطا ہوتے پھر ان کی تخصیص کیسی ؟

جواب (۱) تخصیص کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ آیات واضحہ اور معجزات عظیمہ صرف عیسیٰ علیہ السلام کو مجموعی طور پر حاصل ہوئے۔ اگرچہ فرداً فرداً بعض دیگر انبیاء کرام میں بھی پائے گئے ۔

(۲) تخصیص کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ معجزات اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام سے مختص نہیں لیکن اس میں یہودیوں کی تحقیر مطلوب ہے کہ وہ سرے سے عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر تھے۔ اللہ تعالے نے یہاں پر نہ صرف ان کی نبوت کا اثبات فرمایا بلکہ بہت بڑے معجزات کا ذکر بھی فرمایا ہے کہ وہ یقیناً نبی تھے اور ان سے فلاں فلاں معجزات بھی ظاہر ہوئے جو ان کی نبوت پر قطعی دلالت کرتے ہیں اور اس میں نصاریٰ کی بھی تردید ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ انہیں منصب رسالت سے نکال کر الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیتے ہیں ۔

وَاَيَّدْنٰهُ، اور ہم نے ان کو تقویت پہنچائی۔ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط روح القدس سے۔ یعنی وہ روح جو پاکیزہ تھی کہ اللہ تعالے نے روح عیسیٰ علیہ السلام میں پھونکی تو انہیں اس روح کی بدولت غیروں سے ممتاز فرمایا کہ دیگر مخلوق کی پیدائش نر و مادہ کے دو نطفوں کے اجتماع سے ہوتی ہے لیکن عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اس طرح نہیں ہوئی اس لیے کہ نہ وہ مردوں کی اصلاب میں ٹھہرے اور نہ ہی عورتوں کی ارحام میں ۔

(فائدہ) اس تقریر پر یہ اضافت تشریفیہ ہو گی۔

اب معنی یوں ہوگا کہ اللہ تعالےٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی اول و اوسط اور آخر عمر میں جبریل علیہ السلام کے ذریعے مدد فرمائی اوّل عمر میں مدد فرمائی اور اس کا بیان یوں فرمایا: فنفخنا فیہ من روحنا۔ اور اوسط میں یوں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت سے علوم سکھائے اور بہت بڑے دشمنوں سے آپ کی حفاظت فرمائی اور آخر میں یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تو جبریل علیہ السلام نے آپ کی مدد کی اور آسمان پر اٹھا کے لے گئے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ، اور اگر اللہ تعالےٰ چاہتا تو لڑائی نہ کرتے وہ جو ان کے بعد ہوئے یعنی رسولوں کے بعد اور لڑائی کرنے والوں سے مختلف امتیں مراد ہیں یعنی اللہ تعالےٰ اگر ان کے عدم قتال کا ارادہ فرماتا تو وہ ایک دوسرے کو قتل نہ کرتے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے بیان کردہ حق پر تمام متفق ہو جاتے۔ من کا تعلق اقتتل سے ہے۔ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ، بعد اس کے کہ لائے ان کے پاس رسل کرام علیہم السلام معجزات واضحہ اور آیات ظاہرہ جو حقیقت حال پر دال اور ان کی تابعداری کے موجب اور ان کے طریقہ سے روگردانی سے روکنے والے اور جنگ کی طرف پہنچانے والے ہیں۔ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا، اور لیکن وہ مختلف ہوئے یعنی وہ اللہ تعالےٰ ان کا لڑنا نہیں چاہتا اس لیے کہ ان کا آپس میں اختلاف بڑھ جائے گا۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ، پس بعض ان میں وہ ہیں جو رسل کرام کے آیات بینات پر ایمان لائے اور ان پر عمل بھی کیا۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ، اور ان میں سے بعض نے ان بینات سے کفر کیا اور کفر میں ایسے پھنسے کہ اس سے ان کا رجوع ناممکن ہوا۔ اس کی حکمت کا تقاضا یونہی ہے یعنی اللہ تعالےٰ کی اس میں مشیت نہیں کہ وہ آپس میں لڑیں لیکن وہ اپنے مقتضائے احوال کے مطابق لڑے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ، اور اگر اس کے بعد اللہ تعالےٰ نہ چاہے ان کے لڑنے کو جو ان کی عادت بن چکی ہے کہ وہ اختلاف و انشقاق کی وجہ سے لڑائی کے درپئے رہتے ہیں۔ مَا اقْتَتَلُوْا قف تو ان کی تطاول و تعاون کی رگ نہ بھڑکتی اس لیے کہ یہ سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ۝ لیکن اللہ تعالےٰ کرتا ہے وہ جو اس کا ارادہ ہوتا ہے۔ امور وجودیہ اور عدمیہ سے منجملہ ان کے یہی ہے کہ اس کا ان کے متعلق لڑائی کا ارادہ نہیں۔ ترکِ قتال بھی منجملہ ان کے افعال سے ہے یعنی کرتا ہے وہ جو اس کا ارادہ ہوتا ہے نہ کوئی موجب اس کے ارادے کو مجبور کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی مانع اسے روک سکتا ہے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ تمام حوادث اسی کی مشیت کے تابع ہیں خیر ہو یا شر، ایمان ہو یا کفر۔

مسئلہ: اس سے معتزلہ کے غلط عقیدہ کی بھی تردید ہو گئی کہ وہ ارادہ و مشیت متعلق بہ شر کے قائل نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت امام غزالی قدس سرہ ضار و نافع کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ضار و نافع وہ ہے کہ اس سے خیر و شر اور نفع و ضرر صادر ہو اور ہر شئے اس کی طرف منسوب ہو خواہ کسی واسطہ سے ہو خواہ ملائکہ اور انس و جمادات

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ
فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ
مَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ
اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ
كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝
لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ
وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ
عَلِيْمٌ ۝ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـؤُهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! ہمارے دیئے ہوئے سے خرچ کرو اس روز کے آنے سے پہلے جس میں نہ خرید فروخت ہے اور (کافروں کے لیے) نہ دوستی اور نہ سفارش اور کافر ہی ظالم ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں خود زندہ اور اوروں کو قائم رکھنے والا ہے۔ نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ اسی کا ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمینوں میں ہے کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے ہاں سفارش کرے۔ وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے۔ اور وہ اس کے علم کو نہیں پاتے مگر جتنا وہ چاہے۔ اس کی کرسی میں آسمان و زمین سمائے ہوئے ہیں اور ان کی نگہبانی اسے نہیں تھکاتی اور وہی بلندی والا اور بڑائی والا ہے۔ دین میں زبردستی نہیں بیشک خوب جدا ہوگئی نیک راہ گمراہی سے پس جو شیطان کو نہ مانے اور اللہ تعالےٰ پر ایمان لائے تو اس نے بڑی مضبوط رسی تھامی جس کا ٹوٹنا نہیں اور اللہ تعالےٰ سمیع و علیم ہے۔ اللہ ایمان والوں کا والی ہے انھیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور کافروں کے والی شیطان ہیں اور انھیں نور سے تاریکیوں کی طرف نکالتے ہیں یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں رہیں گے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۷)

کے ذریعے سے یا بلا واسطہ ہو اس سے یہ گمان نہ کرنا کہ زہر ذاتی طور پر مارتا یا نقصان پہنچاتا ہے اور طعام کے متعلق بھی خیال مت کرنا کہ وہ ذاتی طور پر سیر کرتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ فرشتے یا انسان یا مخلوق میں سے فلک الکواکب وغیرہ ذاتی طور پر خیر و شر

پر قدرت رکھتے یا نفع ونقصان پہنچاتے ہیں بلکہ یہ سب کے سب اسباب اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں، ان سے وہی صادر ہوتا ہے جو اس کا حکم ہوتا ہے اور یہ سب کے سب قدرت ازلیہ کی طرف منسوب ہیں جیسے قلم کو کاتب سے نسبت ہوتی ہے یا جیسے بادشاہ کسی کو عزت یا کسی کو ذلت دے تو یہ نفع یا نقصان قلم کی جانب سے نہیں بلکہ اس سے ہے جس کے ہاتھ میں قلم ہے۔ اسی طرح ہی تمام وسائل واسباب کا حال ہے اور یہ اعتقاد عوام کا ہے کہا جاتا ہے کہ وہ ایسے ہی سمجھتے ہیں کہ قلم کا قصور نہیں بلکہ کاتب نے جو لکھا ہے وہ اسی کے لکھنے پر مجبور تھی۔ ورنہ عارف باللہ تو جانتا ہے کہ یہ کاتب بھی مجبور ہے اس کا لکھنا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ اس لیے کہ جب اس نے کاتب کو بنایا تو اس کے لیے لکھ دیا کہ اس کو اتنی قدرت ہے اور فلاں فلاں بات صادر ہوگی۔ اس میں شک کو گنجائش بھی نہیں کہ ہاتھ اور قلم کی حرکت ایسی ہی صادر ہوگی جیسے قادر وقدیر کی مشیت ہے وہ اسے ماننے یا انکار کرے بلکہ اس کی مجال تک نہیں کہ وہ اسے نہ مانے۔ اس لیے کہ قلم تو کاتب کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن قدرتِ الٰہی کے ماتحت ہے جب یہ بات سمجھ آگئی کہ جب یہ انسان وحیوان کا حال ہے۔ پھر جمادات میں تو یہ بات زیادہ ظاہر ہے۔

ف: صاحب روضہ الاخیار فرماتے ہیں کہ موثر اللہ تعالیٰ ہے اور یہ ستارے اسباب عادیہ ہیں۔ پس سورج اسم حی کا اور زہرہ اسم مرید کا اور عطارد اسم مسقط کا اور قمر اسم قادر کا اور مشتری اسم علیم کا اور زحل اسم جواد کا مظہر ہے۔

قاعدہ: اصولی اسماء چار ہیں:

(۱) حیات
(۲) علم
(۳) قدرت
(۴) ارادہ

اسرافیل حیات کا مظہر ہے صفت اقساط اسی میں مندرج ہے اور جبریل علیہ السلام علم اور قول کا مظہر ہے۔ وہ باعتبار علم کے روح القدس اور باعتبار قول کے روح الامین کہلاتا ہے۔ اسی لیے وہ حامل الوحی مقرر ہوئے اور میکائیل علیہ السلام ارادہ کا مظہر ہے جو اد اسی میں مندرج ہے اس لیے کہ وہ ملک الارزاق ہے۔ اور عزرائیل علیہ السلام قدرت کا مظہر ہے۔ اسی لیے وہ بڑے بڑے سرکشوں کی سرکوبی پر قدرت رکھتے اور انھیں موت کے گھاٹ اتارتے ہیں۔

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ اے ایمان والو! اس سے خرچ کرو جو ہم نے تمھیں عطا کیا۔ یہاں پر من تبعیضیہ ہے یعنے بعض اس کا جو ہم نے تمھیں عطا کیا۔

سوال: ہر شئے تو وہی دینے والا ہے پھر خرچ کرنے کا حکم کیوں؟

جواب: صرف خرچ کرنے کی ترغیب و تحریص کی بنا پر ہے۔

ف: اس خرچ کرنے پر زکوٰۃ واجبہ مراد ہے جیسا کہ مابعد کی وعید دلالت کرتی ہے۔

قاعدہ: عموماً امر وجوب و مندوب کو شامل ہوتا ہے۔ من ابتدائے غایت کے لیے ہے۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ اس سے پہلے کہ حساب اور اجزا کا دن آئے۔ وَلَا بَیْعٌ فِیْہِ، اور اس دن نہ بیع ہوگی کہ جس سے کمی کرنے والا اپنی کوتاہی کا جبر نقصان کرسکے۔ یہ دراصل ایک سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے پوچھا کہ قیامت میں بیع ہوگی اس لیے اسے مرفوع پڑھا گیا۔ البیع بمعنے استبدال المال بالثمن، مال کو ثمن کے عوض دینا۔ وَلَا خُلَّۃٌ اور نہ ہی کوئی دوستی ہوگی کہ جس سے تمہارے کردار پر تمہارے دوست درگزر کراسکیں اس لیے کہ قیامت میں تمام دوستیاں منقطع ہوجائیں گی۔ ہاں اولیاٗ اللہ کی دوستیاں ختم نہیں ہوں گی۔

چنانچہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے:

"الاخلاء یومئذ بعضهم لبعض عدو الا المتقین"

الخلة بمعنے المودة (محبت و دوستی اور صداقت اور "خلہ" کو اس لیے خلّت کہتے ہیں کہ گویا وہ اعضار میں گھس جاتی ہے یعنے اعضار کے اندران کے وسط میں داخل ہوجاتی ہے اور سچے دوست کو خلیل اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی محبت دوست کے دل پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔

وَلَا شَفَاعَۃٌ اور نہ ہی کسی کی سفارش کام آئے گی کہ سفارشی پر بھروسہ کرکے یہ سمجھو کہ اس دن وہ لوگ ہماری سفارش کرکے ہمیں چھڑالیں گے۔

ازالۂ وہم: جس شفاعت کی نفی کی گئی ہے یہ وہ شفاعت ہے کہ جس کی اجازت منجانب اللہ نہ ہو۔ ورنہ قیامت میں مومنین کو شفاعت کا حق حاصل ہوگا جو اپنے مقام پر دلائل سے ثابت ہے کہ انھیں شفاعت کی اجازت ہوگی۔

وَالْکٰفِرُوْنَ اور کافرین یعنی زکوٰۃ کے تارکین (منکرین) یہاں پر تارکین کے بجائے کافرین کے لفظ میں یہی نکتہ ہے کہ انھیں تنبیہ اور تہدید ہو جیسا کہ آیت حج کے آخر میں فرمایا: ومن کفر۔ حالانکہ یہاں کہنا تھا: ومن لم یحج۔ اس میں دوسرا اشارہ اس طرف ہے کہ ترک زکوٰۃ کفار کا کام ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فویل للمشرکین الذین لا یؤتون الزکوٰة۔

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وہی ظالم ہیں یعنے یہ وہی ہیں جنھوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ زکوٰۃ کے ترک سے اپنے نفسوں کو عذاب کے دہانے پر کھڑا کرکے اور مال کو بے جا خرچ کرکے مال کو ضائع کردیا۔

زکٰوۃ اگر ندہی از رت زدادۃ وسے
علاج کے کنمت کانرا وار اکی

ترجمہ : اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال سے اگر زکوٰۃ نہ دو گے۔ اس کا علاج کیا کروں جب کہ ایسی بیماری کا علاج آگ سے داغنے کے سوا اور کوئی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی دی ہوئی نعمتوں سے خرچ کرنے کا حکم دیا۔ خواہ وہ نعمتیں نفسیہ ہوں یا بدنیہ جو اعضاء سے تعلق رکھتی ہیں۔ اگرچہ بظاہر اور عرفاً یہ حکم مال خرچ کرنے کے لیے ہے لیکن اس سے نفس و بدن کو خرچ کرنا بھی مراد ہوتا ہے جو کہ انھیں اعدائے دین اور خواہشات نفسانیہ و دیگر عبادات پر خرچ کیا جاتا ہے اور چونکہ دنیا کمائی اور آزمائش کا گھر ہے اور آخرت ثواب و جزا کا گھر ہے اور آخرت میں انسان کو ایسی باتوں سے نفع حاصل کرنے کا کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ اس لیے ان تینوں کا ذکر کر کے اس کی آزمائش کی گئی ہے۔ اس لیے کہ انھی تینوں سے انسان اپنے منافع کما کر بہرہ مند ہوتا ہے مثلاً:

① معاوضہ کے طور پر فائدہ پانا۔ یہ بیع سے ہوتا ہے۔
② یاری دوستی سے شے حاصل کرنا اور وہ یاری و دوستی ایک دوسرے کو ہدایا و تحائف کے ذریعہ قائم کی جا سکتی ہے۔
③ غیر کی معاونت سے مقصد کو پایا جا سکتا ہے جسے سفارش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسی طرح عدالت کے مجمل طور پر تین مراتب ہیں:

① عدالت انسان کے اپنے نفس کے مابین۔
② عدالت عام لوگوں کے مابین۔
③ عدالت انسان اور اللہ تعالیٰ کے مابین۔

اسی طرح ظلم کا بہت بڑا مرتبہ کفر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: والکٰفرون ھم الظّٰلمون یعنی "ظالم وہ ہیں جو عذاب کے مستحق ہیں۔ اس لیے جب یہ صفت علی الاطلاق ہو تو اس سے کفار ہی مراد ہوتے ہیں کسی دوسرے کے مراد لینے کا وہم تک بھی نہیں ہوتا۔

سبق : انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے انفاق و احسان میں پوری جد و جہد کرے۔

حکایت : زمانۂ سابق میں ایک عابد تھا شیطان نے اسے گمراہ کرنے کا بڑا زور لگایا لیکن ناکام رہا۔ ایک دن شیطان نے انھیں کہا کہ آپ کو پتہ ہے کہ میں بنو آدم کو کس طرح گمراہ کرتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا: ہاں، لیکن وہ عمل بھی بتائیے کہ جس کے ذریعے تو انھیں گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ شیطان نے کہا: وہ یہ باتیں ہیں:

① حدۃ ۔ ② سکر

چونکہ انسان فطرۃً بخیل واقع ہوا ہے اس لیے میں سب سے پہلے اس کی نظروں میں اسے اس کا مال قلیل دکھاتا ہوں۔ پھر اسے لوگوں کے مال میں رغبت دلاتا ہوں۔ اگرچہ وہ لوہے سے بھی زیادہ سخت ہو تب بھی میں اسے نرم کرکے ایسے نچاتا ہوں جیسے بچے گیند کو۔ وہ اتنا بڑا کامل کیوں نہ ہو کہ اس کی دعا سے مردے بھی زندہ ہو جاتے ہوں تب بھی اس کے گمراہ کرنے میں ہم نا امید نہیں ہوتے۔ پھر جب وہ دنیا کے نشہ میں پھنس جاتا ہے پھر ہم اسے ہر شہوت کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں۔ جیسے بکری کو کانوں سے پکڑ کر مرضی کے مطابق ہر جگہ لے جایا جاسکتا ہے۔ (کذا فی آکام المرجان)

حکایت: امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر میں تمہیں دنیا میں اہل دنیا بنا کر بھیجتا تو تو کونسی اطاعت بجا لاتا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی، یا اللہ! تو ہی خوب جانتا ہے۔ لیکن میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر تو مجھے دنیا میں اہل دنیا بنا کر بھیجتا تو میں یہ عمل کرتا:

① خرچ واخراج میں عیالدار کی مدد

② مخلوق کے عیوب و ذنوب کی پردہ داری۔ یہاں تک کہ ان کے عیوب و ذنوب کو تیرے سوائے اور کوئی نہ جانتا۔

③ پیاسے کو سیر کرکے پانی پلاتا۔ (کذا فی روضۃ العلماء)

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱۔ چوں خود را قوی حال بینی وخوش
بشکرانہ بار ضعیفاں بکش

۲۔ اگر خود ہمیں صورتی چوں طلسم
بمیری واست بمیرد چو جسم!

۳۔ اگر پرورانی درخت کرم
بر نیک نامی خوری لاجرم

ترجمہ: ① جب تم اپنے آپ کو قوی اور خوشحال پاؤ تو شکرانہ کے طور پر ضعیفوں کا بوجھ اٹھاؤ۔

② اگر تم اسی طریقے پر استقامت کروگے تو مرنے کے بعد تیرا نام زندہ رہے گا۔

③ اگر تم کرم کے درخت کی پرورش کروگے تو اس سے نیک نامی کا پھل کھاؤگے۔

تفسیر عالمانہ اَللّٰہُ، اللہ تعالٰی کے ننانوے اسماء ہیں۔ ان میں یہی اسم اعظم ہے اس لیے کہ یہ اسم ذات جامع الصفات الالٰہیہ پر دلالت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی صفت بھی اس کے احاطہ سے باہر نہیں ہوتی۔ اس کے سوا باقی اسماء ہر ایک اپنے انہی معنوں پر دلالت کریں گے جن کے لیے انہیں وضع کیا گیا ہے مثلاً علیم علم پر قادر قدیر قدرت

یا فعل پر وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ ازیں یہ اسم اللہ تعالےٰ کے ساتھ مخصوص ہے کہ سوائے اسی کے کسی اور پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا نہ حقیقۃً نہ مجازاً بخلاف باقی اسمار کے کہ ان پر غیر کا بھی اطلاق ہوتا ہے مثلاً قادر، علیم اور رحیم جیسے اللہ تعالےٰ کے اسمار ہیں، اس کی مخلوق میں بہتوں پر ان کا اطلاق ہوتا ہے۔

سبق سالک کو چاہئے کہ اسے اسی اسم کی طرف خصوصی شغف ہو یعنے اس میں محو ہو کہ اس کے دل میں صرف یہی اسم ہو اور اس کے دل کی توجہ بھی اسی اسم کی طرف اتنی ہو کہ ماسوا کی طرف اس کا دھیان بھی نہ جائے۔ اور نہ ہی اس کے غیر کی طرف التفات ہو اور نہ ہی اس کے ماسوا سے کوئی امید اور خوف و خطر ہو اگر ڈر ہو تو صرف اسی سے۔ اور یہ کیوں نہ ہو جب کہ اس اسم سے سمجھا جاتا ہے کہ صرف وہی ذات موجود حقیقی اور حق ہے۔ اس کا ماسوا رفانی وہالک و باطل ہے۔ ہاں اگر کسی کو کچھ حاصل ہے تو اس سے۔ سالک سب سے پہلے اپنے آپ کو فانی و ہالک اور مٹا ہوا سمجھے جیسے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو دیکھ کر فرمایا کہ عرب میں جتنے شعرار نے اشعار کہے ہیں سب سے زیادہ بہتر و اعلیٰ وہ شعر ہے جو لبید نے کہا۔

ع الا کل شی ما خلا اللہ باطل

(خبردار! اللہ تعالےٰ کے ماسویٰ باقی ہر چیز "لاشیٔ" ہے۔)

اعجوبہ دراسم اللہ اسم اللہ میں بہت بڑے ایسے فوائد ہیں جو اس کے سوا دوسرے اسمار الٰہیہ میں نہیں مثلاً اس اسم میں کسی حرف کو گرا دو تو معنے میں کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہوتا۔ بخلاف دوسروں کے کہ ان میں کسی حرف کے گرنے سے معنے بگڑ جاتا ہے۔ چنانچہ اگر لفظ "اللہ" سے الف گرایا جائے تو "للہ" بچتا ہے۔ اسی طرح سے معنیٰ نہ بگڑا جب کہ قرآن مجید میں آیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"للہ ما فی السمٰوات وما فی الارض"

اسی طرح پھر پہلی لام گرانے سے بھی معنے نہیں تبدیل ہوتا کیونکہ اس کے بعد "لہٗ" بچ جاتا ہے اور "لہٗ" کا اطلاق قرآن مجید میں موجود ہے مثلاً اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

"لہٗ ملک السمٰوات وما فی الارض"

اسی طرح اگر دوسری لام محذوف ہو تو بھی فرق نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ "ہٗ" بھی اللہ تعالےٰ کے لیے مستعمل ہے کیونکہ وہ ضمیر ہے اور اس کا مرجع اللہ تعالےٰ ہے۔ چنانچہ آیات قرآنی میں ہے:

"ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو" وغیرہ وغیرہ۔

ف: اسمار الٰہیہ میں بہت بڑی تاثیر ہے خصوصاً لفظ "اللہ" میں تو بہت بڑی زیادہ تاثیرات منقول ہیں۔

حکایت: حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب حضرت مولانا علار الدین خلوتی رحمہ اللہ تعالیٰ بروسہ میں تشریف لائے تو جامع مسجد کبیر میں ممبر پر وعظ کے لیے بیٹھے تو آپ کا وعظ سننے کے لیے ایک جم غفیر حاضر ہوا اور منتظر تھے کہ آپ

کا وعظ مبارک ہوا اور ہم سنیں۔ آپ نے وہاں صرف ایک بار کہا "اللہ" لوگوں پر وجد طاری ہوگیا اور رقص کرنے لگے اور دھاڑیں مار کر رونے لگے یہاں تک کہ آہ و بکا کا تانتا بندھ گیا[1]

حکایت زمانہ کا بادشاہ فوت ہوا تو لوگوں کو خیال گذرا کہ اس کے وزیر کو قتل کر دیا جائے۔ وزیر کو معلوم ہوا تو وہ قسطنطنیہ کے شیخ وفا کے ہاں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے آپ مجھے پناہ دیجئے۔ شیخ نے وزیر کو اپنے گھر ٹھہرا لیا۔ لیکن وزیر کے دشمن نے شیخ کے گھر پہنچتے ہی محاصرہ کر لیا اور عزم کیا کہ جب تک وزیر کو قتل نہ کیا جائے گا ہم واپس نہیں ہٹیں گے۔ شیخ صاحب مذکور گھر سے باہر نکلے اور صرف ایک بار کہا "اللہ" لوگوں پر اس کی ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ یہ اسم سن کر سب کے سب بھاگ گئے۔

سبق سالک کو غور کرنا چاہیئے کہ اگر اولیاء اللہ اس ذات کا نام لیں تو کیسے ہی عجیب و غریب آثار نمودار ہوتے ہیں اور اگر ہم اسے یاد کریں تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ انھوں نے تزکیہ نفس کیا اور اپنے اخلاق سنوارے اور یہ بات ہم میں نہیں اور نہ ہی اس کی قابلیت رکھتے ہیں۔ حالانکہ تمام فیوض و برکات ذات اللہ تعالےٰ ہی سے نصیب ہوتے ہیں[2]

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

فیض روح القدس از باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

ترجمہ: فیض روح القدس اب بھی مدد کرنے کو تیار ہے دوسرے بھی اسی طرح کر سکتے ہیں جیسے مسیح علیہ السلام کرتے تھے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ یہ جملہ خبریہ ہے۔ لفظ "اللہ" مبتدا ہے۔ معنے یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ہی عبادت کا مستحق ہے نہ کہ کوئی اور۔

ف: منقول ہے کہ قطب الاقطاب کی تسبیح یہ ہے:

"یاھو و یا من ھو ھو و یا من لا الہ الا ھو"

اور جب قطب ان کلمات کو بطریق حال کہتا ہے تو تصرفات پر قدرت پالیتا ہے۔

---

[1] ایسے ہی حضرت مولانا محمد یار (گڑھی اختیار) رحمہ اللہ تعالےٰ کا چپ کا وعظ مشہور ہے۔ ۱۲۔

[2] جیسا کہ بابا فرید گنجشکر قدس سرہٗ کی کرامت مشہور ہے کہ آپ نے اخلاص پڑھ کر مٹی کے ڈھیلے کو سونا کر دیا اور آپ کے مرید نے سارا دن سورہ اخلاص پڑھی لیکن کچھ نہ ہوا۔ آپ نے مرید سے فرمایا "زبان فرید دا آگی تیار" کہ پھر مٹی کا ڈھیلا سونا بن جائے گا۔

(اویسی غفرلہٗ)

ف : توحید کے تین مراتب ہیں :

(۱) ——— بتدیوں کی توحید : " لا الہ الا اللہ "

(۲) ——— متوسطین کی توحید : " لا الہ الا انت "

اس لیے کہ وہ مقام شہود میں ہوتے ہیں اسی لیے ان کے لیے صیغہ خطاب مناسب ہے ۔

(۳) ——— کاملین کی توحید وہ ہے کہ وہ توحید کو موحد سے سن کر کہتے ہیں : لا الہ الا انا ۔ اس لیے کہ وہ مقام فنا میں ہوتے ہیں ۔ ان سے کچھ بھی صادر نہیں ہوتا جو کچھ ہوتا ہے اسی ذات سے ہوتا ہے ۔

ف : حضرت ابن الشیخ سورہ اخلاص کے حواشی میں لکھتے ہیں کہ لفظ ھو مقربین کے مقام کی طرف اشارہ کرتا ہے اور مقربین وہ ہیں جنھوں نے اشیار کی ماہیات اور حقائق کو من حیث ہی دیکھا ہے پھر جب دیکھا تو وہاں صرف اللہ تعالٰے کو موجود پایا اور بس ۔ اس لیے کہ ذاتِ حق وہ ہے کہ ذاتی طور پر صرف وہی واجب الوجود ہے اس کا ماسوا ممکن الوجود اور ممکن کی حیثیت یہ ہے کہ وہ سراسر معدوم ہی معدوم ہے اسی لیے انھوں نے صرف حق ہی کو موجود مانا اور کلمہ ھو اگرچہ اس کی وضع مطلق اشارہ کے لیے ہے اور اسے محتاجی ہوتی ہے کہ اس کی مراد اس وقت متعین ہو جب کہ وجوہِ ثلاثہ میں سے کسی ایک کا ذکر پہلے ہو چکا ہو یا اس کے بعد کوئی ایسا لفظ واقع ہو جو اس کی تفسیر کر دے کہ اس کا مرجع فلاں شئے ہے لیکن صوفیار کرام کے نزدیک اس کا اشارہ صرف ذاتِ حق کی طرف ہوتا ہے وہ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے کہ اس میں کوئی ایسا قرینہ ہو کہ جس سے اس کا غیر مراد نہ لیا جا سکے ۔ اس لیے کہ احتیاط کرنے کی تو اسے ضرورت ہے جس کی نظروں میں ابہام کا شائبہ ہو کہ اس کے سامنے ایسی متعدد اشیار ہوں جو اس اشارہ کی صلاحیت رکھتی ہوں ۔ جب ثابت ہو چکا کہ یہ حضرات وہ ہیں کہ وہ اپنی اپنی عقول کی آنکھوں سے صرف اسی ایک کا ہی مشاہدہ کرتے ہیں اس لیے ان کے حصولِ عرفان تام میں لفظ ھو کافی ہوگا ۔

غلطی کا ازالہ وتردید منکرین صوفیہ اس بحث کو ہم نے اس لیے طویل کیا تاکہ رد ہو جائے ان لوگوں کا جو صوفیہ کرام کی تعلیمات کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ ھو تو ضمیر غائب کا ہے ۔ اور پھر اُسے اللہ تعالٰے کے لیے لانا کس طرح جائز ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس ضمیر سے اس کا ذکر مفید ہے ۔

[ہم نے پارہ دوم میں آیت والٰھکم الہ واحد لا الہ الا ھو کے تحت اس کی تفصیل عرض کر دی ہے ۔ یہاں پر اس کا اعادہ مناسب نہیں ۔

مسئلہ شیخی وسندی (جو کہ میرے نزدیک جسم میں بمنزلہ روح کے ہیں) فرماتے ہیں کہ علمار عارفین باللہ کے نزدیک لا الہ الا اللہ کا ذکر صرف اللہ اللہ کے ذکر سے افضل ہے اس لیے کہ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر نفی و اثبات اور علم و عرفان کو جامع ہے جس نے لَا اِلٰہ سے تمام مخلوق کی حکماً لا علماً نفی کی تو اس نے ذات حق کا علماً و حکماً اثبات کیا ۔ نیز انھوں نے یہ بھی فرمایا : جب لا الٰہ الا اللہ کہو تو شہود حقانی سے خلق کے افعال وصفات بلکہ ان کی ذوات کا حق کے افعال وصفات

ذات میں فنا کا مشاہدہ کرو۔ مقام الجمع والاحدیت کا یہی تقاضا ہے اور یہ کلمہ دراصل اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے اور جب کہو ؛ "محمد رسول اللہ" تو شہود حقانی سے خلق کے افعال وصفات اور ان کی ذوات کا بقا ذات حق کے افعال وصفات اور اس کی ذات کے بقا سے مشاہدہ کرے۔ مقام الفرق والواحدیۃ کا یہی تقاضا ہے اور یہی کلمہ اسی مرتبہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جب کسی کی توحید اسی مرتبہ سے ہو تو سمجھ لو کہ اسے حقیقی اور حقانی توحید نصیب ہوئی نہ کہ رسمی اور نفسانی۔

حضرت عارف جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱۔ گرچہ لاَ داشت تیرگیٔ عدم
دارد الّا فروغ نور قدم

۲۔ گرچہ لا بود کان کفر و جحود
ہست الا کلید گنج شہود

۳۔ چون کند لا بساط کثرت طے
دہد الّا ز جام وحدت مے

۴۔ آں رہاند ز نقش بیش و کمت
ویں رساند بوحدت قدمت

۵۔ تا نسازی حجاب کثرت دُور
نہ دہد آفتاب وحدت نور

۶۔ دائم آں آفتاب تا بانست
از حجاب تو از تو پنہاں است

۷۔ گر بروں آئی از حجاب توئی
مرتفع گردد از میانہ دوئی

۸۔ در زمین و زماں و کون و مکاں
ہمہ رو بینی آشکار رونہاں

ترجمہ : (۱) اگرچہ لاعدم کی تیرگی رکھتی ہے لیکن 'الاّ قدم' کے نور کی روشنی ہے۔

(۲) اگرچہ 'لاَ' کفر و جحود کی کان ہے لیکن 'الّا' گنج شہود کی کنجی ہے۔

(۳) جب 'لاَ' کثرت کا دسترخواں بچھاتا ہے تو الّا مے وحدت پلاتا ہے۔

(۴) "لا" کمی و بیشی کے نقش سے نجات دلاتا ہے "الّا" تو حدت میں قدم پہنچاتا ہے۔

(۵) جب تک کثرت کے حجابات دور نہ کرو گے وحدت کا سورج نور نہ بخشے گا۔

(۶) وہ سورج ہمیشہ تاباں ہے وہ صرف تیرے حجاب سے محجوب ہے۔

(۷) جب تم اپنے حجاب سے باہر آؤ گے تو درمیان سے دوئی کے تمام پردے اٹھ جائیں گے۔

(۸) زمین زماں اور کون ومکان ہر جگہ اسے آشکارا دیکھو گے۔

اے اللہ! ہمیں "الجمع والعین والیقین" کے مراتب نصیب فرما۔ (آمین)

اَلْحَیُّ۔ یہ مبتدا کی دوسری خبر ہے اور الحی لغت میں وہ ہے جس میں حیات ہو۔ یہ موت وجمادیۃ کی صفت کی نقیض ہے اور یہ صفت حس اور حرکت ارادیہ کو تقاضا کرتی ہے اس میں زیادہ برگزیدہ وہ ہے جس سے انسان موصوف ہوتا ہے حیات ابدیہ سے دار کرامت میں اور جب اس صفت سے اللہ تعالٰی کو موصوف کیا جائے اور کہا جائے کہ وہ حَیٌّ ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ دائم اور باقی ہے اور اس پر موت وفنا کا شائبہ تک بھی نہیں اس لیے کہ وہ حیات ازلیہ وابدیہ سے موصوف ہے۔

ف: حضرت امام غزالی قدس سرہٗ شرح اسماء الحسنٰی میں فرماتے ہیں کہ حَیٌّ فعال و درّاک کو کہتے ہیں اور فرمایا کہ جس میں نہ کوئی فعل ہو اور نہ ادراک تو وہ میت ہے اور ادراک کا ادنٰی درجہ یہ ہے کہ وہ کم از کم اپنے آپ کو تو جانتا ہو اور جسے اپنی بھی خبر نہ ہو تو وہ جماد (ڈھیلا) اور مردہ ہے۔ کامل اور مطلق حی وہ ہے کہ تمام مدرکات اس کے ادراک اور تمام موجودات اس کے فعل کے تحت ہوں یہاں تک کہ نہ کوئی مدرک اس کے ادراک سے خارج اور نہ کوئی فعل اس کے فعل سے باہر ہو۔ وہ حق تعالٰی حیّ مطلق ہے۔ اور اس کا ماسوا صرف حی ہے، اس کی حیات اس کے ادراک اور فعل کی مقدار پر ہے اور سب کے سب اسی کے قول کے تابع ومحصور ہیں۔

اَلْقَیُّوْمُ: قیوم وہ ہے کہ اس سے امر کو قیام حاصل ہو جب کہ وہ اس امر کی تدبیر کرے۔ یہ قائم کا مبالغہ ہے وہ ذات ہر شے پر دائم القیام ہے۔ امور کی تدبیر میں تخلیق وترزیق میں اور شے کو اس کے لائق مقام تک پہنچانے اور اس کی محافظت میں۔

حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ کل اشیاء چار قسم کی ہیں:

(۱) وہ جو کہ کسی محل کی محتاج ہوں جیسے اعراض واوصاف انہیں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ وہ اشیاء ہیں کہ وہ قائم بنفسہا نہیں ہیں۔

(۲) وہ اشیاء جو کسی محل کی محتاج نہ ہوں انہیں کو کہا جاتا ہے کہ وہ قائم بنفسہا ہیں جیسے جواہر۔

ف: جوہر اگرچہ قائم بنفسہ اور اس محل سے بھی لاپرواہ ہے کہ جس سے وہ قایم ہے لیکن پھر بھی اسے چند ایسے امور کی محتاجی ہے جو کہ وہ اس کے لیے نہایت ضروری ہیں بلکہ وہ امور اس کے وجود کے لیے شرط ہیں۔ اس لحاظ سے وہ قائم بنفسہ نہ ہوگا کیونکہ وہ اپنے قوام میں غیر کے وجود کا محتاج ہوگا۔ اگرچہ وہ محل کا محتاج نہیں اگر یہ وہ اپنے وجود میں موجود ہے اور اپنی ذات میں وہ کافی ہے اور اسے اپنے قیام میں کسی محل کی ضرورت نہیں۔

(۳) اگر وہ اپنے وجود سے خود موجود ہو اور اس کی ذات خود ذاتی طور پر کافی ہے کسی غیر سے اس کا قوام نہیں اور

اسے اپنے وجود کے دوام کے لیے کسی غیر کے وجود کی حاجت نہیں پس وہ مطلق قائم بنفسہٖ ہے ۔

(۴) مذکورہ صورت ثالثہ کے اوصاف کے علاوہ ہر شئے اسی سے قائم ہے یہاں تک کہ بغیر اس کے اشیاء کے وجود کو دوام اسی سے ہی نصیب ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالےٰ قیوم ہے ۔ اس لیے کہ اس کا قوام ذاتی طور پر ہے اور باقی اشیاء کا قوام اسی پر ہے اور یہ صرف ذاتِ حق ہے اور بس ۔ اور بندہ اس وصف میں اس وقت داخل ہوسکتا ہے جب کہ ماسوٰی اللہ سے مستغنی ہوتا ہے ۔

ف : بعض حضرات کہتے ہیں کہ الحی القیوم اسم اعظم ہے ۔

حکایت : حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی مردوں کو زندہ کرنے کا جب ارادہ فرماتے تو یا حی یا قیوم کا وسیلہ دے کر دعا مانگتے ۔ مشہور ہے کہ اہلِ بحر کی بھی یہی دعا (یا حی یا قیوم) ہے کہ جب وہ دریا میں ڈوبنے کا خطرہ محسوس کرتے ہیں تو یہی دعا (یا حیّ یا قیوم) مانگتے ہیں ۔

حکایت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر میں جنگ روزوں پر تھی تو مجھے خیال گذرا کہ دیکھوں حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس وقت کیا کر رہے ہیں ۔ میں نے جاکر دیکھا تو آپ سربسجود ہوکر یہی پڑھ رہے ہیں : یاحی یا قیوم ۔ آپ اس حالت میں اس کو پڑھتے رہے یہاں تک کہ غزوۂ بدر میں اہل اسلام کو فتح ہوئی ۔

سبق : اس سے اس اسم "الحی القیوم" کی عظمت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انہی دو اسموں میں اسم اعظم کے معنے کا اشارہ کیا گیا ہے اس لیے کہ الحی اللہ تعالےٰ کے اسماء وصفات پر مشتمل ہے ۔ اس لیے کہ حی کے لوازمات سے ہے کہ وہ قادر، عالم، سمیع، بصیر، متکلم، مرید، باقی ہو ۔ اور القیوم مشتمل ہے اس بات پر کہ جمیع کائنات اسی کی محتاج ہے پس جب اللہ تعالےٰ اپنے بندے پر انہی دو اسموں سے تجلی فرماتا ہے تو بندہ پر الحی کی صفت کی تجلی سے اللہ تعالےٰ کے جمیع اسماء وصفات منکشف ہوجاتے ہیں اور القیوم کی صفت کی تجلی سے جمیع مخلوقات کی فناء کا مشاہدہ کرتا ہے اس لیے کہ جمیع مخلوقات کا قیام تو قیومیتِ حق سے ہے ان کا بذات خود تو قیام ہے نہیں پھر جب حق آتا ہے تو باطل مٹ کر رہ جاتا ہے پھر وہ بندہ صرف " الحی القیوم " کو ہی دیکھتا ہے ۔ جب الحی کے جلوہ سے جمیع اسماء کا حصول اور ' القیوم ' سے جمیع مخلوق کی نفی نصیب ہوئی تو دوئی اٹھ گئی اور دوئی کے اٹھنے سے وحدت نصیب ہوئی ۔ اس طرح سے بندہ متجلی لہٗ کو دونوں اسم اعظم نصیب ہوئے تو پھر وہ انہیں عظمت الوحدانیۃ کے شہود کے وقت عیان الفردانیہ کی زبان سے یاد کرتا ہے نہ کہ لسان بیان الانسانیہ کی زبان سے ۔ اس طریق سے بندہ جب اسے اسم اعظم سے یاد کیا کرے اور اس ذات کو اسم اعظم سے پکارا جائے تو فوراً جواب دیتا ہے اور اس سے اس اسم سے سوال کیا جائے تو وہ عطا فرماتا ہے ۔

ف : یاد کرنے والا اگر اس ذات سے بحالت غیب اسے یاد کرے تو وہ جس اسم کا بھی ذکر کرتا جائے تو وہ تو وہ اسم اعظم

نہ بنے گا جب تک کہ درمیان سے عبوبت کو نہ ہٹائے۔ ہاں بحالت حضوری جس اسم کو بھی یاد کرے وہی اسم اعظم بن جائے گا۔

حکایت سیدنا ابو یزید بسطامی قدس سرہٗ السامی سے اسم اعظم کے بارہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں۔ ہاں یوں ہو سکتا ہے کہ اپنے قلب کو وحدانیت کے لیے فارغ کر لیا جائے۔ پھر جس اسم کو یاد کرو گے وہی اسم اعظم ہو گا۔

شانِ مصطفٰے و اختیارِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم [صاحب روح البیان اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالٰے فیصلہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں] :

اسم اعظم عبارت ہے حقیقت محمدیہ سے۔ جسے حقیقتِ محمدیہ کی معرفت نصیب ہوئی اسے علمِ اسمِ اعظم حاصل ہو گیا اور در اصل یہی اسم جامع الٰہی کی صورت ہے اس لیے کہ وہ اس کا رب ہے اور اسی سے ہی تمام مخلوق کو فیض نصیب ہوتا ہے۔

صاحبِ روح البیان کی خیر خواہانہ نصیحت : اے بھائی! اس تقریر کو خوب یاد رکھنے کامیابی پائے گا بلکہ اس تقریر کے سمجھنے سے حظِ روحانی سے مالامال ہو جائے گا۔

تفسیر عالمانہ لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ، اور نہ اسے اونگھ پکڑتی ہے نہ نیند۔

حل لغات : السنۃ کا دہ ثقل و فتور جو مزاج کو نیند سے پہلے عارض ہوتا ہے اور یہ حالت نوم کی حد میں داخل نہیں۔ النعاس نیند کا پہلا حصہ۔ النوم وہ ایک حالت ہے جو حیوان کو عارض ہوتی ہے بوجہ ڈھیلے ہو جانے اعصاب دماغ کے ان بخاروں سے جو بحالت نیند چڑھتے ہیں۔ اس حیثیت سے کہ حواس ظاہرہ مستقل طور پر احساس سے ٹھہر جاتے ہیں۔

سوال : اونگھ کو نیند سے پہلے ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے حالانکہ قیاس کا تقاضا ہے کہ اعلیٰ کا ذکر پہلے ہو اور ادنیٰ کا بعد کو ؟

جواب : یہ وجود خارجی کی وجہ سے ہے کہ نیند سے پہلے اونگھ آتی ہے پھر نیند۔

سوال : نفی کے تکرار کی کیا وجہ ؟

جواب : تاکہ نص ہو جائے کہ اللہ تعالٰے ہر دونوں حالتوں سے منزہ اور پاک ہے۔

عقیدہ : دونوں حالتوں سے اللہ تعالٰے کو اس لیے منزہ ماننا ضروری ہے کہ یہ حالتیں اس کریم کی شان کے لائق نہیں۔

سوال : جب یہ حالتیں اس کی شان کے لائق نہیں تو پھر اس کے لیے عدم اعتراء و عدم عروض کی بجائے عدم اخذ سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے ؟

جواب نمبر ۱ : واقع کو بیان کرنے کی رعایت کی گئی ہے کہ یہ دونوں حالتیں جب بھی کسی کو عارض ہوتی ہیں تو بطریق اخذ و استیلا کے عارض ہوتی ہے۔

جواب نمبر ۲ : اس طرح تشبیہ کے بغیر پورے طور پر نفی ہوتی ہے۔

جواب نمبر ۳ : مزید تاکید ہو گئی کہ وہ معبود حیّ و قیوم ہے اس لیے کہ جب یہ عارضے لاحق ہوتے ہیں تو اس کی حیات ماؤف (بیمار)

سمجھی جاتی ہے کہ یہ عارضے لاحق ہو رہے ہیں فلہٰذا حفظ و تدبیر سے قاصر ہے۔

عجیب تقریر معنٰے یہ ہوا کہ اللہ تعالٰے منزہ ہے ان عوارض سے جو اس کی مخلوق کو عارض ہوتے ہیں یعنے وہ سہو اور غفلت اور ملال اور فترت (سستی) سے پاک ہے اور وہ جن اشیاء کی حفاظت پر قائم ہے وہ سستی کی وجہ سے نہ کمزور ہے اور نہ ہی اسے تھکاوٹ کے عوارض لاحق ہوتے ہیں اور ایسے عوارض پر وہ تھکان اتارنے اور استراحت پر نہ مجبور ہوتا ہے نہ تھکاوٹ کو نیند اور اونگھ سے دور کرتا ہے۔ اس لیے کہ نیند موت کی مانند ہے اور موت حیات کی نقیض ہے۔

عقیدہ : اس تقریر سے ثابت ہوا کہ جیسے اسے موصوف بصفات الکمال ماننا ضروری ہے اسی طرح اسے ہر نقصان کی صفات سے منزہ ماننا لازم ہے۔

حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خواب کی حالت میں ملائکہ سے پوچھا کہ کیا ہمارا رب سوتا بھی ہے۔ اللہ تعالٰے نے فرشتوں کی طرف وحی بھیجی کہ موسےٰ علیہ السلام کو جگاؤ۔ ایسے ہی تین بار فرمایا۔ پھر کہا کہ اسے مت سونے دو۔ جب موسےٰ علیہ السلام جاگے تو اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ پانی کی بھری ہوئی دو بوتلیں دونوں ہاتھوں میں تھامئے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان بوتلوں کو ہاتھ میں لے لیا تو آپ کو نیند کا غلبہ ہوا جس کی وجہ سے آپ کے ہاتھوں سے دونوں بوتلیں گر کر ٹوٹ گئیں! اور آپ کی آنکھ کھل گئی۔ اللہ تعالٰے نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے اپنی قدرت سے آسمانوں اور زمینوں کو تھاما ہوا ہے۔ اگر مجھے بھی نیند آجائے تو پھر تیری بوتلوں کی طرح تمام آسمان و زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ (کذا فی الکشاف)

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا : بے شک اللہ تعالٰے نیند نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی شان کے لائق ہے کہ وہ نیند کرے۔

شرح حدیث : حضرت ابن الملک رحمہ اللہ تعالٰے فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں بیان ہے کہ اللہ تعالٰے پر نیند کا وقوع محال ہے اس لیے کہ نیند ایک عجز ہے اور اللہ تعالٰے عجز سے پاک ہے۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ نیند کی عادت کا ترک کرے۔ اگرچہ اللہ تعالٰے نے بندوں کو نیند کی اجازت بخشی ہے بلکہ نیند اس کا فضل ہے۔ لیکن کثرت النوم بطالت ہے اور اللہ تعالٰے بطّال کو محبوب نہیں بناتا۔

نسخہ کیمیا : حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مجھ پر وارداتِ ولایت اس وقت نصیب ہوئے جب کہ رات کو میں نے دن بنا دیا یعنی بکثرت بیداری کی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سر آنکہ بہ بالیں نہد ہوشمند
کہ خوابش بقہر آورد در کمند

ترجمہ : جو بھی سرہانہ سر کے نیچے رکھے گا اس پر لازماً نیند کا حملہ ہوگا۔

دو شاگردوں کا مناظرہ ایک شخص کے دو شاگرد تھے۔ ان دونوں کا اس بات پر جھگڑا ہو گیا کہ نیند افضل ہے یا بیداری۔ ایک کہتا کہ نیند افضل ہے کیونکہ اس حالت میں بندہ گناہ سے بچ جاتا ہے۔ دوسرا کہتا کہ بیداری افضل ہے اس لیے کہ اس حالت میں بندہ اپنے رب کی یاد میں وقت گزار کر اس کا عرفان حاصل کرتا ہے۔ یہ دونوں اپنی داستان اپنے استاد صاحب کے ہاں لے گئے۔ استاد صاحب نے دونوں کی بات سن کر فیصلہ فرمایا کہ جس نے کہا ہے کہ بیداری افضل ہے اس کی زندگی پُر بہار بسر ہوگی۔

حکایت ایک شخص نے لونڈی خریدی جب رات ہوئی تو لونڈی سے کہا کہ میرا بستر بچھا دے۔ لونڈی نے پوچھا، جناب! آپ کا بھی کوئی مولیٰ ہے۔ اس نے کہا، ہاں۔ لونڈی نے عرض کی، کیا وہ سوتا بھی ہے۔ اس نے کہا، نہیں۔ لونڈی نے کہا، تجھے شرم نہیں آتی جب کہ تو سو جاتا ہے اور تیرا مولیٰ بیدار ہوتا ہے [1]

مؤذن رسولؐ حضرت بلالؓ کے چند ناصحانہ اشعار: حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سحر کو اٹھ کر مندرجہ ذیل اشعار پڑھتے تھے:

ے

یا ذا الذی استغرق فی نومہ

ما نوم عبد ربہ لا ینام

اھل تقول اننی مذنب

مشتغل اللیل بطیب المنام

ترجمہ: اے وہ شخص جو سراسر نیند میں ڈوبا رہتا ہے اس عبد کی کیا نیند ہے جس کا آقا بیدار رہتا ہے۔
کیا صرف یہی عذر کافی ہو جائے گا جب کہ تو کہتا ہے کہ میں تو گنہگار ہوں۔ حالانکہ ساری رات میٹھی نیند کے مزے لوٹتا ہے۔

لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔

ربط: یہ مضمون اللہ تعالیٰ کی قیومیت کی دلیل ہے اور حجت ہے اس پر کہ الوہیت صرف اسی ذات حق کی ہے۔ کیونکہ اس نے ہی پیدا فرمایا جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور ان میں کسی کی مشارکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح کوئی بھی ایسا نہیں جو ان میں ملکیت کا دعویٰ رکھتا ہو۔ ان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ماننا محال ہے اور آسمان و زمین کا کوئی اس کے سوا مالک نہیں

---

[1] حضرت بابا فرید رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے ے

اٹھ فریدا ستیا توں جھاڑو دے مسیت

توں ستا رب جاگدا تیری ڈاہڈے نال پریت

(اویسی غفرلہ)

اور نہ ان کی کوئی شے اس کے سوا کسی کی ملکیت ہو سکتی ہے ۔ نہ اس کے ساتھ کسی کی شرکت ہے اور نہ ہی کسی کو اس پر غلبہ ہے اس لیے کہ اس کے ماسوی کی عبادت نہ کی جاتے جیسے کسی کا عبد مالک کی اجازت کے بغیر کسی کی خدمت نہیں کر سکتا ایسے ہی عبادت کا معاملہ سمجھو ۔ اور مافیہما یعنے آسمان وزمین سے ان کے وہ اجزاء مراد ہیں جو ان میں داخل ہیں ایسے ہی ان کے وہ امور خارجہ مراد ہیں جو ان میں قدرت رکھتے ہیں جیسے عقلاء وغیرہ اور یہ زیادہ بلیغ ہے اس سے کہ کہا جاتا : لہ السموات والارض ومافیھن اس لیے کہ مافیھن کا ذکر السموٰت والارض کے بعد دلالت کرتا ہے کہ اس سے صرف وہ امور خارجہ مراد ہو سکتے ہیں جو متمکنہ ہیں یعنے عقلاً ۔ اس لیے کہ اگر اس میں امور داخلہ و خارجہ دونوں مراد ہو سکتے ہیں تو پھر ان کے ذکر کرنے کی ضرورت کیا تھی ۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یہ من مبتدا ہے اور ذا اس کی خبر ہے اور الذی ، ذا کی صفت ہے یا اس سے بدل ہے اور مَن اگرچہ استفہامیہ ہے لیکن اس سے مراد نفی ہے اسی لیے باذنہ پر الا داخل ہوا ۔

ف : عندہٗ میں دو ترکیبیں ہیں :

① یَشْفَعُ سے متعلق ہے ۔

② محذوف سے متعلق ہے ۔

جو کہ حال کے محل میں واقع ہے جس کا ذوالحال ضمیر ہے جو یشفع میں ہے ۔ ای لا احد یشفع مستقرا عندہ الا باذنہ یہی وجہ زیادہ قوی ہے اس لیے کہ جب اس کے ہاں وہ شفاعت نہیں کر سکتا جو اس کے ہاں اور اس کے قریب ہے پھر وہ جو بہت زیادہ بعید ہے وہ کیسے شفاعت کر سکتا ہے اور اِلَّا بِاِذْنِہٖ محذوف سے متعلق ہے کیونکہ یہ حال ہے یشفع کے فاعل سے اور استثنا مفرغ ہے اور البار مصاحبت کی ہے ۔

اب معنے یوں ہوا :

لا احد یشفع عندہ فی حال من الاحوال الا فی حال کونہ ماذونا لہ ۔ اس کے ہاں کوئی بھی کسی حال میں کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا ہاں اس حال میں سفارش کر سکتا ہے جب کہ اسے اس سے اجازت حاصل ہو ۔

یا اس کا معنٰے یوں ہوگا :

ولا احد یشفع عندہ بامر من الامور الا باذنہ ، کوئی بھی کسی امر کی شفاعت نہیں کر سکتا مگر اس کی اجازت کے بغیر ۔ اب یہ باء استعانت کی ہوگی جیسے ضوب بسیفہ میں باء استعانت کی ہے اس کا جار مجرور مفعول بہ کے محل میں واقع ہے ۔

ف : مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ یہ بت اللہ تعالے کے ہاں ہماری سفارش کریں گے کیونکہ یہ اس کے شریک ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے اپنی توحید کا ذکر فرمایا اور غیر کی نفی فرمائی تاکہ یہ مضمون ثبوت التوحید اور نفی الشرک) کے لیے

جامع ہو یعنی کوئی ایک بھی اس کے ہاں ایسا نہیں جو اس کے ہاں سفارش کرے، ہاں وہ سفارش کر سکتا ہے جسے اس نے اجازت بخشی ہے (یعنی انبیاء و اولیاء)

مسئلہ: اس میں رد ہے معتزلہ کا جو کہ علی الاطلاق شفاعت کے منکر ہیں [1] حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بعض حضرات یعنے انبیاؤ اولیاءٗ کے لیے الا باذنہ سے اس کا اثبات فرمایا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ استثناء حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو مقام محمود کا وعدہ دیا ہے اور مقام محمود سے مراد شفاعت ہے۔

اب معنے یوں ہوا کہ قیامت کے دن کون ہوگا جو کسی کی شفاعت کرے۔ ہاں اللہ تعالےٰ کے پیارے اور مقدس عبد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ایسے ہیں جو سب کی شفاعت فرمائیں گے اس لیے کہ انہیں شفاعت کا اذن حاصل ہے اور تمام انبیاء کرام آپ ہی کی شفاعت کے منتظر ہوں گے ؎

۱۔ غم مخور د آنکہ شفیعش توئی
پایہ دہ قدر رفیعش توئی

۲۔ حاصلی از نیست ز طاعت مرا
ہست امیدے بشفاعت مرا

ترجمہ: (۱) جس کے آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) شفیع ہوں پھر اسے کیا غم جب کہ آپ اسے بلند مرتبہ عطا فرمائیں گے۔
(۲) مجھے اگرچہ طاعت کا موقعہ نصیب نہ ہوا لیکن مجھے آپ کی شفاعت کی امید کافی ہے۔

احادیث شفاعت

(۱) حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ہاں اللہ تعالےٰ کی طرف سے کوئی آنے والا تشریف لایا اور کہا کہ یا تو آدھی امت بہشت میں جانے کا مان لو یا شفاعت اختیار کرو۔ میں نے شفاعت کو اختیار کیا۔

(۲) مروی ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام قیامت کے دن ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت چاہیں گے اس لیے کہ آپ کے پاس تمام لوگ شفاعت کے لیے حاضر ہوں گے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس وقت کہوں گا کہ آؤ! میں اس کے لیے تیار ہوں۔ یہی مقام محمود ہے جس کے لیے اللہ تعالےٰ نے (آپ کو) قیامت کے دن کا وعدہ

---

[1]: میں دیوبندیوں، وہابیوں کو معتزلہ کی شاخ اس لیے کہتا ہوں کہ یہ بھی حقیقت میں شفاعت کے منکر ہیں۔ تفصیل فقیر کی کتاب ابلیس تا دیوبند میں ہے۔ (مترجم اویسی غفرلہٗ)

فرمایا ہے۔ آپ اٹھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوں گے اور اس کی تعریف کریں گے ایسے محامد سے کہ جن کے لیے اللہ تعالیٰ خود آپ کے قلب اطہر پر اسی وقت القا فرمائے گا، جو اس سے قبل آپ ان کلمات سے بے خبر غیر ملتفت تھے۔ پھر آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کا عرض کریں گے کہ وہ کریم مخلوق کے لیے شفاعت کا دروازہ کھول دے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ملائکہ و دیگر انبیاء و مومنین (اولیا اللہ) کو شفاعت کی اجازت عام فرمائے گا۔

اس لحاظ سے آپ ہی قیامت کے دن تمام لوگوں کے سردار ہوں گے کہ آپ کے ہی کہنے سے ملائکہ اور انبیاء کو شفاعت کی اجازت ملے گی باوجودیکہ حضور علیہ السلام تمام مخلوق کے قیامت میں سردار ہوں گے۔ لیکن تواضعاً و تادباً آپ نے فرمایا: انا سید الناس اور سید الخلائق نہ فرمایا تاکہ فرشتے بھی آپ کی سیادت کے تحت نہ آجائیں۔ لیکن تواضعاً صرف الناس فرمایا۔ باوجودیکہ اس وقت آپ کی سیادت اور سلطنت سب پر ہوگی ملائکہ ہوں یا انسان وغیرہ وغیرہ۔

نکتہ: یہ اپنے مقام پر ثابت ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام کے مقامات کے جامع ہیں۔

ے

آنچہ ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ کے تمام مقامات عالم دنیا میں ظہور پذیر ہوئے، صرف ایک مقام رہ گیا وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے علم کے سامنے ملائکہ کو سر جھکانے کا حکم ہوا۔ ایسے دنیا میں حضور علیہ السلام کے لیے موقعہ نہیں بنا۔ لیکن جب قیامت کا دن ہوگا تو وہاں نہ صرف ملائکہ بلکہ جن کے سامنے ملائکہ نے سر جھکایا وہ بھی اس بارگاہ کے ریزہ خوار نظر آئیں گے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے کل قیامت میں سب کو حضور نبی علیہ السلام کی شفاعت کا محتاج بنایا تاکہ ثابت ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ جب کہ قہر و جلال میں ہے کسی کو فرصت نہیں کہ آنجا دم زند۔ لیکن ایک ایسی شخصیت بھی ہے کہ اس وقت بھی سب کو جھڑا لیتی ہے۔ اس سے حضور پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت اور وقار بلند کرنا مطلوب ہے کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ اس ذات کے سامنے ان کی کتنی بڑی اجابت ہے۔ (کذا فی تفسیر الفاتحہ لمولانا الغفاری رحمہ اللہ الباری)

ف: سب سے پہلے شفاعت کا دروازہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کھولیں گے۔ پھر انبیاء و اولیاء اور ملائکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی شفاعت کریں گے۔ سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہی نظارہ شفاعت دکھائے گا اور وہ ارحم الراحمین سب سے آخر میں اس لیے کہ جب وہ شفاعت کرنے والے اپنی من مانی منوا کر فارغ ہوں گے پھر وہ شانِ کریمی کا مظاہرہ فرمائے گا۔

ے: حضرت مولانا مولوی غلام رسول کوٹلہ عالمپوری فرماتے ہیں ؎

نبی صفی دا سید سرور تے کوثر دا ساقی

جیں حق خاص شفاعت کبریٰ ختم رسل اتفاقی

اور اللہ تعالٰی کے لیے شفاعت کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ حضرات ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لیں گے جو شرعی مومن تھے اب اللہ تعالٰی ان لوگوں کو جہنم سے نکالے گا کہ جو اللہ تعالٰی کی توحید کو عقلیات سے جانتے تھے کہ ان کے پاس عقلی دلائل تھے انہی کی وجہ سے توحید کا علم رکھتے تھے اس وجہ سے نہ وہ شرک میں مبتلا ہوئے اور نہ شرعی ایمان لا سکے اور نہ ہی ان سے نیکی ہو سکی کہ وہ کسی وقت کے نبی کی اتباع میں زندگی گذار کر مرے گویا ان کے پاس ایمان کی رتی تک بھی نہ ہوگی۔ انھیں ارحم الراحمین جہنم سے آزاد فرمائے گا۔

تنبیہ : اس تقریر کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ بھی منجملہ عجائبات سے ہے جسے مجھے میرے شیخ علامہ نے افادہ کے طور پر بتایا اور یہ افادہ بھی کشفیہ تھا لیکن تفسیر الفاتحہ للمولی الفناری کے مطابق ہے۔

اے اللہ! ہمیں بخش اور رحم فرما تو ارحم الراحمین ہے۔

تفسیر عالمانہ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ، وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔

یہ جملہ مستانفہ دوسرا ہے۔ اللہ تعالٰی کے علم کے محیط ہونے کا بیان ہے کہ اپنی مخلوق کو جانتا ہے کہ ان میں شفاعت کا مستحق کون ہے اور کون نہیں، یعنی جانتا ہے ان کے امورِ دنیا کو جو ان سے پہلے ہوئے اور ان کی امورِ آخرت کو جو انھیں آگے آنے والے ہیں۔ ما بین ایدیھم سے آخرت مراد ہے کہ وہاں پر انھوں نے اپنے لئے اعمال بھیجے اور وما خلفھم سے دنیا مراد ہے کہ وہ اسے اپنی پیٹھ کے پیچھے چھوڑ آئے یا ما بین ایدیھم آسمان سے زمین تک اور وما خلفھم سے جو کچھ آسمانوں میں ہے مراد ہے یا ما بین ایدیھم ان کی زندگی کے لمحات ختم ہونے کے بعد وما خلفھم سے وہ امور جو ان کی پیدائش سے پہلے تھے مراد ہیں یا پہلے سے ان کے وہ اعمال جو وہ کرتے ہیں اچھے یا برے اور دوسرے سے وہ جو اس کے بعد کریں گے مراد ہیں۔ اس عبارت سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالٰی سفارش کرنے والے اور جس کی سفارش کی جائے گی کے احوال مثلاً اس کے لیے کیا ثواب ہے اور کیا سزا۔ ضمیر ما فی السمٰوٰت و ما فی الارض کی طرف لوٹتی ہے اس لیے کہ ان میں عقلاء بھی ہیں۔ اس بنا پر کہ عقلاء کو غیر عقلاء پر تغلیب ہے یا یہ کہ اس پر 'فاء' دلالت کرتا ہے کہ اس سے انبیاء و ملائکہ مراد ہیں۔ اس اعتبار سے صرف عقلاء ہی مراد ہوں گے۔

وَلَا يُحِيطُونَ اور نہیں ادراک کر سکتے یعنے ملائکہ و انبیاء وغیرہ ہیں سے بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ اس کے علم یعنی معلومات میں سے کسی شئے کو إِلَّا بِمَا شَاءَ

علم عطائی کا ثبوت اور اس کے دلائل[1] : ہاں جو کچھ وہ چاہے تو اسے وہ جانتے ہیں یعنی جس پر وہ انھیں مطلع کرتا ہے

---

[1] : وہابی دیوبندی عطائی علم غیب کے منکر ہیں ۱۲۔ دیکھئے تقویۃ الایمان اور فتاوی رشیدیہ۔ تفصیل کے لیے دیکھئے (بقیہ بر صفحہ نمبر ۲۶)

جیسے رسل کرام کی خبریں۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا :

"عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول "

سوال : من علمہ میں تم نے علم بمعنے معلومات کیوں کہا ہے ؟

جواب : اس لیے کہ علم اللہ تعالےٰ کی صفت ہے اور اسی سے قائم ہے اور وہ اجزاً ہونے سے پاک ہے ہم نے علم بمعنے معلوم کہا ہے تاکہ استثناً اس پر تبعیض کا مفہوم صادق آسکے جو ہمارا مطلوب ہے ۔

ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا کیا کہنا

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے :

"یعلم محمد علیہ السلام ما بین ایدیھم من الامور الاولیات قبل خلق اللہ الخلائق ...الخ

حضور محمد کریم صلے اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں جو کچھ ان سے پہلے ہوا یعنے وہ امور جو پہلے گزرے جب کہ اللہ تعالےٰ نے ابھی مخلوق کو پیدا بھی نہیں فرمایا تھا ۔

خود حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اول ما خلق اللہ نوری (سب سے پہلے اللہ تعالےٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا)

وما خلفھم اور جو ان کے بعد کو ہوگا جیسے قیامت کے خطرناک معاملات اور مخلوق کی گھبراہٹ اور اللہ تعالےٰ کا غضب میں ہونا انبیاء علیہم السلام کا شفاعت کرنا اور ان کا نفسی نفسی پکارنا پھر مخلوق کو ایک دوسرے کے حوالے کرنا یہاں تک کہ سخت پریشانی کے عالم میں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہونا۔ کیونکہ شفاعت کبریٰ صرف آپ سے ہی مخصوص ہے ۔ ولا یحیطون بشیء من علمہ کی ضمیر کے متعلق احتمال ہے کہ یہ حضور علیہ السلام کی طرف راجع ہو یعنے حضور علیہ السلام شاہد ہیں ان کے احوال پر یعنی جانتے ہیں جو ان کے آگے ہے یعنی ان کی سیرت اور ان کے معاملات کو اور ان کے قصے جانتے ہیں۔ وما خلفھم سے مراد آخرت کے امور اور اہل جنت اور اہل نار کے احوال ہیں اور آپ کی معلومات میں سے کچھ نہیں جانتے ہاں جن کے لیے وہ چاہیں یا انھیں وہ خبر دیں "

علمِ نبوی و علمِ الٰہی کے متعلق عقیدہ

ہمارے شیخ علامہ (ابقاہ اللہ بالسلامۃ) نے رسالہ رحمانیہ میں جو انھوں نے کلمہ عرفانیہ کے بیان میں تحریر فرمایا ہے کہ علم اولیاً

(بقیہ حاشیہ) میری کتاب " دیوبندی بریلوی فرق " (اویسی)

بکے علوم انبیاء کے علوم سے وہ نسبت رکھتے ہیں جو قطرے کو سات دریاؤں سے اور انبیاء کے علوم کو ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے علم سے وہی نسبت ہے جو مذکور ہوئی اور ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے علوم کو اللہ تعالےٰ کے علم سے بھی وہی نسبت ہے"

قصیدہ بردہ شریف میں ہے ؎

۱۔ وکلھم من رسول اللہ ملتمس

غرفا من البحر او رشفا من الدیم

۲۔ وواقفون لدیہ عند حدھم

من نقطۃ العلم او من شکلۃ الحکم

ترجمہ: (۱) اور تمام پیغمبران عظام علی نبینا وعلیہم السلام حضور علیہ السلام کے دریائے معرفت اور باران رحمت سے پانی کے چلّو یا قطرہ آب کی درخواست کرتے ہیں۔

(۲) تمام رسل کرام علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں اپنی اپنی حد پر اس طرح کھڑے ہیں جیسے نقطہ اور اعراب اپنی جگہ پر متمکن ہوتے ہیں اور حد سے متجاوز نہیں ہوتے۔

شرح اشعار مذکورہ: کائنات کے علوم اگرچہ کثیر ہیں لیکن اللہ تعالےٰ کے علم کے سامنے بمنزلہ ایک قطرہ کے ہیں! در اللہ تعالیٰ کے علوم سے حصول کا مرکز حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اس لیے ہر نبی و ولی اپنی قابلیت و استعداد کے مطابق حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علم حاصل کر رہا ہے۔ کسی کو حق نہیں کہ وہ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھے یا اُن سے پہلے کچھ حاصل کر سکے۔

ف: النقطۃ بروزن فعلۃ نقطت الکتاب نقطا سے ماخوذ ہے اور الشکلۃ بالفتح بروزن فعلۃ، شکلت الکتاب ای قیدتہ بالاعراب سے ماخوذ ہے یعنی میں نے اسے اعراب سے مقید کیا۔

تفسیر عالمانہ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین سے فراخ ہے۔ الکرسی وہ جس پر بیٹھا جاتا ہے یعنے ایسی شے جو لکڑی سے تیار کی گئی ہو کہ اس کی لکڑیاں بعض کی بعض پر رکھی جائیں اور بیٹھنے والے کی مقعد سے متصل ہو گویا وہ الکرس کی طرف منسوب ہے اور الکرس وہ کہ جس میں اُون کو تہ بہ تہ رکھا جائے یعنے اس کی کرسی آسمان و زمین سے تنگ نہیں بلکہ بسیط و وسیع ہے۔ اس میں صرف اس کی عظمت کا اظہار اور مثال دینا مطلوب ہے ورنہ حقیقۃً نہ کوئی کرسی ہے اور نہ ہی اس پر کوئی بیٹھنے والا ہے۔

توضیح: اس کی تقریر یوں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی مخلوق کے ساتھ اپنی ذات و صفات کی تعریف میں وہ طرز رکھی ہے جو ان کی عادت بادشاہوں اور روساء کے ساتھ ہوتی ہے مثلاً کعبہ کو اپنا گھر کہا اور حکم دیا کہ اس کے ارد گرد طواف کریں جیسے بادشاہوں کے

گھروں کا طواف کرتے ہیں۔ پھر کعبہ کی زیارت کا حکم دیا جیسے لوگ بادشاہوں کے گھروں کی زیارت کرتے ہیں۔ اور فرمایا کہ حجر اسود زمین پر اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے پھر اس کے اندر بوسہ دینے کی جگہ متعین فرمائی جیسے لوگ بادشاہوں کے ہاتھ چومتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن بندوں سے حساب لینے کے لیے ملائکہ اور انبیاء اور شہدا جمع ہوں گے اور ان کے حساب کے لیے ترازو رکھے گا۔ اس قیاس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے عرش معین فرمایا۔ چنانچہ فرمایا:

"الرحمٰن علی العرش استوی"

پھر اپنے لیے کرسی کا تعین فرمایا۔ چنانچہ فرمایا:

وسع کرسیہ السمٰوٰت والارض۔

خلاصہ: وہ تمام الفاظ جن میں تشبیہ کا شائبہ ہے مثلاً عرش، کرسی یہ سب صرف مثال کے طور پر ہیں سب سے زیادہ قوی اس میں کعبہ، طواف اور تقبیل الحجر کا معاملہ ہے اور اس میں امت کا اتفاق ہے کہ ان تمام اشیاء کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی کبریائی مطلوب ہے ورنہ وہ ایسی بات سے منزہ ہے کہ کہا جائے کہ وہ کعبہ میں ہے یا اس طرح کہ وہ الفاظ کہ جن میں اللہ تعالیٰ کو انسانوں سے تشبیہ دی جاتی ہے جیسے اس کے لیے عرش و کرسی وغیرہ ثابت کیے جاتے ہیں۔ بہترین قول وہ ہے جو امام نے فرمایا کہ کرسی ایک جسم ہے جو عرش کے آگے ہے جو ساتوں آسمانوں کو محیط ہے اس لیے کہ زمین ایک کرہ ہے اور آسمان دنیا اس زمین کو ایسے محیط ہے جیسے چھلکا انڈے کو جمیع اطراف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اسی طرح پھر دوسرا آسمان آسمان دنیا کو گھیرے ہوئے ہے اسی طرح ہر آسمان یہاں تک کہ عرش الٰہی ہر شے کو محیط ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے ایک حلقہ جنگل میں پڑا ہو۔ پھر عرش الٰہی کو کرسی پر وہی فضیلت ہے جیسے حلقہ پر اس جنگل کو۔"

ف: غالباً آٹھواں فلک وہی فلک البروج ہے۔

کرسی کا طول و عرض و دیگر معلومات

حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ کرسی کے ہر پایہ کا طول ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں کے برابر ہے اور وہ عرش الٰہی کے سامنے ہے۔ کرسی کو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اور ہر فرشتے کے چار چہرے ہیں اور ان کے قدم ساتویں زمین کے نیچے مقام صخرا پر ہیں جن کی مسافت پانچ سو سال ہے اور ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ سید البشر حضرت آدم علیہ السلام کی صورت پر ہے وہ ایک سال سے دوسرے سال تک اللہ تعالیٰ سے آدمیوں کے لیے رزق اور بارش کا سوال کرتا رہتا ہے دوسرے کی صورت بر اور سید الانعام یعنے جانوروں کا سردار بیل ہے وہ بھی ایک سال سے دوسرے سال تک جانوروں کے رزق کا سوال کرتا رہتا ہے۔

ف: اس فرشتے کے چہرے پر اس روز سے جب سے بچھڑے کی پرستش کی گئی ہے نقص اور کمی چھا گئی ہے۔

تیسرے فرشتے کی صورت سید السباع یعنے شیر کی صورت پر ہے وہ بھی ایک سال سے دوسرے سال تک درندوں کے رزق کا سوال کرتا رہتا ہے۔ چوتھے فرشتے کی صورت سید الطیر یعنی نسر (گدھ) کی صورت پر ہے وہ بھی ایک سال سے دوسرے سال تک پرندوں کے لیے رزق کا سوال کرتا رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ کرسی کی تحقیق میں جاننا چاہیئے کہ دین و دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان کو چاہیئے کہ جو ارشادِ باری اور احادیث کا حکم ہے ان میں تاویل نہ کرے۔ ان کو ویسے ہی رہنے دے جیسے مذکور ہوا یا جیسے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے تفسیر فرمائی ہے اسی طرح مانا جائے۔ ہاں کوئی ایسا محقق ہو جسے اللہ تعالٰے نے کشف حقائق و معانی و اسرار و ارشادات التنزیل و تحقیق التاویل سے نوازا ہے۔ اس کا علیحدہ مقام ہے کہ اسے جب اللہ تعالٰے کوئی خاص معنے یا اشارہ یا تحقیق منکشف فرمادے کہ وہ معنے ایسا مناسب ہو کہ صورت اعیان کے معنے میں ابطال لازم آئے جیسے جنت، نار، میزان صراط اور جو کچھ بہشت میں ہے حور، قصور، انہار، اشجار اور ثمار وغیرہ جیسے عرش، کرسی، شمس، قمر، لیل، نہار ان میں کسی قسم کی تاویل نہ کی جائے کہ جس معنے سے ان کی صورتوں میں تغائر پیدا ہو جائے بلکہ انھیں انہی اعیان میں برقرار رکھا جائے۔ جیسے ان کا مفہوم ہے اور ان کے معانی کے حقائق سمجھے جاتے ہیں اللہ تعالٰے نے جو شے بھی عالم صورت میں بنائی اس کی صورت عالم معنٰے میں بنائی ہے اور جو شے بھی عالم معنٰے میں ہے اس کی حقیقت عالم حق میں موجود ہے یعنے غیب الغیب میں۔ اس کی تفسیر کو اچھی طرح سمجھ لو۔

ف: تمام عالمین میں جو کچھ بھی پیدا فرمایا اس کی مثال اور نمونہ انسان میں ضرور بنایا ہے۔

جب یہ تقریر سمجھ میں آگئی تو اب جان لو کہ عرش کی مثال عالم انسان میں اس کا قلب ہے کیونکہ یہی ہے محل استوا الروح کا اور کرسی کی مثال سرالانسان ہے بہت بڑی تعجب خیز بات یہ ہے کہ وہ عرش الٰہی جسے استوائے الٰہی کی نسبت کا شرف ہے وہ مومن (کامل) کے قلب کی وسعت کے مقابلہ میں ایسے ہے جیسے ساتوں آسمان و زمین کے مقابلہ میں ایک حلقہ۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است
من نگنجم ہیچ در بالا و پست

۲۔ در زمین و آسمان و عرش نیز
من نگنجم این یقین داں اے عزیز

۳۔ در دلِ مومن بگنجم اے عجب!
گر مرا جوئی دراں دلہا طلب

۴ - خود بزرگی عرش باشد بس بدید
لیک صورت کیست چوں معنے رسید

ترجمہ: (۱) پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ میں اوپر نیچے کہیں نہیں سماتا۔

(۲) فرماتا ہے کہ میں زمین و آسمان اور عرش پر بھی نہیں سماتا۔ اے عزیز! اسے یقین سے مان۔

(۳) ہاں میں مومن کے دل میں سماتا ہوں اگر مجھے تلاش کرنا ہے تو اہل ایمان کے دلوں میں تلاش کرو۔

(۴) عرش کی بزرگی قابل ستائش ہے لیکن ظاہری صورت ہے اور معنوی لحاظ سے کسی اور کو بزرگی اور شرافت حاصل ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَا یَئُودُهٗ:

حل لغات: کہا جاتا ہے: آدہ الشیء یؤودہ اودا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ وہ شے اسے بوجھ ڈالے اور اس سے اُسے مشقت پہنچے۔ الاود (بفتح الواو) بمعنے ٹیڑھا پن سے مشتق ہے اور یہ بوجھ کے وقت لاحق ہوتا ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالٰے کو بوجھ نہیں ڈالتا اور نہ ہی وہ اسے مشقت میں ڈالتا ہے۔

حِفْظُهُمَا: آسمانوں اور زمینوں کی نگرانی۔ اس لیے کہ اس کے لیے قریب وبعید سب برابر ہے۔ اسی طرح قلیل وکثیر بھی۔ اسے کیا تھکان ہو جب کہ اس کے لیے ذرّہ اور تمام کائنات کا بنانا برابر ہو نہ اُسے تھوڑے سے آسانی ہے اور نہ کثیر سے دکھ۔ بس اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ جب کسی شے کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے: ہوجا۔ وہ ہوجاتی ہے۔

سوال: صرف آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت کا ذکر فرمایا ہے ان کے اندر کی حفاظت بھی تو وہی کرتا ہے پھر ان کا ذکر کیوں نہیں؟

جواب: اس لیے کہ ان کے اندر کی اشیاء ان کے تابع ہیں جب ان کی حفاظت ہوگئی تو ان کے اندر والی اشیاء کی حفاظت بھی ہوگئی۔

وَهُوَ الْعَلِيُّ، اور وہ اللہ تعالٰے بلند ہے اس کی ذات میں نہ اس کا کوئی شبیہ ہے اور نہ ہی کوئی شریک۔ الْعَظِيْمُ۝ اتنا عظمت والا ہے کہ اس کے ماسوا اس کی شان کے آگے تمام اشیاء حقیر ہیں۔

آیت میں علو سے علو قدر ومنزلت مراد ہے نہ کہ علو مکان۔ کیونکہ وہ ذات تحیز سے منزہ ہے اسی طرح اس کی صفات کا حال ہے کہ وہ کریم ہے اور قہر وکبریا اس کی شان ہے۔ اس سے مقدار وحجم کا گمان نہ کرنا کیونکہ اس کی ذات توہمات سے پاک ہے اور اس کی شان اس سے بلند وبالا ہے کہ اسے جواہر واجسام کی جنس سے سمجھا جائے۔ غور کا مقام ہے کہ اللہ تعالٰے کے بہت بڑے بندے انبیاء واولیاء اور علماء کی کتنی بڑی ہیبت ہوتی ہے کہ جب بھی کوئی سمجھدار آدمی ان حضرات کی شان سے خبر پاتا ہے اور ان کے اوصاف کریمہ سنتا ہے تو ان کی ہیبت سے اس کا سینہ بھر جاتا ہے۔ اور ان کی ایسی ہیبت کے باوجود اس کا قلب ان کی محبت میں شوق میں رہ کر غیر کو اپنے قلب میں جگہ نہیں دیتا۔ نبی علیہ السلام اپنی امت کے حق میں ایک بڑی شخصیت سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح شیخ اپنے

مرید کے حق میں۔ اللہ تعالٰے کی صفات کی کنہ تک پہنچنے سے ادراک عاجز ہے۔ اگر کوئی کسی ایک صفت میں اللہ تعالٰے کے برابر یا اس سے تجاوز کرنے کا دعوٰی رکھتا یا مانتا ہے تو پھر اسے عظیم کیسے مان سکتا ہے۔

خلاصہ التفسیر علم کلام کے بہت بڑے اور اصولی مسائل اس آیت میں آگئے ہیں جن مسائل کو ذات حق اور اس کی بڑی صفات سے تعلق ہے وہ سب اس آیت میں بیان ہوگئے ہیں مثلاً اس آیت میں کہا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالٰے موجود ہے اور معبودیت صرف اسی کے لیے ہے اور وہ حیات سے موصوف ہے اور واجب الوجود لذاتہ اور موجد لغیرہ ہے اس لیے کہ قیوم وہ ہے جو قایم بذاتہ اور مقیم لغیرہ ہے وہ تحیز و حلول سے منزہ اور تغیر و فتور سے مبرّا ہے۔ اشباح کو اس سے کسی طرح بھی مناسبت نہیں اور نہ ہی اسے وہ امر عارض ہوتا ہے جو نفوس وارواح کو عارض ہوتا ہے وہ مالک والملک والملکوت ہے مبدع الاصول والفروع ہے ذوالبطش الشدید ہے۔ اس کی شفاعت کے بغیر کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکتا۔ جمیع اشیاء کا صرف وہی عالم ہے وہ بڑی ہوں یا چھوٹی۔ کلی ہوں یا جزی واسع الملک والقدرت ہے ہر شئے اسی کے قبضہ میں ہے کوئی شئے بھی اس کی ملک سے باہر نہیں۔ وہ ہر ایک پر قدرت رکھتا ہے۔ ہمارے ہر وہم و گمان سے بلند و بالا ہے۔ ایسا عظیم ہے کہ اس کی عظمت تک ہمارے افہام پہنچ نہیں سکتے۔

فضائل آیۃ الکرسی حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پاک میں سب سے بڑی آیت آیۃ الکرسی ہے جو اسے پڑھتا ہے اللہ تعالٰے اس کے لیے ایک فرشتہ مقرر فرماتا ہے جو اس وقت سے کل تک اس کی نیکیاں لکھتا اور برائیاں مٹاتا رہتا ہے۔

شرح حدیث: آیۃ الکرسی تمام آیات سے اپنے مقتضا کی وجہ سے عظمت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ شے کو شرافت یا ذاتی طور پر حاصل ہوتی ہے یا مقتضٰی کی وجہ سے یا متعلقات کی وجہ سے۔

ف: امام سیوطی رحمہ اللہ تعالٰی نے اتقان میں فرمایا کہ جس قدر آیۃ الکرسی میں اللہ تعالٰے کے اسماء گرامی مذکور ہوئے ہیں اس قدر کسی دیگر آیت میں مذکور نہیں ہوتے آیۃ الکرسی میں سترہ مقام پر اللہ تعالٰے کے اسماء گرامی مذکور ہوئے ہیں۔ بعض ان سے ظاہر ہیں اور بعض اشارہ و کنایہ کے طور پر۔ اور وہ سترہ اسماء یہ ہیں۔

۱ - اللہ	۲ - ھو	۳ - الحی
۴ - القیوم	۵ - لا تاخذہ کی ضمیر	۶ - لہ کی ضمیر
۷ - عندہ کی ضمیر	۸ - باذنہ کی ضمیر	۹ - یعلم کی ضمیر
۱۰ - علمہ کی ضمیر	۱۱ - شاء کی ضمیر	۱۲ - کرسیہ کی ضمیر
۱۳ - یؤدہ کی ضمیر	۱۴ - حفظھما کی ضمیر مستتر ہو کہ مصدر (الحفظ) کی فاعل ہے۔	
۱۵ - ھو	۱۶ - العلی	۱۷ - العظیم ۔

اس آیت کی سیادت کی دلیل اتنی کافی ہے کہ اس میں الحی القیوم اسم اعظم موجود ہے۔ جیسا کہ اس کے لیے حدیث شریف میں وارد ہے۔

اسم اعظم کی دلیل از حدیث شریف

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں ذکر کر رہے تھے کہ قرآن پاک میں کونسی آیت افضل ہے اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ افضل آیات القرآن آیۃ الکرسی ہے۔ یہ سن کر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! سید البشر آدم علیہ السلام ہیں اور سید العرب (حضرت) محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں! اور سید الفرس (فارس) سلمان فارسی اور سید الروم صہیب اور سید الحبشہ بلال اور سید الجبال طور اور سید الایام یوم الجمعہ اور سید الکلام قرآن مجید اور سید القرآن بقرۃ اور سید البقرۃ آیۃ الکرسی ہے۔

آیۃ الکرسی کے اوراد و وظائف

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس گھر میں آیۃ الکرسی پڑھی جاتی ہے تو تیس یوم تک اس گھر کے قریب بھی شیطان نہیں بھٹکتے اور نہ ہی اس گھر میں چالیس یوم تک جادوگر مرد یا عورت داخل ہو سکتے ہیں۔ اے علی! یہ آیت اپنے بچوں اور اہل و عیال اور ہمسائیگاں کو یاد کراؤ۔ اس آیت سے بڑھ کر اور کوئی آیت قرآن مجید میں نازل نہیں ہوئی۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تمہارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا، آپ نے ممبر پر دوران وعظ فرمایا: جو شخص اپنی ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے تو اسے بہشت سے موت رکاوٹ ہے اور اس پر وہ مواظبت کرتا ہے جو صدیق ہوگا یا عابد۔ جو شخص اسے بستر پر لیٹتے وقت پڑھ لیتا ہے تو وہ خود اور اس کا ہمسایہ اور اس کے علاوہ چند اور گھر اللہ تعالے کی امان میں آجاتے ہیں۔

حکایت

حضرت محمد بن ابی بن کعب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انھیں ان کے باپ نے خبر دی کہ ان کی گڈری تھی اس میں اس کی سبزی رکھتے تھے۔ اس کی وہ خود نگرانی کرتے تھے۔ چند روز کے بعد محسوس کیا کہ اس میں کمی واقع ہو رہی ہے۔ اس پر انھوں نے اپنی نگرانی اور تیز کر دی۔ ایک رات ایک سواری کو دیکھا جو کہ ایک نوجوان لڑکے کے ہم شکل ہے۔ فرماتے ہیں میں اس کے قریب گیا اور السلام علیکم کہا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے اسے کہا کہ تم کون ہو، انسان ہو یا جن؟ اس نے کہا کہ میں جن ہوں۔ میں نے اسے کہا کہ مجھے اپنا ہاتھ دکھاؤ۔ چنانچہ اس نے مجھے اپنا ہاتھ دکھایا تو اس کا ہاتھ اور اس کے بال کتے کی طرح تھے۔ میں نے اس سے کہا کہ کیا جن ایسے ہوتے ہیں۔ اس نے کہا: یہ تم نے کیا دیکھا۔ جنات اس سے بھی اور زیادہ سخت ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو نے یہ کیا حرکت کی ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا کہ تم صدقہ دینے کو بہت پسند کرتے ہو۔ ہماری بھی خواہش ہوئی کہ ہم تمہارے مال سے کچھ کھائیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ تمہاری شرارت سے کیا شے بچاتی ہے۔ اس نے کہا کہ وہ آیت جو کہ سورہ بقرہ میں ہے جس کی ابتدا یہ ہے: اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم ...الخ

جو شخص اسے صبح کے وقت پڑھ لیتا ہے وہ شام تک ہمارے شر سے محفوظ رہتا ہے اور جو اسے شام کو پڑھ لیتا ہے وہ صبح تک ہمارے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ جب ابی بن کعب حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں صبح کے وقت حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا اس خبیث نے سچ کہا۔

حکایت مروی ہے کہ ایک شخص ایک درخت یا کھجور کے قریب ہوا تو اس کے اندر سے حرکت محسوس کی۔ اس نے کچھ کہا لیکن جواب نہ ملا۔ اس کے بعد اس نے آیۃ الکرسی پڑھی تو وہاں سے ایک شیطان نیچے اترا۔ تو اس شخص نے شیطان سے پوچھا کہ ہمارا ایک بیمار ہے بتاؤ ہم اس کا کیا علاج کریں۔ اس شیطان نے کہا اس بیمار کا علاج یہی ہے جو تو نے پڑھ کر مجھے درخت سے نیچے اتارا۔

حکایت حضرت زید بن ثابت اپنے ایک باغ میں تشریف لائے تو اس میں سے کسی شے کے ہانکنے کی آواز سنی۔ آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ جواب ملا کہ ہم جنات ہیں ہمارے ہاں قحط پڑ گیا ہے۔ اس لیے ہم آپ کے باغ سے ثمرات توڑنے آئے ہیں کیا آپ اجازت بخشتے ہیں کہ ہم آپ کے باغ سے پھل توڑ کر لے جائیں۔ آپ نے اجازت دے کر فرمایا: اے جنات! یہ بتاؤ کہ ہم کونسا عمل کریں تاکہ ہم تمہارے شر سے بچ جاویں۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ آیۃ الکرسی ہمارے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے بہترین علاج ہے۔

خلاصہ: آیۃ الکرسی جنات پر غالب رہنے کا بہترین علاج ہے۔ اس کا تجربہ بہت لوگوں نے کیا۔ شیاطین کو دور رکھنے اور مرگی والے کو بچانے اور جس پر شیطان کا حملہ ہو اسے محفوظ رکھنے کے لیے۔ آیۃ الکرسی اچھی تاثیر رکھتی ہے۔ مثلاً اہلِ شہوت طرب اور ناجائز سماع کے شوقین اور مکاروں اور شرارت پسند اور اہلِ ظلم غضب کے سامنے پڑھی جائے تو بہت فائدہ نصیب ہوتا ہے۔ بشرطیکہ صدقِ دل سے ہو۔ (کذا فی اکام المرجان فی احکام الجان)

دل پر درد را دوا قرآن
جان مجروح را شفا قرآن
ہرچہ جوئی ز نص قرآن جو
کہ بود گنج علمہا قرآن

ترجمہ: (۱) دل پر درد کی دوا قرآن اور جان مجروح کی شفا قرآن۔

(۲) جو کچھ چاہتا ہے قرآن کی نص سے تلاش کر اس لیے کہ علوم کا خزانہ قرآن ہے۔

سوال: اس میں صدق دل کی قید کیوں؟

جواب: اس لیے کہ صدق دلی سے کام بنتے ہیں۔ کیونکہ سچے کا چہرہ نورانی رہتا ہے اور جھوٹے کا سیاہ۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ صبح صادق

اور صبح کاذب میں کتنا ظاہری فرق ہے کہ صبح صادق کے بعد روشنی پھیل جاتی ہے اور صبح کاذب کے بعد سیاہی ہی سیاہی۔
مثنوی شریف میں ہے ؎

ہست تسبیحت بخار آب و گل
مرغ جنت شد ز نفخ صدق دل

ترجمہ: تیری تسبیح تو آب و گل کا بخار ہے۔ پرندہ بہشت کا بنا جس نے سچے دل سے آواز نکالی۔
نکتہ: جو بات بطریق حال کے ہو اس میں اثر ہوتا ہے اور جو بات صرف قال تک محدود ہو اس میں کوئی اثر نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ محروم پھرتے ہیں اگرچہ وہ اسم اعظم بھی پڑھیں۔
اے اللہ! ہمیں دولت تقویٰ اور تزکیہ نفس نصیب فرما۔ اس لیے کہ تو ہی بہترین تزکیہ فرمانے والا ہے۔ (امین)

تفسیر عالمانہ لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ ؕ

شان نزول: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت مجوس اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی کہ ان سے جزیہ قبول کر لیا جاتا۔ انھیں اسلام لانے پر مجبور نہ کیا جاتا بخلاف مشرکین عرب کے کہ ان سے جزیہ کی بات ہی نہ تھی یا تلوار یا اسلام۔ یعنے اوّلاً اسلام پیش کیا جاتا اگر قبول کر لیتے تو فبہا ورنہ تلوار سے گردن اڑائی جاتی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ مسلمان ہو جائیں لیکن اب حکم ہوا کہ دین میں اجبار و اکراہ نہیں۔ کیونکہ عقل کے حقوق میں سے ہے کہ اسے تکلیف والزام پر مجبور نہ کیا جائے بلکہ وہ دین و اسلام کو بلا تردد و بغیر لیس و پیش کرنے کے قبول کرے اس لیے کہ دین اسلام کے دلائل واضح ہیں۔

قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ، بے شک ہدایت واضح ہو چکی ہے۔ الرشد کا لفظ ہر خیر کا جامع ہے۔ یہاں پر ایمان مراد ہے جو سعادت ابدیہ کی طرف موصل ہے۔ اس پر قرینہ بھی ہے کہ اس سے قبل دین کا ذکر ہو چکا ہے۔ مِنَ الْغَيِّ گمراہی سے یعنے کفر سے جو دائمی بدبختی تک پہنچانے والا ہے۔

ف: امام راغب فرماتے ہیں کہ غیّ جہل کی طرح ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ باعتبار اعتقاد کے کفر ہوتا ہے اور باعتبار اعمال کفریہ کے غی ہوتا ہے اس لیے زوال جہل کو علم سے اور زوال غی کو رشد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ پس کون ہے وہ جو طاغوت سے کفر کرتا ہے۔ الطاغوت اللہ تعالےٰ کے ماسوٰی جس کی عبادت کی جائے وہ طاغوت ہے[1] شرط یہ ہے کہ وہ فی نفسہٖ مذموم اور متمرد ہو۔ خواہ وہ انسان ہو یا جن یا شیطان۔ اس قید

---

[1]: اس لفظ کی تفسیر بلا قید متمرد کے مولوی حسین علی واں بھچرانوی نے کی ہے۔

سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال پیدا نہیں ہوتا کہ وہ مذموم اور متمرد نہیں تھے اور طاغوت سے کفر کا مطلب یہ ہے کہ اسے عبادت کا مستحق نہ ٹھہرایا جائے۔

یُؤْمِنۡ بِاللّٰهِ اور اللہ تعالٰے پر ایمان لاتا ہے اسے واحد مان کر اس کے رسل کرام کی تصدیق کر کے۔ اس لیے کہ انبیاء اور کتب سے کفر کرنا حقیقۃً ایمان لانا یہی ہے کہ اس کے اوامر و نواہی اور وہ شرائع جو دلائل سے معلوم ہیں ۔ جنہیں اللہ تعالٰے نے اپنے بندوں کے لیے قایم فرمائے ہیں کو ماننا۔

سوال: کفر بالطاغوت کو ایمان باللہ پر کیوں مقدم کیا گیا ہے ؟

جواب: ایمان باللہ موقوف کفر بالطاغوت پر ہے اور موقوف علیہ ہمیشہ مقدم ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ برائیوں سے پاک وصاف ہو جانا مقدم ہوتا ہے نیکیوں سے آراستہ ہونے سے۔

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى پس بے شک اس نے مضبوط رسی کو تھام لیا یعنی اس نے مبالغہ کیا مضبوط حلقہ کے پکڑنے میں۔

ف: العروۃ وہ جسم کبیر اور ثقیل الموضع کہ پکڑنے والا اس جسم کو پکڑتے یا اٹھاتے وقت اس سے متعلق ہو۔ الوثقی فعل التفضیل کی تانیث ہے جیسے فضلی افضل کی تانیث ہے۔

لَا انْفِصَامَ لَهَا ایسی رسی کہ جس کا ٹوٹنا ممکن نہیں۔ یہ نیا جملہ ہے۔ اس میں دلائل حق کی قوت کا بیان ہے کہ وہ دلائل ایسے قوی ہیں کہ انھیں شک وشبہ کی کوئی شے عارض نہیں ہوتی۔

ف: العروۃ الوثقی استعارہ ہے محسوس کا معقول کے لیے۔ اس لیے کہ جو شخص بھی دین اسلام کو قبول کرتا ہے تو وہ گویا ایسے واضح دلائل سے متعلق ہو گیا کہ وہ دین اسلام پر واضح طور پر دلالت کرتے ہیں جب کہ اسلام کے دلائل بہت زیادہ قوی اور زیادہ واضح ہیں اس لیے اللہ تعالٰے نے انھیں العروۃ الوثقی سے تعبیر فرمایا ہے۔

ف: حضرت ابو مسعود فرماتے ہیں کہ یہ کلام تمثیلی ہے اور اس تشبیہ پر مبنی ہے کہ جس نے حق پر پورا اعتقاد رکھا اس سے اس کی نقیض خارج ہو گئی۔ اس لیے کہ اسے ایسے براہین قاطعہ مل گئے ہیں کہ جن سے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ پھر اسے حسی شے سے تمثیل دی گئی کہ جیسے کسی مضبوط رسی کو تھام لے کہ جس کا ٹوٹنا محالات سے ہو۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اس میں استعارہ فی المفردات نہیں۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ اور اللہ تعالٰے سنتا ہے تمھاری باتوں کو عَلِيْمٌ ۝ اور جانتا ہے تمھارے عزائم اور عقائد کو۔ اور تمھارے عزائم وعقائد کی گمراہی اور ہدایت اور ان کے حق و باطل کو جانتا ہے اور ہر ایک پر بموافق عمل و قول اور عقیدہ کے احکام جاری کرتا ہے۔ اس طرح کا کلام وعدہ و وعید سنانے میں زیادہ بلیغ سمجھا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: حقیقی ایمان یہ ہے کہ ایمان کا تعلق اللہ تعالٰے سے ہو علیٰ وجہ الشہود والعیان اور مجازی ایمان یہ ہے کہ

اس سے تعلق رسمی اور صرف زبان تک محدود ہو یا پھر طاغوت سے تعلق ہو۔ اسی طرح حقیقی کفر یہ ہے کہ اس کا تعلق طاغوت سے ہو اور مجازی کفر یہ ہے کہ اس کا تعلق وحدۃ اللہ اور اس کی نعمت سے ہو اس لیے کہ کفر تین قسم کا ہے :

(۱) کفر النعمۃ

(۲) کفر الوحدۃ

(۳) کفر الطاغوت

اسی طرح انسان بھی تین قسم کے ہیں :

(۱) اصحاب المیمنہ ——— وہی ہیں ارباب الجمال اور اس کے مظاہرے سے تعلق رکھنے والے ۔

(۲) اصحاب المشأمہ ——— وہی ہیں ارباب الجلال ۔

(۳) مقربین ——— یہی لوگ ارباب الکمال اور اس کے مظاہرے کے متعلقین ہیں ۔

فریق اوّل کے قلوب جمال الٰہی کے خدام ملائکہ مقربین کے ہاتھ ہی ہوتے ہیں اور فریق ثانی کے قلوب جلال الٰہی کے خدام سرکش شیاطین کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں جو انھیں شرور کے راستہ پر استعمال کرتے ہیں اور فریق ثالث کے قلوب خود اللہ مالک متعال کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کا ہاتھ جمال وجلال کے خدام کے ہاتھوں کے اوپر ہوتا ہے اللہ تعالےٰ التجلیات العالیات والعلوم والمعارف الالٰہیات کے مابین جیسے چاہتا ہے ان کے قلوب پھیرتا ہے جب کہ ایسے گروہوں کا ایمان تعلق باللہ علیٰ وجہ الشہود والعیان ہوتا ہے اور ان کے کفر کا تعلق طاغوت سے جلی وخفی ہر دونوں طریق سے ہوتا ہے ۔ بنا بریں ان کا ایمان و کفر حقیقی ہوگا۔ یہ لوگ عالم مجاز سے نکل کر عالم حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں اور فریق ثانی کے ایمان کا تعلق مطلقاً طاغوت سے ہوتا ہے یعنے ظاہرًا بھی اور باطنًا بھی اسی طرح ان کے کفر کا تعلق وحدت ونعمت سے مطلق یعنی ظاہرًا و باطنًا ہوتا ہے ۔ بنا بریں ان کا ایمان وکفر مجازی ہوگا لیکن ان کا ایمان ان کے کفر کی طرح مردود ہوتا ہے ۔ کیونکہ ان کے ایمان کا تعلق اللہ تعالےٰ سے بالکل ہوا ہی نہیں ۔ گویا کہ ان کے ایمان کا تعلق صرف طاغوت تک محدود رہا۔ اس لیے وہ عالم مجاز سے آگے ہرگز نہ بڑھ سکے انھیں عالم حقیقت تک پہنچنا "زہے نصیب"۔ انھیں اس کے قرب میں بھی بھٹکنے تک نہیں دیا جاتا۔ اور فریق اوّل کے ایمان کا تعلق اللہ تعالےٰ سے علیٰ وجہ الرسم والبیان ہوا۔ اور انھیں طاغوت سے کسی طریق سے بھی واسطہ نہ تھا۔ لیکن اتنی کمی ان کے ایمان میں ہوئی کہ ان کا ایمان باللہ علی وجہ الشہود نہ تھا اور نہ ہی اخلاص سے ایمان لاتے۔ اگرچہ جلی وجہ الرسم والبیان بھی تھا لیکن خلوص ضروری تھا۔ مگر وہ خلوص سے محروم رہے اس لیے کہ ان کے ایمان کو طاغوت سے بھی تعلق رہا۔ اگرچہ ان کا یہ تعلق خفی تھا اور طاغوت سے کفر کا تعلق جلی تھا، اس لیے ان کا ایمان وکفر دونوں مجازی تھے۔ لیکن ان کا ایمان ان کے کفر کی طرح مردود نہ ہوگا بلکہ ان کا ایمان قبول ہوگا اس لیے کہ انھیں طاغوت سے ظاہری طور پر کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر خاتمہ کے وقت اگر ان کے ایمان کا تعلق طاغوت کے تعلق خفی پر غالب رہا تو فلاح میں داخل ہو جائے گا۔ پھر آخرت میں بھی اگر اس کی فضل الٰہی مدد کرے تو درست اور نہایت بہتر۔ اس کی معافی

ہو جائے گی ورنہ وہ جہنم میں جائے گا اور وہ اپنے کفر خفی کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا پھر اسے جہنم سے نکالا جائے گا بوجہ اس کے کہ اس سے جلی طور پر کفر باللہ صادر نہ ہوا تھا اس پر وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ نیز یہ ہوا کہ وہ طاغوت سے بھی کفر کرتا تھا۔ ایسے لوگوں کو بھی عالم حقیقت تک پہنچنا نصیب نہ ہوگا۔ البتہ اس کے قرب سے بہرہ ور ہوں گے۔ اس لیے یہ لوگ عالم حقیقت کے قرب کی وجہ سے جہنم سے تجاوز کرکے بہشت میں داخل ہوں گے۔ اس لیے یہ لوگ نفس حقیقت کی نسبت کی وجہ سے عالم مجاز و فرقت میں وطن بنائیں گے نہ کہ عالم حقیقت و وصال میں اور فریق ثانی تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہیں گے کیونکہ انھوں نے طاغوت کے ساتھ مطلق طور پر ایمان لایا ۔ اور اللہ سے کفر کیا۔

تیسرے گروہ کی سعادت کا بیان تو قرآن میں منصوص اور قطعیۃ الثبوت ہے۔ لیکن آخری دم میں اور فریق ثانی کی شقاوت اور فریق اوّل کی سعادت قطعی الثبوت نہیں بلکہ محتمل الثبوت ہے اُخر النفس میں۔ لیکن افراد پر نظر کرکے اس لیے کہ دنیوی لحاظ سے عاقبت الامران کے افراد پر نظر کرکے تبدیل و تغیر جائز ہے۔ یہ تقریر وہ ہے جو میں نے کتاب المسمی بالابحاث سے لی ہے جس کے مصنف میرے شیخ علامہ ابقاہ اللہ بالسلامۃ (رحمہ اللہ تعالےٰ) ہیں۔

تفسیر عالمانہ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اللہ تعالےٰ ولی ہے ان لوگوں کا جو ایماندار ہیں یعنی ان کا محب اور معین ہے یا ان کے جملہ امور کا متولی ہے۔ انھیں ان کے غیر کی طرف سپرد نہیں کرتا۔ پس ولی کبھی باعتبار محبت و نصرت کے ہوتا ہے اس معنے پر محب کو ولی کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے حبیب کے قریب ہوتا ہے نصرت و معونت کے لحاظ سے اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔ اور کبھی باعتبار تدبیر اور امر و نہی کے ہوتا ہے اس معنے پر ارباب حکومت کو ولی کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ قوم کے قریب ہوتے ہیں بایں طور کہ وہ ان کے امور کی تدبیر کرتے ہیں۔ اور ان کے مصالح و مہمات کی رعایت کرتے ہیں۔

اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ ولی ہے ان لوگوں کا کہ جن کے لیے ایمان لانا اس کے ارادہ میں تھا اور اس کے علم میں ثابت تھا کہ ضرور بالضرور ایمان لائیں گے۔ ان کے انجام کو دیکھ کر یا ان کے حال پر نظر کرکے۔

سوال: اس کے ظاہر کے خلاف دوسرے طریق سے کیوں بیان فرمایا ہے؟

جواب: تاکہ یخرجھم من الظلمات کہنے سے تحصیل الحاصل کا وہم پیدا نہ ہو۔

يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ نکالتا ہے انھیں ظلمات سے۔ ظلمات سے مراد عام ہے ظلمات کفر و معاصی و شبہ و شکوک بلکہ علوم استدلالیہ کی بعض کوتاہیاں جو ان سے سرزد ہوتی ہیں مثلاً ضعف اور خفا بالقیاس جو دلائل قویہ تک نہیں پہنچ سکتے ہیں یعنے اللہ تعالےٰ ان کو ان تمام مراتب بالنظر کے مرتبہ عیان سے محروم ہوجانے سے بچاتا ہے۔ اِلَى النُّوْرِ ۵ یہاں بھی نور سے مراد اعم ہے نور ایمان و ایقان اپنے جمیع مراتب کے ساتھ اور نور عیان یعنے اپنی ہدایت و توفیق سے ہر ایک کو ہدایت دیتا ہے اس ظلمت سے جو اس میں واقع ہوئے نور کی طرف۔

سوال: ظلمات کو جمع سے کیوں لایا گیا ہے؟

جواب: ضلالت کے فنون مختلف ہیں اور کفر بھی کئی ملتوں کا نام ہے۔

سوال: نور واحد کیوں؟

جواب: اس لیے کہ اسلام ایک ہی دین ہے۔

سوال: کفر کو ظلمت سے اور اسلام کو نور سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب: کفر کو ظلمت سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس کا راستہ اندھیرے سے ملتبس ہوتا ہے اور اسلام کو نور سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس کا طریقہ واضح اور کھلا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اور وہ لوگ جو کافر ہوئے یعنے وہ لوگ کہ جن کا کفر اللہ تعالے کے علم میں ثابت ہے۔ اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ان کے ولی طاغوت ہیں۔ یعنی شیاطین اور تمام وہ گمراہ جو حق کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں وہ جادوگر اور شر و فساد کے قائدین اگر اس سے بت مراد ہوں جو کہ وہ جمادات ہیں۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ ان کی دوستی حقیقی تو وہی ہے جو اللہ تعالے کے لیے ہو یا ان کے امور اللہ تعالے کے سپرد کریں۔ بلکہ یہ معنٰی ہے کہ کفار ان سے دوستی کرتے ہیں یعنے ان کے ساتھ اعتقاد رکھتے ہیں اور ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور طاغوت کا لفظ مذکر بھی ہوتا ہے اور مؤنث بھی واحد ہوتا ہے اور جمع بھی۔

يُخْرِجُوْنَهُمْ انھیں نکالتے ہیں وساوس وغیرہ ڈال کر لیے سیدھے راستہ سے بھٹکاتے ہیں۔ مِّنَ النُّوْرِ یعنے فطری ایمان سے کہ جس پر تمام کی پیدائش ہوئی ہے۔ اِلَى الظُّلُمٰتِ ظلمات کفر و فساد کی استعداد اور انہماک شہوات کی طرف۔ یا انھیں نور یقینیات سے ظلمات شکوک و شبہات کی طرف۔ اخراج کا اسناد طاغوت کی طرف مجازاً ہے اس لیے کہ وہ اخراج کا سبب ہے یہ اس کے منافی نہیں کہ نکالنے والا تو حقیقۃً اللہ تعالے ہے۔ اس آیت سے معتزلہ اپنا دعوٰی ثابت نہیں کر سکتے جیسا کہ وہ عقیدہ رکھتے ہیں کفر اور اس جیسے دہ افعال قبیحہ جو بندہ کے لیے مناسب نہیں انھیں اللہ تعالے کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں جیسا کہ اس آیت میں کفر کی نسبت اللہ تعالے نے اپنے بجائے طاغوت کی طرف کی ہے۔ اُولٰٓئِكَ۔ یہ اشارہ اسمِ موصول کی طرف ہے باعتبار موصوف ہونے اس کے کہ وہ صلہ کی جگہ پر ہے اور اس کے ساتھ اور قبائح بھی اس کے تابع ہوئے ہیں۔ اَصْحٰبُ النَّارِ جہنمی ہیں۔ یعنے وہ اپنے جرائم کے نتیجہ میں جہنم میں داخل ہونے والے اور اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وہی اس میں ہمیشہ رہنے یعنے ہمیشہ ٹھہرنے والے ہیں۔

سوال: پہلے مضمون میں یعنے يخرجهم من الظلمٰت الى النور کے بعد اولٰئك اصحاب الجنة هم فيها خلدون کیوں نہ فرمایا گیا؟

جواب: مومنین کی شان کی عظمت کی وجہ سے اس لیے کہ بیان لفظی مکتفی نہیں جو اللہ تعالے نے ان کے لیے دار آخرت میں تیار فرمایا ہے۔

تفسیر صوفیانہ مومنین کے ایمان میں مختلف مراتب ہوتے ہیں۔ اور وہ تین ہیں۔ اس لیے کہ مومنین کے بھی تین گروہ ہیں :

(۱) عوام المومنین

(۲) خواص

(۳) خواص الخواص

عوام المومنین کو اللہ تعالےٰ ظلمات الکفر والضلالۃ سے نکال کر نور الایمان والہدایۃ کی طرف راستہ دکھاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ خود فرماتا ہے :

والذین اھتدوا زادھم ھدیٰ۔ اور خواص کو ظلماتِ صفات نفسانیہ اور جسمانیہ سے نکال کر نور روحانیہ ربانیہ کی طرف پہنچاتا ہے۔

چنانچہ فرمایا :

الذین امنوا و تطمئن قلوبھم بذکر اللہ ۔ اور اطمینان قلب اس وقت نصیب ہوتا ہے جب انسان صفاتِ نفسانیہ سے صاف ستھرا ہو جائے اور صفات روحانیہ سے آراستہ ہو اور خواص الخواص کو ان کے وجود سے انہیں فنا کر کے ظلمات حدوث الخلقۃ الروحانیہ سے نکال کر نور تجلی صفۃ القدم کی طرف لے جاتا ہے تاکہ انہیں بقا نصیب ہو۔ جیسا کہ فرمایا :

"انھم فتیۃ امنوا بربھم وزدناھم ھدیٰ"

انہیں فتوۃ یعنے جوانمردی کی طرف منسوب فرمایا جب کہ ان کے ارواح طلب حق میں متوجہ ہوئے اور اللہ تعالےٰ پر ایمان لائے اور طاغوت و دنیا نوس کے ساتھ کفر کیا جب وہ قدم فتوت یعنی جواں مردی سے اللہ تعالےٰ کے قریب ہوئے یعنے اللہ تعالیٰ کی مزید عنایت کے سبب سے۔ پس اللہ تعالےٰ نے انہیں ظلماتِ نفسانیہ سے نکال کر نور روحانیت کی طرف پہنچایا۔ پھر جب ان کے ارواح کے انوار سے ان کے نفوس منور ہوئے تو ان کے قلوب اللہ تعالےٰ کے ذکر سے مانوس ہوئے اور اہل دنیا و مافیہا سے متوحش ہوئے تو وہ خلوت کو پسند کرتے ہیں جیسے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ابتدا میں حال تھا۔

ف : حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سب سے پہلے حضور علیہ السلام کو خلوت پسند تھی۔

ف : فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ مجھے قسم ہے کہ یہی حال ہر طالبِ مولیٰ اور حق کے عاشق اور مرید صادق کا ہوتا ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سوال : حضرت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالےٰ بطور اعتراض کے لکھتے ہیں کہ صوفیہ کرام کی جماعت فرماتی ہے کہ غیر اللہ سے مشغول ہونا معرفت الٰہی سے حجاب بن جاتا ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام ہمیشہ خلق خدا کو طاعات و تکالیف کی طرف بلاتے رہے اس طرح سے وہ بھی تو مشغول بخلق رہے جو وہ بھی اشتغال لغیر اللہ ہے پھر مخلوق کے ساتھ مشغولی انہیں ذکر اللہ سے روکے رکھتی تھی اس سے ثابت ہوا کہ ان کے کارنامے حق و صدق پر مبنی نہ تھے ؟ (معاذ اللہ)

(بقیہ صفہ ۴۱ پر)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ
اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ
يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا
يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ
قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ
كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ
اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً
لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ
قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۚ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِىْ كَيْفَ
تُحْىِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ؕ قَالَ فَخُذْ
اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا
ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۚ

ترجمہ: اے محبوب! (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کیا تم نے اسے نہیں دیکھا تھا جو ابراہیم (علیہ السلام) سے اس کے پروردگار کے بارے میں جھگڑا کہ اللہ تعالےٰ نے اسی شاہی بخشی جب کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔ کہا میں جلاتا اور مارتا ہوں ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو اسے مغرب سے لا۔ تو کافر کے ہوش اڑ گئے اور اللہ تعالےٰ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا۔ یا اس کی طرح جو ایک بستی پر گذرا اور وہ اپنی چھتوں پر ڈھی پڑی تھی، سو اللہ تعالےٰ نے اسے سو برس مردہ رکھا پھر اسے زندہ کیا۔ فرمایا کہ تو کتنا عرصہ ٹھہرا ہے۔ عرض کی ایک دن ٹھہرا ہوں یا کچھ کم۔ فرمایا کہ بلکہ تو ایک سو سال ٹھہرا ہے سو اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ لیجئے کہ تا حال بدبودار نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو ملاحظہ کیجئے کہ (مٹی میں مل گیا ہے) اور یہ اس لیے تاکہ ہم تمھیں لوگوں کے لیے نشانی بنائیں اور ان ہڈیوں کو دیکھیئے کہ کیسے ہم انھیں اٹھان دیتے ہیں پھر انھیں گوشت پہناتے ہیں جب یہ معاملہ اس پر واضح ہوگیا کہا، مجھے خوب معلوم ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر شے پر قادر ہے۔

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے مشاہدہ کرا دے کہ تو (قیامت میں) مردے کیونکر زندہ فرمائے گا۔ فرمایا کہ کیا تمھیں اس کا یقین نہیں عرض کی: ہاں، یقین تو ہے لیکن چاہتا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ فرمایا کہ تو چار پرندے لے کر اپنے ساتھ ہلا لے پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر

رکھ دو پھر انھیں بلاؤ وہ تمھارے ہاں دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے اور جان لو کہ اللہ تعالے غلبہ والا حکمت والا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۹)

جواب : ان مجالس نفیسہ کے جامع یعنی صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ یہ اعتراض لاشے ہے اس لیے کہ طاعات وتکالیف بھی معرفت الٰہی کے وسائل ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت بھی درحقیقت معرفت ہی تھی کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر نہیں دیکھی گئی ہو کہ انھوں نے "وما خلقت الجن والانسان الا لیعبدون" کے تحت لکھا ہے کہ لیعبدون بمعنے لیعرفون۔

پھر اللہ تعالے نے لیعرفون کی بجائے لیعبدون کیوں فرمایا جو مقتضیٰ ظاہری کے خلاف ہے؟

اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی وہی مقبول ہے جو بطریق عبادت کے حاصل ہاں اشتغال بغیر اللہ جو عبادت کے طریق سے نہ ہو وہ حجاب ہے اسی لیے اولیاء اللہ کا حالِ ابتدائی خلوت اور انقطاع عن الناس پر ہوتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتدار پر اور اس ارادہ پر کہ حجابات درمیان سے اٹھ جائیں جو کہ عوام کے ساتھ میل جول سے پیدا ہوئے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

آدمی را ہست در ہر کار دست
لیک ازو مقصود ایں خدمت بدست
تا جلا باشد مر ایں آئینہ را
کہ صفا آید ز طاعت سینہ را

(۱) آدمی کا ہر کام میں شغل ہوتا ہے لیکن چاہیے کہ اس سے اس کا مقصد صرف (عبادت) ہو۔
(۲) تاکہ اس شیشہ کو روشنی ہو کیونکہ سینہ کو طاعت الٰہی سے جلا نصیب ہوتا ہے۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ، کیا تمھارا علم نہیں پہنچا جو یقین کرنے میں عیاں کے مشابہ ہے یعنے اے محبوب! صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری خبر پہنچا نے پر یقین کیجئے۔ اِلَی الَّذِیْ اس کی طرف۔ حَآجَّ جس نے مجادلہ و مقابلہ ہمت کی۔ اِبْرٰھٖمَ، ابراہیم علیہ السلام سے اپنی ربوبیت کا معارضہ پیش کر کے۔ فِیْ رَبِّہٖٓ، ابراہیم علیہ السلام کے

رب کے بارے میں۔

اس مضمون میں ربوبیت کا عنوان قائم کر کے ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹاتے میں ان کی شرافت کا اظہار مطلوب ہے اور خبر دینا ہے کہ اللہ تعالے نے ہی مدد فرمائی جب کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خصم کو زیر کیا۔

نمرود کا تعارف جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مقابلہ کیا وہ نمرود بن کنعان بن سام بن نوح (علیہ السلام) تھا یہ وہی ہے کہ جس نے سب سے پہلے اپنے سر پر شاہی تاج رکھا تھا اور سرکشی کر کے ربوبیت کا دعوے کیا۔ اس سے پیشتر کسی سے یہ امور سرزد نہیں ہوئے۔

اَنْ اٰتٰـہُ اللّٰہُ الْمُلْکَ۔ یہ کہ اسے اللہ تعالے نے ملک دیا یعنے اس لیے کہ اسے اللہ تعالےنے بادشاہی بخشی۔ ان اتـــٰه الله الملك ، حاج کا مفعول لہ ہے۔ اس کے دو معنے ہو سکتے ہیں :

① یہ کلام میں باب العکس سے ہے یعنے اس نمرود نے بادشاہی ملنے پر شکر کرنے کی بجائے حجت بازی شروع کر دی ورنہ اسے چاہیے تھا کہ جب اسے بادشاہی ملی تھی تو وہ اللہ تعالے کا شکر بجا لاتا لیکن اس نے اِس کے برعکس کیا یعنی جو اس پر واجب تھا اس کے خلاف کیا۔ یہ اس محاورہ سے ہے کہ جو اہل عرب کہتے ہیں :

عادانی فلان لانی احسنت الیہ (وہ میرے ساتھ دشمنی کرتا ہے اس لیے کہ میں نے اس کے ساتھ احسان کیا ہے)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر حق تھا کہ وہ تمھارے ساتھ دوستی کرتا کہ تم نے اس کے ساتھ احسان کیا۔ لیکن اس نے اس کے برعکس تمھارے ساتھ دشمنی کی۔

② بادشاہی ملتے ہی اس نے حجت بازی شروع کر دی۔ اس پر اسے کبر نے ابھارا اور سرکشی میں پڑگیا جس سے وہ حجت باز بن بیٹھا۔

اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالےنے اسے بکثرت مال، خوشحالی اور تمام دنیا کی شاہی عطا فرمائی۔

ف : حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ تمام عالمِ دنیا پر بادشاہی کرنے والے کل چار بادشاہ ہوئے، دو مسلمان اور دو کافر۔ دو مسلمان بادشاہ یہ ہیں :

① حضرت سلیمان علیہ السلام
② حضرت ذوالقرنین علیہ السلام

اور دو کافر بادشاہ یہ ہیں :

① نمرود بن کنعان
② بخت نصر

یہی جنت نصر شداد بن عاد تھا، جس نے باغ ارم عدن کے بعض جنگلات میں تیار کرایا تھا۔

مسئلہ: اس میں رد ہے اس کا جو کہتا ہے کہ اللہ تعالٰے کافروں کو بادشاہی نہیں دیتا۔ ایسا عقیدہ رکھنے والے معتزلہ ہیں اس لیے کہ ان کا مذہب ہے کہ اللہ تعالٰے پر واجب ہے کہ اسے وہ شے دے جو اس کے لیے اصلح ہو اور یہ بہت بُری بات ہے کہ اللہ تعالٰے کافر کو بادشاہی دے جس سے وہ مومنین پر مسلط ہو جائے اور یہ مومن کے حال کے لیے اصلح نہیں۔ ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالٰے نے اسے بادشاہی دی، اس سے امتحان لینے اور بندوں کو عبرت دینے کے لیے۔

إِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ جب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ جملہ حاجّ کا ظرف ہے۔ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ لا میرا رب وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔

حکایت مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کافروں کے بت توڑے تو نمرود نے ان کو جیل میں ڈال دیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد نکال کر ارادہ کیا کہ انھیں جلا دے۔ اس وقت ان سے پوچھا بتاؤ! تمھارا رب کون ہے کہ جس کی طرف تُو ہمیں بلاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے یعنے وہ حیات و ممات اجسام میں پیدا کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جواب نہایت احسن تھا اس لیے کہ اس کی معرفت نہیں ہو سکتی جب تک اس کی صفات کا علم حاصل نہ ہو اور ساتھ ہی اس کے افعال بھی معلوم ہوں کہ وہ ایسے افعال کا مالک ہے کہ اس کے افعال کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں خواہ وہ بزعم خویش کتنی ہی قدرت رکھتا ہو۔ احیاءً و امانت (جلانا و مارنا) اسی قبیل سے ہے۔

قَالَ۔ یہ سوال ہے ایک جواب کا۔ سوال ہوا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اتنی بڑی زبردست دلیل قائم فرمائی تو پھر نمرود نے اس کا کیا جواب دیا تو فرمایا کہ اس نے کہا۔ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ط میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔

حکایت (واقعہ) مروی ہے کہ نمرود نے یہ کہہ کر دو مرد بلائے جنھیں اس نے جیل میں ڈال رکھا تھا۔ ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو رہا کر دیا۔ پھر کہنے لگا، دیکھئے اے ابراہیم میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ اس نے ترکِ قتل کو احیاءً سے تعبیر کیا جو کہ اس کا محض دھوکہ اور فریب تھا۔

قَالَ إِبْرٰهِيمُ۔ یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال ہوا کہ جب نمرود نے چالاکی دکھائی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی ایسی دلیل کے لیے کیا سوچا اور پھر اسے کیسے لاجواب کیا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا فَإِنَّ اللّٰهَ۔ یہ جواب ہے شرط مقدر کا اصل عبارت یوں تھی:

اذا ادعیت الاحیاء والامانۃ .... الخ

یعنے جب تو احیاء وامانۃ کا دعوٰے کرتا ہے پھر تو اس کے لیے ایسا معارضہ کر رہا ہے جو سراسر دھوکہ اور فریب ہے تو اتنا غبی ہے کہ تو احیاءً و اماتۃ کا معنٰے بھی نہیں جانتا تو سنئے: فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ، میرا رب وہ ہے جو سورج کو مشرق سے لاتا ہے جیسے اس کی مشیت کا تقاضا ہوتا ہے۔ یہاں پر 'با' تعدیت کی ہے۔ فَأْتِ

بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ، تو تو اسے مغرب سے لا کہ وہ اپنی طبعی سیر سے مغرب سے مشرق کی طرف چلتا ہوا نظر آئے۔ اگر تجھے کچھ قدرت ہے تو یہ آسان بات ہے لائیے وہ مقدورات ظاہر کیجئے جو اللہ تعالےٰ کی مقدورات کی طرح ہوں۔

سوال : حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود لعین کی پہلی دلیل کے ابطال کے درپے کیوں نہ ہوئے ؟

جواب : آپ نے اس کے ابطال کی طرف کوئی توجہ نہ دی اس لیے کہ اس کا ابطال تو اتنا واضح اور ظاہر ہے کہ ہر ایک اسے سمجھ سکتا ہے۔ اگر آپ اس کے ابطال کے درپے ہوتے تو سی تحصیل حاصل ہوتی جو ایک فضول امر ہے۔ اسی لیے آپ دوسری طرف متوجہ ہوئے کہ جس میں نمرود لعین کو مکر و فریب اور دھوکہ سازی کی گنجائش بھی نہ ہو۔ یہ عدول من مثال الی مثال (ایک مثال سے دوسری مثال کی طرف متوجہ ہونے) کے قبیل سے ہے جو کہ کلام کی وضاحت کے لیے عموماً ہوتا ہے۔ یہ انتقال من دلیل الی دلیل آخر (ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف ہٹ جانے) کے قبیل سے نہیں جو کہ باب المناظرہ میں نہایت قبیح امر ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا ارتکاب نہیں فرمایا۔

فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ط پس مبہوت ہوا وہ جس نے کفر کیا۔ یعنے وہ مبہوت اور متحیر اور مدہوش ہوگیا۔

سوال : اسم موصول الذی کے صلہ میں کفر کیوں لایا گیا ہے ؟

جواب : بتانا مطلوب ہے کہ حکم کی علت کیا ہے تاکہ نص ہو جائے کہ نمرود کی یہ حجت بازی سراسر کفر ہی کفر تھا۔

نکتہ : اسئلۃ الحکم میں ہے کہ قرب قیامت میں سورج کا مغرب کی طرح سے اس لیے طلوع ہوگا کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے کہا کہ لاؤ سورج کو مغرب کی جانب سے تو وہ مبہوت ہوگیا۔ اس طرح ہر دور کے جادوگر اور منجمین انکار کرتے چلے آئے ہیں اور انکار کرتے چلے جا رہے ہیں کہ سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع کرنا ناممکن ہے۔ اس لیے اللہ تعالےٰ اسے ایک دن مغرب سے لائے گا تاکہ منکرین اللہ تعالےٰ کی قدرت کو دیکھیں اور یقین کریں کہ سورج اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اگر چاہے تو وہ اسے مشرق سے لائے اور چاہے تو وہ اسے مغرب سے لائے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اور اللہ تعالےٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا یعنے وہ لوگ جنھوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اپنے آپ کو دائمی عذاب کے لیے پیش کر کے بوجہ اس ہدایت کو قبول نہ کرنے کے جو استدلال کے مناہج کا راہ دکھاتی ہیں یعنے ان دلائل قطعیہ کے قبول سے انکار کرنے پر جو کہ حق پر ایسے دلالت کرتے ہیں جو بالکل واضح اور روشن ہیں۔ اور ایسی قوی کہ بمجرد سننے کے خصم مبہوت اور متحیر ہو جائے۔ پس جو شخص اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔ ایسے دلائل کے قبول سے انکار کرنے پر تو وہ انہی دلائل سے کبھی راہ نہیں پاتا اس لیے کہ دار التکلیف میں معتبر ہدایت وہ ہے جب کہ دوسرے کفر کو پسند کریں اور یہ ہدایت کو چاہے یعنے اللہ تعالےٰ ان میں فعل ہدایت پیدا کرتا ہی نہیں جب کہ وہ ضلالت کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اس کا دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ معنےٰ یوں ہو کہ وہ اللہ تعالےٰ آخرت میں اس شخص کو بہشت کا راستہ نہیں دکھائے گا جس نے دنیا میں اللہ تعالےٰ کے ساتھ کفر کیا۔

حکایت مروی ہے کہ جب نمرود اپنی سرکشی کی انتہا کو پہنچ گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس مناظرہ میں شکست کھا کر انہیں آگ میں ڈالا تو اللہ تعالےٰ نے اس کی قوم پر مچھروں کو مسلط کر دیا کہ مچھروں نے ان کے سب گوشت کھائے اور ان کے خون چوس لیے یہاں تک کہ جسم کی صرف ہڈیاں رہ گئیں لیکن نمرود جوں کا توں رہ گیا اور ایک عرصہ کے بعد اس کے نتھنوں میں مچھر گھس گیا۔ اور اس کی یہ کیفیت تھی کہ جب تک سر پر کوڑے بستے رہتے تو آرام رہتا ورنہ ویسے ہی دکھ میں رہتا اسے اللہ تعالےٰ نے اسی عذاب میں چار سو سال تک مبتلا رکھا۔

ف: یہی وہ نمرود ہے جس نے بابل میں بہت بلند مکان تعمیر کرایا۔ اللہ تعالےٰ نے اس کی بنیادیں اکھیڑ ڈالیں اور وہ ان پر چھتوں سمیت گرا جس سے وہ سب کے سب فنا ہو گئے۔

حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں ؎

سوئے او خصمیکہ تیر انداختہ
پشۂ کارش کفایت ساختہ

ترجمہ: اس کی طرف دشمن نے تیر پھینکا۔ ایک مچھر نے اس کا کام تمام کر دیا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے نمرود کو وہ ملک عطا کیا کہ اس سے قبل کسی کو نہ دیا تھا اور اس نے بھی دعویٰ ربوبیت کیا کہ اس سے قبل کسی نے ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ اسی طرح انسان کو ایسی شرافت بخشی اور اس میں وہ استعداد عنایت فرمائی کہ جس سے بہت بڑا کمال حاصل کر سکے اور اسے غایت درجہ کا لطیف بنایا کہ وہ طلب کمال میں دائم الحرکۃ رہے وہ سب سے پہلے اپنے حواس خمسہ سے محسوسات کو دیکھتا ہے یعنے اس دنیا کو تو اس کے تصور میں صرف یہی دنیا ہی ہوتی ہے۔ پھر وہ اپنا کمال اسی کے حصول کو ہی سمجھتا ہے۔ چنانچہ اس کمال کے حصول میں لگ جاتا ہے اور یہ سب اس کی طبع کے موافق ہے اس لیے کہ وہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور مٹی سفلی الطبع ہے۔ اس لیے کہ انسان طبعاً سفلیات کی طرف جھکا رہتا ہے اور یہ دنیا بھی سفلی ہے اس وجہ سے انسان اپنی طبع اور طلب کمال کے قدموں سے اس کے حصول میں چل پڑتا ہے۔ پھر جدھر اس کی طبع کمال کے حصول کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو اس کے حصول میں لگ جاتا ہے یہاں تک کہ اسے عالم علوی وسفلی کے جمیع مراتب کے حصول کا خیال ہو جاتا ہے۔ پھر اس نے جس وقت اپنے نفس کو حصول کمال کی طرف لگا دیا تو اس خیال میں مر مٹتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداً میں تو وہ مال جمع کرنے میں اپنا کمال سمجھتا ہے جس پر وہ بڑا مال جمع کرتا ہے پھر وہ اپنا کمال مرتبہ کے حصول میں سمجھتا ہے، اسے بھی حاصل کر لیتا ہے پھر وہ کمال سمجھتا ہے حکومت کرنے اور بڑے عہدے سنبھالنے میں اس کے بعد اس کے کمال کا تصور امارت وسلطنت کے حصول میں ہوتا ہے اس کے حصول میں لگ جاتا ہے۔ اگر کوئی شے مانع نہ ہوئی تو وہ بادشاہی بلکہ تمام دنیا کا مالک بن جاتا ہے جیسا کہ نمرود کا حال ہے پھر جو ہر انسان اس پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ جونہی بڑا غنی ہو جاتا ہے تو حرص کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔ جب حرص میں یکتا ہو جاتا تو اس کی طلب میں اضافہ ہوتا ہے یہاں تک کہ سفلیات کی ہر شے کو قبضہ میں لانا چاہتا ہے۔ لیکن وہ ان

سب کا مالک تو نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد علویات کی اشیاء کا قصد کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک زمین کے بادشاہ آپس میں لڑ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی لڑائی زمین کے بادشاہوں سے بھی رہتی ہے اور مالک الملک فی السموات والارض کے ساتھ بھی کہ پھر وہ ربوبیت کا دعویٰ کرنے لگ جاتا ہے جیسے نمرود نے کیا اس کی سرکشی اور حد سے بڑھنے کا سبب اللہ تعالےٰ نے بتایا:

"ان الانسان لیطغیٰ ان راٰہ استغنیٰ"

جب اس کا استغنا مکمل ہو جاتا ہے تو سمجھو کہ وہ طغیان و سرکشی میں مکمل ہو گیا یہاں تک کہ کفران نعمت کا مرتکب ہونے لگ جاتا ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے کہ اس کا جوہر انسانی فاسد ہو گیا یہ اس وقت ہوا جب کہ اس نے اپنے آپ کو نفس کی خواہشات کے حوالے کر دیا اگر اس کا جوہر انسانی صحیح رہے تو کسی کامل کی تربیت کی برکت سے تو وہ اپنے آپ کو نفس کی خواہشات کے حوالے نہیں کر سکتا بلکہ اسے اس کمال کی استعداد کی طرف ہدایت نصیب ہوتی ہے جو اس کے جوہر کے لیے مقدر ہے۔

چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

"اھدکم الی سبیل الرشاد"

صاحب تربیت نبی علیہ السلام ہوتے ہیں یا ان کا خلیفہ یا شیخ کامل اور مرشد جو اس کی تربیت کر کے اسے ماسوی اللہ سے پاک کرتا ہے جس سے وہ طلب کمال میں انتہا تک پہنچ جاتا ہے یعنے وجود الموجود میں فانی من الوجود ہو جاتا ہے تاکہ وہ اپنے وجود سے فنا پا کر بقا رفی وجود الموجود کے مرتبہ کو حاصل کر سکے جب وہ فساد جوہر اور ابطال حسن استعداد و بالکمال کے وقت کہتا ہے: اَنَا اُحیِی و اُمیت۔ تو جوہر کی درستی اور حسن الاستعداد کو طلب کمال میں صرف کر کے کہتا ہے، مافی الوجود سوی اللہ۔ بزرگی تو اس میں ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے چابک سے نمرود النفس کے دماغ کو صاف کرے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالےٰ پر ایمان لائے اور وجود طاغوت بلکہ وجود کل موجود ماسوی اللہ سے کفر کرے اور اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہدایت نہیں دیتا جو عالم توحید میں اللہ تعالےٰ سے شرک کرتی ہے اور شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ جو بھی گمراہ ہوا اور وہ سیدھے راستے سے بھٹکا جو شرک میں مبتلا ہوا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ شرک خفی سے بچے اور اپنے نفس کو خسیس اخلاق سے پاک اور ستھرا کرے نہ مال سے دھوکہ کھائے اور نہ مراتب پر فریفتہ ہو بلکہ ہر وقت مالک متعال کی طرف رجوع رکھے۔

حکایت: فقیر (صاحب روح البیان اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ میں نے ایک جگہ پتھر دیکھا جس پر چند سطریں یوں مکتوب تھیں:

فرحک بشیء من الدنیا دلیل علی بعدک من اللہ۔	تیرا دنیا کی کسی شئے پر خوش ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ تو ابھی اللہ تعالےٰ سے دور ہے۔
وسکونک الی ما فی یدک دلیل علی قلۃ	اور تیرا اپنی ملکیہ کی چیزوں سے سکون پانا دلیل ہے کہ تجھے اپنے

ثقتك الله۔ | معبود پر بھروسہ نہیں۔
و رجوعك الی الناس فی حال الشدة دلیل علی | اور نیز دکھ کے وقت لوگوں کی طرف رجوع کرنا دلیل ہے کہ تونے
انك لم تعرف الله | اپنے رب کو ابھی نہیں پہچانا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

۱۔ شنیدم کہ جمشید فرخ سرشت
بسر چشمۂ بر سنگی نوشت

۲۔ بریں چشمہ چوں ما بسے دم زدند
برفتند چوں برھم زدند

۳۔ گرفتیم عالم بمردی و زور
ولیکن بزدیم با خود بگور

۴۔ برفتند و ہر کس درو و آنچہ کشت
نماندہ بجز نام نیکو و زشت

ترجمہ: (۱) میں نے سنا ہے کہ جمشید نے ایک چشمہ پر لکھا:
(۲) میرے جیسے بہتوں نے دم مارا لیکن یہاں سے رخصت ہو گئے۔
(۳) ہم نے دنیا کے عالم کو قوت اور زورِ بازو سے لیا لیکن اسے ہم قبر میں نہ لے گئے۔
(۴) یہاں سے چلے گئے اور جو کچھ بویا وہی اٹھایا پھر مرنے کے بعد یا اچھا نام رہا یا بُرا۔
اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جن کی عمریں طویل، اعمال اچھے، آرزوئیں کم اور عقل مکمل ہو۔

تفسیر عالمانہ اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ، یا مثل اس کے جو گزرا گاؤں سے۔ اس کا عطف المتر ..... الخ پر ہے۔ اصل عبارت یوں تھی:

او رایت مثل الذی فعل کذا۔ (یعنے کچھ تونے اس کی مثل دیکھا۔ توتم نے اس پر تعجب کیا)۔ اسے حرف تشبیہ سے مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مردوں کو زندہ کرنے کے منکر بکثرت تھے اگرچہ ان میں سے بعض قائل تھے لیکن ان میں وہ لوگ لاتعداد تھے جو اس کی ہیئت سے جاہل تھے بخلاف ربوبیت کے مدعی کے کہ وہ اتنے کثیر نہیں تھے۔

ف: اس گاؤں سے گزر کرنے والے حضرت عزیر بن شرخیا (علیہ السلام) تھے۔ اور گاؤں سے مراد بیت المقدس ہے۔ یہی قول زیادہ مشہور اور غالب ہے۔ قریہ، قری سے مشتق بمعنے جمع کرنا۔ چونکہ دیہات لوگوں کی جامع ہوتی ہے اس لیے اس نام سے موسوم ہوتی۔

واقعہ: مروی ہے کہ بنی اسرائیل جب شر اور فساد کے برانگیختہ کرنے میں حد سے گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے بخت نصر بابلی

کو ان پر مسلط کر دیا وہ چھ لاکھ جھنڈا لے کر ان پر چڑھائی کے لیے روانہ ہوا۔ شام کے علاقوں پر حملہ کرتا ہوا بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور بنی اسرائیل کے تین گروہ بنائے۔ ایک کو قتل کیا، دوسرے گروہ کو وہاں شام میں ٹھہرایا اور تیسرے گروہ کو قید کیا وہ ایک لاکھ تھے، بعض ان میں بالغ اور بعض غیر بالغ؛ ان کو اپنے ساتھ لا کر بادشاہوں میں تقسیم کر دیا۔ جو ہر ایک کو چار چار سو غلام حصہ میں آیا۔ حضرت عزیر علیہ السلام بھی انہی میں سے تھے۔ جب اللہ تعالٰے نے عزیر علیہ السلام کو ان سے نجات بخشی تو وہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر بیت المقدس سے گزرے تو اسے نہایت زبوں حالی میں دیکھا۔ اس وقت اس کا معاملہ نہایت ہی ذلیل حالت میں تھا۔

چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا:

وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا، اور وہ گری پڑی تھی اپنی چھتوں پر یعنے اپنے اہل سے خالی ہو گئی اور اپنی چھتوں سمیت گر گئی کہ پہلے اس کی چھت گری پھر اس کی دیواریں اس کے اوپر گر پڑیں۔

حل لغات: یہ خوت المراۃ سے مشتق ہے اور کہا جاتا ہے، خوت خوی۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ عورت کا پیٹ خالی ہو جائے بچہ جننے کی وجہ سے۔ اور کہا جاتا ہے:

"خوت الدار خواء بالمد"

اور کہتے ہیں:

"خوی البیت خوی"

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ دار یا گھر گر جائے۔ العروش گھر کی چھت کو کہتے ہیں، عرف میں ہر اس شے پر مستعمل ہے جو سایہ کے لیے تیار کی جائے۔

قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا کہا اسے اللہ تعالٰے اس کے ویران ہونے کے بعد کیسے آباد کریگا یعنے اس ویرانگی سے اس کی کس طرح تعمیر کرے گا۔ اس لیے کہ یہاں قریہ کے اہل مراد نہیں بلکہ خود قریہ مراد ہے چنانچہ وھی خاویۃ۔ الخ اس پر دلالت کرتا ہے۔

ازالۂ وہم: یہاں پر یہ خیال نہ کرنا کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے اس کی آبادی قدرت حق سے بعید سمجھ کر کہا، بلکہ عادت کے طور پر فرمایا کہ یہ بہت بڑا مقدس شہر اتنا ویرانی سے کس طرح آبادی سے تبدیل ہوگا۔

فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ، پھر ان کو اللہ تعالٰے نے موت دے دی یعنے انھیں میت بنا دیا۔ **مِائَةَ عَامٍ**، ایک سو سال تک۔

واقعہ: مروی ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام جب اس گاؤں میں تشریف لائے تو ایک درخت کے نیچے اترے۔ آپ اس وقت گدھے پر سوار تھے۔ آپ نے اپنے گدھے کو باندھ کر تمام شہر کا چکر لگایا۔ یہاں کوئی ایک بھی آپ کو نہ ملا۔ پھر وہی کہا جس کا ذکر

آیت میں ہوا ہے۔ اس وقت درخت پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ آپ نے ان کے میوہ جات توڑے اور اپنے ساتھ انجیر اور انگور لیا۔ کچھ ان میں سے انگوروں کا رس پیا اور کچھ بچ رہا۔ پھر اس درخت کے نیچے سو گئے۔ اس نیند میں ہی ان پر اللہ تعالٰے نے موت طاری فرما دی۔ اس وقت آپ نوجوان تھے۔ ابھی مذکور ہوا کہ آپ کے پاس انجیر، انگور اور انگور کا رس تھا۔

تنبیہ : یاد رہے کہ ان کی یہ موت، عبرت کی موت تھی۔ انقضاء الاجل کی موت نہ تھی جیسے ان لوگوں پر عبرت کی موت تھی جو اپنے گھروں سے طاعون کے خطرے سے نکل پڑے تھے۔ (ان کا واقعہ دوسرے پارہ میں گذرا ہے۔)

(بقایا قصہ) حضرت عزیر علیہ السلام کے بعد ان کے گدھے پر بھی موت طاری کر دی لیکن ان کو ایسا پوشیدہ رکھا کہ آپ کو اور آپ کے گدھے کو کوئی نہ دیکھ سکا، نہ انس و جن اور نہ پرند و درند۔ جب آپ کی موت کو ستر سال گزرے تو اللہ تعالٰے نے فارس کے ایک بہت بڑے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی بیت المقدس کی تعمیر کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا نام یوشک تھا۔ اس کے ساتھ بیت المقدس کی تعمیر کے لیے ہزار مستری اور ہر مستری کے ساتھ تین لاکھ مزدور تھے، وہ آتے ہی بیت المقدس کی تعمیر میں لگ گئے۔ اسی اثنا میں اللہ تعالٰے نے بخت نصر کو ایک مچھر سے مروا دیا جو کہ وہ مچھر اس کے دماغ میں گھس گیا۔ بخت نصر کے مرنے کے بعد بقایا بنی اسرائیل کو نجات ملی تو اس فارس کے بادشاہ نے انہیں بیت المقدس میں بسر کرنے کی اجازت بخشی۔ پھر جہاں جہاں پر بنی اسرائیل بکھرے ہوئے تھے تمام وہاں جمع ہو گئے۔ تیس سال تک مکمل طور پر بیت المقدس کو آباد کر لیا جیسے بیت المقدس پہلے آباد تھا اس سے بڑھ کر اور کہیں زائد آباد ہوا۔ جب عزیر علیہ السلام کی موت کو پوری صدی گزری تو اللہ تعالٰے نے انہیں زندہ فرمایا۔ چنانچہ فرمایا :

ثُمَّ بَعَثَهٗ پھر انہیں (مبعوث) فرمایا یعنے زندہ کیا۔

حل لغات: یہ بعثت سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب تم نے کسی کو اس کی اپنی جگہ سے اٹھایا اور یوم قیامت کو بھی اس لیے یوم البعث کہتے ہیں کہ اس روز لوگ اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

سوال : ثمہ احیاہ کی بجائے ثم بعثہ کیوں فرمایا؟

جواب : اس لیے کہ ثم بعثہ دلالت کرتا ہے کہ وہ جیسے پہلے تھے ویسے ہی زندہ اور عاقل اور فاہم اور نظر و استدل فی المعارف الالٰہیہ کے مستعد ہو کر اٹھے۔ اگر احیا کہا جاتا تو مذکورہ بالا فوائد مرتب نہ ہوتے۔

قَالَ سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے کہا کہ عزیر علیہ السلام کے اٹھنے کے بعد کیا ہوا جواب میں اللہ تعالٰے نے فرمایا یا اس فرشتے نے کہا جو اللہ تعالٰے کی طرف سے مامور تھا۔ **كَمْ** کتنے یوم یا کتنا وقت **لَبِثْتَ** تم ٹھہرے ہو اے عزیر علیہ السلام! تاکہ وہ اللہ تعالٰے کے شیون کے احاطہ سے اپنے عجز کا اظہار کر سکیں اور انہیں معلوم ہو کہ وہ تھوڑی مدت کے بعد زندہ نہیں ہوئے اور اس وہم کا ازالہ بھی ہو سکے کہ یہ کوئی معمولی عرصہ نہیں تھا بلکہ ان کا وہاں ٹھہرنا ایک بڑے عرصہ تک تھا۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ امر کوئی بعید نہیں کہ وہ قادر اتنی قدرت رکھتا ہے کہ عرصہ کے مردوں کو زندہ کر سکتا ہے اور یقین ہو جائے کہ اس کی قدرت میں اس

سے بھی بڑھ کر اور عجائبات کے اظہار کی طاقت ہے وہ یہ کہ جو غذا طبعاً جلد خراب ہوجاتی ہے وہ اسے دیر تک صحیح و سالم رکھ سکتا ہے جس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل بھی نہیں آسکتا۔ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ط فرمایا عزیر علیہ السلام نے میں نے ایک دن یا دن کا بعض حصہ ٹھہرا ہوں۔ عزیر علیہ السلام کا یہ قول اس گمان کرنے والے کی طرح ہے جو تقریب و تخمین کے طور پر یا ٹھہرنے کی مدت کو اپنے طور پر تھوڑا سمجھ کر کہتا ہے۔ قَالَ، فرمایا اللہ نے تم یہ مقدار نہیں ٹھہرے ہو۔ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ، بلکہ تم تو پوری صدی یہاں ٹھہرے ہو یعنے تم ایک مدت تک بہت رہے ہو۔ فَانْظُرْ پس دیکھئے تاکہ تمھیں ہماری قدرت کا معائنہ ہو۔ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ اپنے طعام اور پینے کی شے کو دیکھئے کہ وہ بگڑے تو نہیں ہیں یعنے باوجودیکہ ان کا طبعی تقاضا تھا کہ وہ اتنی بڑی مدت تک خراب ہوجاتے۔ لیکن ان میں کسی قسم کی خرابی نہیں ہوئی۔

(لطیفہ واقعہ) مروی ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے اپنے ساتھ لیے ہوئے انجیر اور انگور کو ویسے ہی پایا جیسے تازہ توڑ کر ساتھ لائے تھے اور انگور کا نچوڑ بھی جوں کا توں پڑا تھا۔

ف: یہ جملہ منفیہ حال ہے اگرچہ اس پر واؤ داخل نہیں ہوئی اس کا ذوالحال طعامك و شرابك ہے۔

قاعدہ: نحو کا مسلم قاعدہ ہے کہ جب مضارع حال واقع ہو تو اس پر واؤ ہو یا نہ ہو ہر طرح جائز ہے۔

سوال: لم يتسنه کے بجائے لم يتسنها یا لم يتسنيا ہونا چاہئے اس لیے کہ اس سے قبل طعام و شراب دو چیزوں کا ذکر ہے فلہٰذا قاعدہ نحویہ کے مطابق یہ بھی تثنیہ ہو کر آتا؟

جواب: ان دونوں کو ایک شے مثلاً غذا قرار دے کر واحد کے احکام جاری کئے گئے ہیں۔

ف: یہ اس وقت ہے جب کہ لم يتسنه کی ھا کو اصلی مانا جائے کہ یہ السنه سے مشتق ہو جو السنهة تھا۔ اور اگر اس کی ھا سکتہ کی مانی جائے تو یہ السنة سے مشتق ہے کہ جس کا اصل السنو تھا۔

سوال: لم يتسنه کا معنے لم يتغير کیوں کیا گیا ہے؟

جواب: اس کے لازمی معنے کے اعتبار سے۔ اس لیے کہ تسنه و تسنی کا اصلی معنیٰ یہ ہے کہ وہ شے کہ جس پر کئی سال گزر جائیں اور یہ ضروری امر ہے کہ جس پر عرصہ گزرے تو لازماً وہ چیز متغیر ہو جاتی ہے۔ بنا بریں اسے لم يتغير کے معنے میں استعمال کرنا جائز ہوا۔

وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ، اور اپنے گدھے کو دیکھئے کہ اس کی ہڈیاں کیسے چورہ چورہ ہوگئی ہیں اور اس کے جوڑ کیسے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھرے پڑے ہیں تاکہ تمھیں یقین ہو جائے کہ تم یہاں پر ایک بڑی مدت ٹھہرے ہو اور اس سے تمھارے دل کو اطمینان حاصل ہو۔ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً۔ اور تاکہ ہم تمھیں بنائیں آیت جو ہونے والی ہے۔ لِّلنَّاسِ لوگوں کے لیے۔ یہ واؤ استنیافیہ ہے اور لام کا متعلق محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی: فعلنا ذالك ..... الخ یعنے ہم نے تمھارے

اور تمھارے گدھے کو زندہ کرنے اور ساتھ ہی تمھارے ساتھ والے طعام و شراب کی حفاظت لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی دلیل بنایا ہے ۔ لِلنَّاسِ ۔ الناس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اس وقت موجود تھے کہ عزیر علیہ السلام کے واقعہ کو دیکھیں اور انھیں تمھاری بدولت تورات کا بھولا سبق حاصل ہو سکے ورنہ تم تو اے عزیر! وہ ہو جو ہر امر پر یقین رکھتے ہو ۔ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ ۔ اور ان ہڈیوں کو دیکھیے ۔

سوال : اس جملہ کو مکرر کیوں لایا گیا ہے ۔ حالانکہ یہ ہڈیاں تو وہی گدھا تھا ۔ اب اسے دوبارہ لانے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب : پہلی بار جب انھیں دیکھنے کا حکم ہوا تھا وہ اس لحاظ سے تھا کہ عزیر علیہ السلام کا یہاں ٹھہرنا ایک بہت بڑی مدت تک تھا ۔ اب یہ حکم ہوا کہ معلوم ہو کہ ہڈیاں کو حیات کس طرح ملتی ہے گویا پہلے حکم میں مبادی کا ذکر تھا ۔ اب اصل مقصد کی طرف اشارہ ہے یعنے اے عزیر علیہ السلام! گدھے کی ہڈیوں کو بھی دیکھیے کہ انھیں کیسے زندہ کیا جارہا ہے جب کہ پہلے تم اپنے متعلق احیا کا مشاہدہ کر چکے ہو ۔ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ہم انھیں کیسے اٹھاتے ہیں ۔

حل لغات نشوز کا مادہ انشزتہ فنشز ای رفعتہ فارتفع ہے یعنے میں نے اسے اٹھایا پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا ۔ یعنے ہڈیوں کے بعض کو زمین سے اٹھا کر بعض کو بعض سے ایسے ملانا کہ جسم میں جہاں جہاں پر تھیں وہ آپس میں مل جائیں گی ۔ یہ جملہ العظام سے حال ہے اور اس کا عامل انظر ہے یعنے دیکھیے ان ہڈیوں کو درآنحالیکہ وہ زندہ کر دی گئی ہیں یا یہ جملہ العظام سے بدل ہے ۔ اس کے مضاف کو حذف کر گیا ۔ اصل عبارت یوں تھی "انظر الی حال العظام" یعنے ہڈیوں کے حال کو دیکھیے ۔

ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۔ پھر ہم ان کو گوشت کا لباس پہناتے ہیں یعنے ہم انھیں گوشت سے چھپاتے ہیں، جیسے جسم کو لباس سے چھپایا جاتا ہے ۔

سوال : گوشت کو واحد لایا گیا ہے کیوں؟ حالانکہ جمع لانا چاہیے تھا کہ العظام جمع ہے اور لحم بھی اس کے مطابق واحد ہونا لازمی تھا؟

جواب : ہڈیاں متفرق اور صورت متعدد ہوتی ہیں ۔ اور لحم متصل اور متحد ہوتا ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے ۔ اسی لیے عظام کو جمع اور لحم کو واحد لایا گیا ۔

سوال : اس میں ان ہڈیوں کے اندر روح پھونکنے کی کیفیت کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟

جواب : حکمت کا تقاضا یونہی تھا کہ اس کا ذکر نہ کیا جائے ۔

(بقایا قصہ) مروی ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے آسمان سے آواز سنی کہ ایتها العظام البالیة .... الخ اے پرانی ہڈیو! جو منتشر پرانی ہوئی پڑی ہو تمھیں اللہ تعالےٰ حکم فرماتا ہے کہ تم آپس میں مل جاؤ جیسے تم پہلے تھیں اسی طرح ہو جاؤ اور گوشت پوست کا لباس پہن لو ۔ چنانچہ یہ آواز سنتے ہی ہر ہڈی اس طریق سے آپس میں ملنے لگی جیسے پہلے تھی ہر جوڑ اپنے مقام پر

اور رگیں اپنے مقام پر جڑ گئیں۔ پھر ان پر گوشت چڑھنے لگا۔ اس کے بعد ان پر چمڑا آ گیا پھر بال اگنے لگے۔ اس کے بعد اس میں روح پھونکی گئی۔ جونہی گدھے میں روح پہنچی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ہینگنے لگا۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ پس جب کہ انھیں یعنے عزیر علیہ السلام کو احیاء الموتٰی کا مشاہدہ ہوا تو قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ کہا مجھے یقین تھا کہ بے شک اللہ تعالٰے ہر شے پہ قادر ہے۔ منجملہ ان اشیاء کے ایک یہ بھی ہے جو انھوں نے اپنے اور غیر میں قدرت کے عجائبات کا مشاہدہ فرمایا۔ حضرت عزیر علیہ السلام یہ مشاہدہ دیکھ کر اپنے گدھے پر سوار ہو کر اپنے محلہ میں تشریف لائے لیکن نہ انھیں لوگ پہچانتے ہیں اور نہ وہ لوگوں کو، بلکہ مکانات کی ہیئت بھی تبدیل تھی۔ اپنے گمان پر ہی چلتے چلتے اپنے گھر پہنچے، وہاں ایک بڑھیا نابینا اور بالکل اٹھنے بیٹھنے سے عاجز موجود پائی۔ اسی بڑھیا نے عزیر علیہ السلام کا زمانہ پایا تھا۔ عزیر علیہ السلام گھر میں داخل ہوتے ہی فرمانے لگے یہ گھر تو عزیر کا ہے۔

بڑھیا بولی، ہاں! ہے تو انھیں کا۔ لیکن عزیر علیہ السلام کے ذکر سے تمھیں کیا غرض! انھیں تو اس وقت پوری صدی گزر گئی اب ان کا نشان تک باقی نہیں رہا۔ اور یہ کہہ کر خوب روئی۔ حضرت علیہ السلام نے فرمایا؛ بی بی! عزیز (علیہ السلام) میں ہی ہوں۔ بڑھیا بولی؛ سبحان اللہ! یہ کیا کہہ رہے ہو۔ کہاں عزیز علیہ السلام اور کہاں تم۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا؛ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ مجھے اللہ تعالٰے نے ایک صدی تک موت دے دی تھی، اب اس نے مجھے پھر زندہ فرمایا ہے۔ بڑھیا بولی؛ اگر ایسی بات ہے اور واقعی تم عزیر (علیہ السلام) ہو تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ مستجاب الدعوات تھے۔ اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو میرے لیے دعا مانگیے تاکہ اللہ تعالٰے میری بینائی واپس لوٹا دے۔ اس پر مجھے یقین ہو گا کہ واقعی تم عزیر علیہ السلام ہو۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے اس بڑھیا کے لیے دعا مانگی اور اپنا ہاتھ اس کی آنکھوں پر پھیرا تو وہ بڑھیا بینا ہو گئی۔ آپ نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑے اور فرمایا؛ قومی باذن اللہ (اللہ تعالٰے کے حکم سے اٹھ کھڑی ہو)۔

چنانچہ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بالکل صحیح وسالم اور تندرست تھی گویا کہ اس کے پاؤں میں رسی تھی اور اس نے اس سے نجات پائی ہے۔ بڑھیا نے غور سے دیکھا تو واقعی وہی حضرت عزیر علیہ السلام تھے تو فوراً کہا؛ اشھد انک عزیر (میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ واقعی عزیر علیہ السلام ہیں) وہ بڑھیا بنی اسرائیل کے محلوں میں چل پڑی۔ بنی اسرائیل اپنی مجلسوں کے مختلف مشاغل میں مصروف تھے ان میں عزیر علیہ السلام کے صاحبزادہ بھی تھے جو اس وقت ایک سو اٹھارہ سال کے تھے بلکہ ان کے پوتے پڑپوتے بھی بوڑھے ہو چکے تھے۔ بڑھیا نے زور سے پکارا؛ بھاگ کے آجاؤ! عزیر علیہ السلام تمھارے ہاں تشریف لائے ہیں۔ لوگوں نے بڑھیا کی ایک نہ سنی۔ بڑھیا نے کہا؛ ذرا غور تو کرو۔ یہ انھی کی دعا تو ہے کہ میں اس حالت میں ہوں یعنے بینائی مل گئی اور تندرست ہو گئی ہوں وغیرہ وغیرہ۔ لوگوں نے یقین کر لیا اور عزیر علیہ السلام کی طرف ٹوٹ پڑے۔ عزیر علیہ السلام کے صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ میرے باپ کے دو بازوؤں کے درمیان ہلال کی طرح ایک سیاہ تل تھا۔ اگر وہ ہے تو سمجھوں گا کہ واقعی آپ میرے باپ (عزیر علیہ السلام) ہیں۔ چنانچہ حضرت عزیر علیہ السلام نے دونوں بازو کھولے تو واقعی وہ تل موجود تھا۔

بخت نصر (بدبخت) نے اپنے دور میں چالیس ہزار تورات کے حفاظ کو قتل کرا دیا تھا۔ اس کے بعد ان کے پاس تورات کا ایک نسخہ بھی ان کے پاس نہ رہا اور نہ ہی کسی کو تورات زبانی یاد تھی۔ لیکن حضرت عزیر علیہ السلام نے تمام تورات ان سب کو سنا دی، اور ایسی صحیح کہ زیر و زبر اور نقطے کا بھی فرق نہ آنے دیا۔ جن لوگوں کو بخت نصر نے قیدی بنایا تھا۔ ان کی اولاد میں سے ایک وہاں موجود تھا جو کہ بخت نصر کے مرنے کے بعد بیت المقدس میں آکر مقیم ہوا، کہنے لگا کہ میرے باپ نے مجھے دادا کی بات سنائی کہ ہم نے بخت نصر کی قید کے دوران میں تورات کو انگور کے باغ میں دفن کر دیا تھا۔ اگر مجھے اپنے دادا کے باغ کی نشاندہی کراؤ تو میں تمہیں وہ تورات نکال دوں گا۔ چنانچہ وہ سب لوگ اس باغ میں پہنچے تو وہاں سے تورات نکال کر عزیر علیہ السلام کی قرأت کا مقابلہ کیا تو حرف بحرف صحیح نکلا۔ تب انہیں یقین ہوا کہ یہ واقعی وہی عزیر علیہ السلام ہیں۔ لیکن بدقسمتوں نے کہنا شروع کر دیا کہ عزیر ابن اللہ ہیں۔ اللہ تعالٰے اس نسبت سے پاک اور منزہ ہے۔

سبق اس قصہ میں سبق ہے کہ جو شخص دعا کے آداب بجا لائے تو اس کی دعا ضرور جلد قبول ہوتی ہے جس میں اسے کوئی مشقت بھی نہ ہوگی۔ جب دعا کے آداب بجا لائے تو پھر اسے ضرور مشقت ہوتی ہے اور قبولیت میں بھی دیر ہوتی ہے دیکھئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

رب ارنی کیف تحیی الموت (یا اللہ مجھے دکھائیے تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا)

اس میں ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اللہ تعالٰے کی حمد و ثنا کی پھر عرض کی' مجھے دکھائیے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ پس اللہ تعالٰے نے انہیں پرندوں کو زندہ کر کے ان کے سوال کو فوراً پورا کر دیا۔ اور چونکہ عزیر علیہ السلام نے آداب بجا نہ لائے اس لیے ان کے سوال کو سو سال کے بعد پورا فرمایا۔

ف: یہ اللہ تعالٰے کی حکمتیں ہیں جو اپنے پیاروں کے ذریعے ہمارے لیے ظاہر فرماتا ہے (مترجم)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

نباید سخن گفت نا ساختہ
نشاید بریدن نا ساختہ

ترجمہ: نامکمل سخن نہیں کہنا چاہیئے ایسے ہی کچا پھل بھی نہ کاٹنا چاہیئے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ قوم نے جب انکار کیا کہ ان کے اجسام کو قیامت میں نہیں اٹھایا جائے گا باوجودیکہ ان کا اعتقاد تھا کہ ارواح کو قیامت میں جمع کیا جائے گا۔ اور کہتے تھے کہ ارواح کا تعلق اجسام سے عالم محسوس میں صرف تکمیل کے لیے ہے جیسے بچے کی کیفیت ہے کہ اسے مدرسہ میں اس لیے بھیجا جاتا ہے تاکہ وہ آداب سیکھے جب اس کی تکمیل ہو جاتی ہے تو وہ مدرسہ سے نکل کر محفلوں کی زینت بنتا ہے اور لوگوں کی محفلوں میں عرصہ دراز تک مختلف علوم سیکھتا رہتا ہے اور یہ علوم اسے مدرسہ سے حاصل نہ ہو سکتے تھے اگرچہ جتنے علوم اہل فضل سے حاصل کر رہا ہے یہ

اس مکتب میں رہنے کی برکت سے ہے۔ جب یہ لڑکا علوم میں یکتا ہوگیا اب اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ پھر مکتب میں جاکر وقت گزارے جیسے وہ بچپن میں گزارتا تھا۔

یہی مثال ارواح کی ہے کہ وہ جب اجسام سے نکل کر ارواح مقدسہ میں جائیں اور ان سے فیوض و برکات حاصل کریں اگرچہ یہ فیوض بھی اسی کی برکت سے حاصل ہوں گے جو اس نے عالم محسوسات سے حاصل کئے۔ اب اس نے عالم ارواح میں علوم کلیات حاصل کیے۔ اب اس نے عالم ارواح میں علوم کلیات حاصل کیے اور یہ وہ علوم ہیں جو اسے عالم محسوسات سے حاصل نہ ہو سکتے تھے۔ جب یہ عالم ارواح میں تکمیل پا چکا ہے تو اب اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ پھر عالم اجساد کی قید میں پھنسے۔ اس قوم کو یہی فریب اور وسوسے نفوس نے دیئے۔ اور شیطان نے وسوسے ڈال کر انہی شبہات کا شکار بنایا۔ تو کہتے تھے کہ قیامت میں صرف ارواح اٹھیں گے اجسام کے اٹھنے کا صرف وہم و خیال ہے۔ اللہ تعالٰے نے اپنے بندوں پر فضل و کرم کرتے ہوئے عزیر علیہ السلام کو سو سال تک موت دے دی اور ساتھ ہی ان کے گدھے کو بھی مار دیا تو پھر انھیں سو سال کے بعد زندہ فرمایا تاکہ دانشمند اس سے استدلال حاصل کریں کہ اللہ تعالٰے جب عزیر علیہ السلام کی روح کو زندہ کرے گا تو اس کے ساتھ اس کا حمار جسد کو بھی زندہ فرمائے گا۔ دانا شیطان کے دھوکے اور فلسفی کے شبہات سے حشر الاجساد کے بارے میں نہیں پھسلتا پھر جب بہشت کے بلند مقام پر جگہ دے گا تو حمار جسد بھی اس کے ساتھ بہشت میں ہوگا۔ پس عزیر روح کو صفات جمال و جلال کے پیالے نصیب ہوں گے۔ جیسے وہ انہار الجنۃ اور باغات کے حوضوں سے پانی کے گھاٹ اترے گا۔ تو حمار جسد بھی ساتھ ہوگا۔ چنانچہ فرمایا، تمہارے لیے وہی ہوگا جو تمہارے نفوس چاہیں گے اور آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ اور ہر ایک کو اپنا اپنا گھاٹ معلوم ہوگا۔

شاعر کہتا ہے ؎

شربنا واهرقنا على الارض جرعة

وللارض من كاس الكرام نصيب

ترجمہ: ہم نے پیا اور بچا ہوا زمین پر گرا دیا۔ کریم لوگوں کے پیالوں سے زمین کو بھی حصہ نصیب ہوتا ہے۔

(کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِمُ، اور یاد کیجئے جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا طریق برہانی سے ثابت ہے کہ وقت کا ذکر واجب کرتا ہے اس ذکر کو جو واقعات اس میں واقع ہوئے۔ رَبِّ، اے میرے رب! یہ جملہ استعطاب کا ہے۔ دعا کی قبولیت میں دعا سے پہلے مبالغہ کے طور پر مقدم کیا جاتا ہے۔ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ط مجھے دکھائیے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے یعنے مجھے احیاء الموتٰی کا مشاہدہ کرائیے۔ اور میں اسے آنکھوں سے دیکھوں۔

ابراہیم علیہ السلام نے یہ سوال اس لیے کیا تاکہ ان کو علم عین الیقین بلکہ حق الیقین جو تمام مراتب سے اونچا مرتبہ ہے کا ؏ حاصل ہو۔ علم الیقین اور عین الیقین میں فرق یہ ہے کہ علم الیقین اخبار سے حاصل ہوتا ہے اور عین الیقین معائنہ سے کہ اس میں کسی قسم کا شک بھی نہیں ہوتا اور اللہ تعالٰے نے کفار کے حق میں فرمایا :

ثم لترونها عين اليقين۔

جب جہنم میں داخل ہوئے اور انھیں عذاب پہنچا تو فرمایا :

فيه من حميم تصلية جحيم ان هذا لهو حق اليقين۔

قَالَ، فرمایا، اس کے رب نے ؛ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ؎ کیا تم ایمان نہیں رکھتے ہو یعنے تم اس پر یقین نہیں رکھتے ہو اور تمھیں ایمان نہیں کہ میں اعادۂ حیات و ترکیب پر قادر نہیں ہوں۔

سوال : جب اللہ تعالٰے کے علم تھا کہ ایسی باتوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام لوگوں سے زیادہ عرفان رکھتے ہیں پھر ان سے کیوں پوچھا ؟

جواب : تاکہ آپ کے ایمان کی باتیں دوسروں کو معلوم ہوں جب کہ وہ " بلیٰ " کہہ کر اپنا ایمان ظاہر کریں گے۔ اس پر سامعین کو معلوم ہوگا کہ ابراہیم علیہ السلام کا سوال اس پر مبنی ہے کہ احیاء الموتٰی کی کیفیت کا آنکھوں سے مشاہدہ کریں۔

قَالَ، ابراہیم علیہ السلام نے کہا : بَلٰی، ہاں، مجھے علم ہے اور اس پر میرا ایمان ہے۔ وَلٰكِنْ، اور لیکن سوال کرلیا ہے صرف اس لیے لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ، تاکہ مطمئن ہوجائے میرا دل یعنے تاکہ قلب سکون پائے اور وہ اطمینان معائنہ سے ہی حاصل ہوگا اس لیے کہ عین الیقین ہی اطمینان قلبی کا موجب ہے نہ صرف علم الیقین۔

سوال : اگر کوئی سوال کرے کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ سے پردے اٹھ جائیں تب بھی مجھے عین الیقین نہ ہوگا (اس قول اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول میں کیسے تطبیق ہوگی)؟

جواب : حضرت علی رضی اللہ تعالٰے عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ یقین کے بڑھنے سے میرا ایمان ویسے ہی رہے گا اور جب آخرت میں وہ دیکھی جائیں گی ان کی کیفیت کچھ اور ہوگی جن فضائل و ہیئات کو انھوں نے ابھی نہیں دیکھا اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب احیاء الموتٰی کی کیفیت کا معائنہ کیا تو انھیں اس وقت جو کیفیت حاصل ہوئی وہ اس سے قبل حاصل نہیں ہوئی تھی۔

فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ، پس تو چار پرندے پکڑ لے :

① مور ② کوا ③ مُرغا ④ کبوتر۔

ف : بعض نے کبوتر کے بجائے گدھ لکھا ہے۔

سوال: احیاء الموتیٰ کے لیے پرندوں کا ذکر کیوں، کسی اور حیوان کا تعین کیوں نہ کیا؟

جواب: پرندہ ایک تو انسان کو زیادہ قریب ہے۔ دوسرا حیوان کی وصف سے زیادہ جامع ہے۔

فَصُرْهُنَّ - یہ مادہ یصور ہ سے ماخوذ ہے اور بکسر الصاد سے بھی آیا ہے۔ دونوں کا معنے ایک ہی ہے یعنے انھیں آپس میں ملا دو اور جمع کر دو۔ **اِلَيْكَ** اپنی طرف تاکہ ان میں تامل کر سکو۔ اور ان کی شکلوں کو تفصیل وار پہچان سکو تاکہ جب یہ زندہ ہو جائیں تو تمھیں معلوم ہو کہ یہ جز فلاں پرندے کا ہے اور یہ جز فلاں کا ہو کہ اللہ تعالےٰ کی قدرت سے اپنی اصلی حالت سے نہیں بدلا۔

واقعہ مروی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انھیں ان کے ذبح کرنے اور ان کے بال اکھیڑنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ انھیں ذبح کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ اور پھر ان کے اجزا اور گوشت کو علیحدہ متفرق مقامات پر رکھ چھوڑو۔ لیکن ان کے سر اپنے پاس رکھو متفرق شدہ گوشت پہاڑ پر رکھ دو۔ چنانچہ فرمایا:

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ، پھر وہ پہاڑ جو تمھارے سامنے ہو۔ وہ سات تھے یا چار۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان کے گوشت کے چار حصے کئے۔ اور حکم ہوا کہ ان کے ہر ایک حصہ کو علیحدہ علیحدہ پہاڑ پر رکھو۔ **مِّنْهُنَّ**، ان ہر ایک پرندوں میں سے **جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ**، جز جز کر کے پھر انھیں اپنی طرف بلاؤ اور انھیں کہو: تعالین باذن اللہ (اللہ کے حکم سے آؤ)۔ **يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا** ط آئیں گے تیرے پاس ڈورتے ہوئے یعنے وہ نہایت ہی تیزی سے دوڑتے ہوئے اڑ کر یا پیادہ تمھارے پاس ضرور حاضر ہوں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ویسے سے کیا جیسے انھیں حکم ہوا تو پھر یوں کہ ہر پرندہ کا جز اڑ کر اپنے دیگر اجزا سے مل کر پورا پرندہ بن کر اپنی اصلی صورت میں ہو کر سب کے سب جسم اپنے سروں کی طرف متوجہ ہوتے اور سروں سے مل کر ویسے ہو گئے جیسے کہ اپنی اصلی صورت میں تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام انھیں دیکھتے ہی جا رہے اور تعجب بھی کرتے جا رہے ہیں۔

وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالےٰ غالب ہے اپنے امور پر۔ اسے اس کے ارادہ سے کوئی شے عاجز نہیں کر سکتی۔ **حَكِيْمٌ** ○ صاحب حکمت ہے اپنے تمام معاملات میں بڑی حکمت رکھتا ہے اور اس کے افعال کی بنار اسباب عادیہ پر نہیں تاکہ وہ ان اسباب کے بغیر اشیار کے ایجاد میں عاجز ہو۔ وہ قادر ہے عادت کے خلاف دوسرے طریق سے بھی شے کی ایجاد کر سکتا ہے۔ بلکہ ایسے طریق سے کے پیدا کرنے میں کئی حکمتیں اور مضمر ہوتی ہیں۔

فائدہ صوفیانہ: حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے اپنے دل کا زندہ ہونا طلب کیا تو اللہ تعالےٰ نے پرندوں کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔

اربعۃ من الطیر کا عجیب و غریب معنٰی : چار پرندوں کے متعلق چار معانی ہیں، دراصل یہ چار باتیں نفس کشی کے متعلق تھیں، مثلاً :

① مور کی زینت
② کوے کی آواز
③ مرغے میں شہوت
④ بطخ میں حرص

ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جب تک کہ نفس کی مجاہدہ سے سرکوبی نہ ہوگی دل زندہ نہیں ہوسکے گا۔ اور نہ ہی مشاہدۂ حق نصیب ہوگا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ حرص بط یکتاست این پنجاہ تاست — حرص شہوت مار و منصب اژدہا ست
۲۔ حرص بط از شہوت حلقست و فرج — در ریاست بیست چند این ست درج
۳۔ صد خورندہ گنجد اندر گرد خواں — در ریاست دو نگنجد در جہاں
۴۔ کاغ کاغ و نعرۂ زاغ سیاہ — دائماً باشد بدن را عمر خواہ
۵۔ ہمچو ابلیس از خدا و پاک فرد — تا قیامت عمر تن درخواست کرد
۶۔ عمر و مرگ این دو باحق خوش بود — بے خدا آبِ حیات آتش بود
۷۔ عمر خوش در قرب جان پروردنست
عمر زاغ از بہر سرگیں خوردنست

ترجمہ : ① حرص میں بطخ یکتا اور یہ پنجاتا ہے۔ حرص سانپ کی شہوت اور اژدہا کی منصب ہے۔

② حرص سے بطخ اور فرج شہوت سے ہے اور بیس بھی ریاسے ہے کئی گنا بڑھا ہوا۔

③ دسترخوان پر سینکڑوں کا گذارہ ہوسکتا ہے لیکن جو حرص و ہوس میں ہے وہ جہاں سے سیر نہ ہوگا۔

④ کالا کوا کائیں کائیں کرتا رہے گا حرص سے وہ بھی طویل عمر کا خواہاں ہے۔

⑤ ابلیس لعین کی طرح کہ اس نے بھی اللہ تعالٰے سے لمبی چاہی۔

⑥ عمر و موت دونوں اللہ تعالٰے کے نزدیک اچھے ہیں وہ آب حیات جو اللہ تعالٰے کی رضا کے خلاف ہو وہ آگ ہے۔

⑦ عمر خوش قرب الٰہی میں، جان کو پالنے والی ہے کوے کی عمر پالنے سے گوبر کھانا بہتر ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے: "چار پرندے دراصل یہ چار صفات ہیں جو ارلبعہ عناصر سے پیدا ہوتی ہیں جب کہ انسان کو ان چاروں سے مرکب کیا گیا:

① مٹی ② پانی

③ آگ ④ ہوا

ان چاروں میں سے جب دو آپس میں جمع ہوں گے تو ان میں دو صفتیں پیدا ہوں گی مثلاً، مٹی اسے پانی سے ہی ملایا جائے تو ان کے ملنے سے حرص و بخل پیدا ہوں گے اور یہ دونوں آپس میں ہم مثل ہیں۔ جب ایک پایا جائے گا تو دوسرے کا پایا جانا لازمی ہوگا۔ اسی طرح آگ اس کا قرین ہوا ہے۔ ان دونوں کے آپس میں ملنے سے غضب اور شہوت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ دونوں آپس میں قرین ہیں کیونکہ یہ دونوں یکجا پائی جاتی ہیں۔ پھر ان ہر ایک کی صفات کے لیے دوسرا ساتھی ضروری ہے تاکہ وہ اپنے ساتھی کے ذریعے سے سکون پا سکے۔ ان کا رشتہ وہی ہے جو حضرت آدم اور بی بی حوّا علی نبینا وعلیہما السلام کا تھا۔ پھر ان سے دیگر بے شمار صفات ذمیمہ پیدا ہوتی ہیں مثلاً، حرص، اس کا ساتھ حسد ہے اور بخل، اس کا ساتھی کینہ ہے اور غضب، اس کا ساتھی تکبّر ہے اور شہوت کا خصوصی ساتھی کوئی نہیں۔ بلکہ اس کی مثال ایک کنجری کی ہے کہ ہر صفت مذمومہ اس کی ساتھی ہو جاتی ہے۔ اس کی داستان طویل ہے جہنم کے طبقات کی طرح۔ ان صفات کے سات طبقات ہیں۔ جس پر وہ صفت غالب ہوگی وہ اسی کی وجہ سے جہنم میں اسی دروازے سے داخل ہوگا۔ اس لیے اللہ تعالٰی نے اپنے خلیل کو فرمایا کہ وہ ان صفات کو ذبح کر ڈالیں! اور وہ یہی چار صفات مذمومہ تھیں:

① بخل کا مور۔ اگر بخیل کی نظر میں مال مزین نہ ہوتا (جیسے مور کو اپنے پروں کی زینت پر ناز ہے) تو بخیل کبھی بخل نہ کرتا۔

② حرص کا کوّا۔ اس میں حرص زیادہ ہوتی ہے۔

③ شہوت کا مُرغا۔ اور مرغا تو شہوت کے معاملہ میں مشہور زمن ہے۔

④ غضب کا گدھ۔ غضب کی صفت بہ نسبت دوسرے پرندوں کے اس میں زیادہ ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ اڑنے میں سب سے اوپر اڑتی ہے۔ اور غضب والے کی ایک نشانی یہی ہے کہ وہ:

"ہمچوں من دیگرے نیست"

کے مرض میں مبتلا ہوتا ہے۔

جب ابراہیم علیہ السلام نے انہی پرندوں کو صدق کی چھری سے ذبح کیا اور ان سے ان جمیع صفات مذمومہ کی تمام جڑیں کٹ گئیں۔ جب انھیں نمرود نے قہراً فلاخن کے ذریعے آگ میں ڈالا تو آپ پر آگ کا اثر نہ ہوا بلکہ ان کے لیے وہ آگ ٹھنڈی اور سلامتی بن گئی۔

ان پرندوں کو ریزہ ریزہ کرتے اور ان کے بالوں کو اکھاڑنے اور پھر ان کے اجزا ء متفرق کرنے اور ان کے پر و بال اور خون کو آپس میں ملانے اور ان کے گوشت کے ٹکڑوں کو آپس میں ملانے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ انھوں نے اوصاف مذمومہ کے تمام نشانات مٹا دیئے۔ بلکہ امر شرع اور نائب حق یعنے شیخ کامل کے حکم سے ابراہیم (روح) نے ان مذموم صفات کے تمام اجزاء کی بیخ کنی کر دی۔ شیخ کامل کا امر یہی ہے کہ اس کے اجزاء کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے اور پھر انھیں پہاڑوں پر علیحدہ علیحدہ رکھ دیا جائے۔ ان چاروں پہاڑوں سے یہ چار طرح کے نفس مراد ہیں کہ جن پر انسان کو جبلۃً بنایا گیا ہے :

(۱) نفس نامیہ جس کا دوسرا نام نفس نباتیہ ہے۔

(۲) نفس امارہ جس کا دوسرا نام روح حیوانی ہے۔

(۳) قوۃ شیطنۃ جسے روح طبعی کہتے ہیں۔

(۴) قوۃ ملکیہ جسے روح انسانی بھی کہا جاتا ہے۔

جب صفات کے پرندے مذبوح ہو کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کے اجزاء کو آپس میں ملا دیا گیا اور پھر انھیں پہاڑوں (روح، نفس و قوۃ) پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا گیا جو شرعی حکم تھا تو ان کی مثال ان درختوں اور کھیتوں کی ہے کہ جن پر سمجھ دار کسان (جو کہ کھیتی باڑی کے معاملہ میں بہت زیادہ سمجھ رکھتا ہے) کے حکم سے وہ مٹی ڈالی جاتی ہے جس میں کھاد وغیرہ ملی ہوتی ہے (مقدار معلوم اور مدت معلوم پر) پھر انھیں پانی سے سرسبز بنایا جاتا ہے تاکہ کھاد والی مٹی سے قوت پکڑے اور زیادہ سے زیادہ پھل دے اس طرح نفس نامیہ نباتیہ کھاد والی مردہ مٹی پر تصرف کرتا ہے۔ اس وجہ سے وہ اللہ تعالے کے حکم سے اسے آباد کرتا ہے جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

فانظر الی اثار رحمة الله كيف يحيي الارض بعد موتها.

اسی طرح انہی چار صفات کی کیفیت ہے :

۱ - حرص ۲ - بخل ۳ - شہوت ۴ - غضب ، جب یہ اپنے حال پر رہتی ہیں تو انھیں جوہر روحانی پر غلبہ رہتا ہے۔ بلکہ یہ جوہر روحانی کو بیکار بنا ڈالتی ہیں کہ جوہر روحانی کو اپنے مقام اصلی کی طرف رجوع تک بھی نہیں رہتا۔ اور وطن حقیقی کو بالکل نسیاً منسیا بنا دیتا ہے۔ ہاں جب ان صفات مذمومہ کا جوش مٹایا جائے اور ان کی قوت کو نیست و نابود کر دیا جائے اور ان کے شعلے بجھائے جائیں اور ان کی طبیعتوں کے نشانات بحکم شرع ختم کر دیئے جائیں اور ان کے مختلف اجزاء کو متفرق کر کے بعض کو بعض میں مخلوط کیا جائے پھر انھیں چار اجزاء پہ تقسیم کر دیا، پھر انھیں قوت یا نفس یا روح کے پہاڑ پہ رکھ دیا جائے تو ہر ایک انہی کی تربیت و قوت سے طاقت پالیں گی کہ ان میں روحِ انسانی و ملکی تصرف کرے گا۔ ان کی وہ صفات جو سراسر ظلمانی ہے نور سے بدلے گا جو کہ روح انسانی و ملکی کے خصائص سے ہے

(بقیہ صفحہ نمبر ۶۰)

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ
فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝
اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ
لَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَا
لَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ
عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ
مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ
فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرٌ ۝ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ
فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

ترجمہ: وہ لوگ جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی کہاوت اس دانہ جیسی ہے جس نے سات بالیں اگائیں ہر بالی میں سَو دانہ ہو اور اللہ تعالےٰ جس کے لیے چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ بڑھاتا ہے اور اللہ تعالےٰ وسعت والا علم والا ہے اور وہ لوگ جو اپنے مال اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کر کے احسان جتلانے اور ایذا دینے والے نہیں ہوتے ان کا اجر ان کے رب کے ہاں ہے اور انھیں نہ کچھ خوف ہے اور نہ غم۔ نرم بات اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس میں کسی کو کچھ دے کر ستایا جائے اور اللہ تعالےٰ بے نیاز اور حلم والا ہے۔ اے ایمان والو! اپنے صدقات احسان جتلا کر اور ایذا دے کر ضائع نہ کرو اس شخص کی طرح جو لوگوں کو دکھاوے کے لیے مال خرچ کرتا ہے۔ اور نہ ہی اللہ تعالےٰ اور قیامت پر وہ ایمان لاتا ہے، سو اس کی کہاوت ایسی ہے جیسے ایک چٹان کہ جس پر مٹی پڑی ہو پھر اس پر زوردار بارش پڑے تو اسے صرف پتھر کر چھوڑے ایسے لوگ اپنے ان اعمال پر ذرہ بھی قدرت نہ پائیں گے اور ان لوگوں کی کہاوت جو محض رضائے الٰہی اور اپنے دل مضبوط رکھنے پر خرچ کرتے ہیں

ایسی ہے جیسے ایک باغ کی بھوڑ پر ہو اس پر زوردار بارش پڑے تو وہ دوہرے میوہ جات لایا ہو اور اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ بھلا تم سے کسی کو یہ پسند ہے کہ اس کے ہاں کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں اس کے لیے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں اور اسے بڑھاپا آگیا ہو اور اس کی کمزور اولاد ہو سو اس پر ایک بگولا (آتشی) آیا تو وہ جل گیا ایسے ہی تمھیں اپنی آیات بیان کرتا ہے کہ کہیں سوچو۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۹)

اس طرح سے وہ صفات ظلمانی بالکل مٹ جائیں گے اور ان کے عوض روحانی اخلاق پیدا ہو جائیں گے جن کی وجہ سے وہ انھی صفات پر زندہ رہیں گی۔

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ مَثَلُ، نفقات کی مثال۔ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، ان لوگوں کی جو اللہ تعالےٰ کی راہ پر اپنے مال خرچ کرتے ہیں یعنے خیرات کے وجوہ میں خرچ کرتے ہیں۔ واجبات میں سے جیسے زکوٰۃ اور نوافل میں سے۔ یہاں پر نفقات مقدر ہے کیونکہ وہ جو خرچ کرتے ہیں وہ دانہ سے مشابہت نہیں رکھتے۔ اس لیے کہ حیوان کو جماد سے تشبیہ نہیں دی جاتی بلکہ ان کے نفقات کو دانہ سے مشابہت ہے۔ كَمَثَلِ حَبَّةٍ، مثل دانہ کے یعنے کسان جو کہ آباد زمین میں دانہ ڈالتا ہے۔

ف: الحبہ الحب کا واحد ہے الحبہ وہ ہے جو کھیتی کے حصول کے لیے زمین میں ڈالا جائے۔ اور اس کا اکثر اطلاق گندم پر ہوتا ہے۔

اَنْبَتَتْ، اگائے یعنے نکالے۔ انبات کا اسناد الحبہ کی طرف مجازی ہے۔ سَبْعَ سَنَابِلَ، سات بالیاں یعنے سات تنے جس سے سات شاخیں پھیلتی ہیں جو ہر ایک شاخ کا علیحدہ خوشہ ہوتا ہے۔ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط جس کے ہر خوشہ میں ایک سو دانہ ہوتا ہے جیسا کہ عام طور پر کھیتی اور کھلیوں میں جو کھیتی باڑی کی زمینوں سے مشاہدہ ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی زائد ہوتا ہے۔ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ، اور اللہ دوہرا کرتا ہے جتنا وہ چاہتا ہے۔ لِمَنْ يَّشَآءُ ط جس کے لیے اپنے فضل سے چاہتا ہے۔ اور کسان کے خلوص اور محنت کے مطابق بڑھتا ہے یہی وجہ ہے کہ مقادیر پر ثواب میں اعمال کے مراتب مختلف ہوتے ہیں۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ اور اللہ تعالےٰ وسیع فضل والا ہے۔ اس پر تنگی نہیں کرتا جو اس سے زائد کا مستحق ہوتا ہے۔ عَلِيْمٌ کسان کی نیت کو جانتا ہے اور اس کے بیج ڈالنے کو بھی

جانتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس نے کتنا بیج ڈالا ہے۔ اللہ تعالٰے کی راہ میں خرچ کرنے والے کی یہی مثال ہے جو دی گئی ہے۔ جب کہ وہ اپنے عمل میں اچھا ہو۔ اور اس کا بیج بھی درست ہے اور زمین بھی اعلیٰ ہو تو کھیتی بہت ہوتی ہے۔ اسی طرح صدقہ دینے والے کا حال ہے۔ وہ نیک بھی ہو اور مال بھی حلال کا خرچ کرے اور اسے صحیح مصرف میں صرف کرے تو ثواب بہت زیادہ عطا ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص پاک کمائی سے ایک کھجور کے برابر بھی خیرات کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ صرف حلال مال کو قبول کرتا ہے۔ تو اللہ تعالٰے اسے دائیں ہاتھ سے قبول کرکے اس صدقہ کو اس کے مالک کے لیے بڑھاتا رہتا ہے جیسے تم میں سے کوئی گھوڑے کے بچے کو پالتا ہے یہاں تک کہ وہ صدقہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے"۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدقہ میں تربیت کا اس لیے ذکر فرمایا کہ (اگرچہ یہ زیادتی دوسرے اعمال صالحہ میں بھی ہوتی ہے) صدقہ واجبہ ہو یا نافلہ وہ تربیتِ حق کا بہت زیادہ محتاج ہے اس لیے کہ اس میں کمی واقع ہونے کا بہت خطرہ ہے کیونکہ اس میں حبِ مال (جو فطرتی امر ہے) کو زیادہ دخل ہے۔

حدیث شریف: (حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہ مومن کا صدقہ اپنے صاحب کو آفاتِ دنیا اور فتنۂ قبر اور یوم قیامت کے عذاب سے بچاتا ہے۔

حدیث شریف (حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا): کہ سخاوت ایک ایسا درخت ہے کہ جس کی جڑیں بہشت میں ہیں اور اس کی ٹہنیاں دارِ دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ جو اس کی کسی ایک ٹہنی کو پکڑے گا تو وہ ٹہنی اسے بہشت میں لے جائے گی اور بخل ایک ایسا درخت ہے کہ اس کی جڑیں جہنم میں ہیں اور اس کی ٹہنیاں بھی دارِ دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ جو بخل کی کسی ایک ٹہنی کو پکڑتا ہے تو وہ ٹہنی اسے جہنم میں لے جاتی ہے۔

حدیث شریف (حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جو بیوہ اور مسکینوں کی خبر گیری کرتا ہے۔ وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے یعنے اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ ان کی ہر تکلیف کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسے مجاہد جہاد میں تکلیف اٹھاتا ہے اس لیے کہ ان کی خبر گیری میں جگر کو آگ پر رکھنا ہے اور بہت بڑے صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور نفس اس سے کتراتا ہے۔ اس لیے کہ وہ طبعی طور پر لئیم ہے اس وجہ سے ایسے شخص کو بہت ثواب ملتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ بوستان میں لکھتے ہیں ؎

یکے از بزرگان اہل تمیز — حکایت کند ز ابن عبد العزیز
کہ بودش نگینی در انگشتری — فرو ماندہ از قیمتش مشتری
بشب گفت آن جرم گیتی فروز — دری بود در روشنائی چو روز

١- قضا را درآمد یکے خشک سال — کہ شد بدر سیمائے مردم ہلال

٢- چو در مردم آرام و قوف ندید — خود آسودہ بودن مروت ندید

٣- چو بیند کسے زہر در کام خلق — کیش بگذرد آب شیریں بحلق

٤- بفرمود بفروختندن بسیم ! — کہ رحم آمدش بر فقیر و یتیم

٥- بیک ہفتہ نقدش بتاراج داد — بدرویش و مسکین و محتاج داد

٦- فتادند در روے ملامت کناں — کہ دیگر بدستت نیاید چناں

٧- شنیدم کہ می گفت و باراں و مع — فرو مید دیدش بعارض چوں شمع

٨- کہ زشت است پیرایہ بر شہریار — دل شہری از ناتوانی فگار

٩- مرا شاید انگشتری بے نگین — نشاید دل خلق اندوہگین !

١٠- خنک آں کہ آسایش مرد و زن — گزیند بر آسائش خویشتن

١١- نکردند رغبت ہنر پروراں — بشادئ خویش از غم دیگراں

ترجمہ : (١) : اتفاقاً قحط سالی آئی کہ چودھویں رات کے چاند جیسی پیشانیاں پہلی رات کے چاند جیسی ہو گئیں۔

(٢) جب لوگوں میں آرام نہ دیکھا تو پھر اپنی آسودگی اپنے لیے مروت نہ دیکھی۔

(٣) جب کوئی کسی کے حلق میں زہر دیکھے پھر اس کے حلق سے کب میٹھا پانی گذر سکتا ہے۔

(٤) فرمایا کہ اس کی انگشتری کا نگینہ بیچ دیا جائے اس لیے کہ اسے فقیر و یتیم پر رحم آگیا۔

(٥) ایک ہی ہفتہ میں تمام کو ختم کر ڈالا کہ فقراء و مساکین اور محتاج لے گئے۔

(٦) ملامت کرتے ہوئے لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے کہ تجھے اس جیسی انگشتری نہیں ملے گی۔

(٧) میں نے سنا ہے کہ وہ لوگوں کی بات سن کر آنسو بہاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

(٨) وہ زیور بادشاہ کو اچھا نہیں لگتا کہ جس کی رعایا پریشانی میں ہو۔

(٩) میری انگشتری نگینہ کے بغیر اچھی ہے لیکن خلق خدا کا دل غمگین نہ ہو۔

(١٠) خوش قسمت ہے وہ جو اپنی آسودگی کی بجائے اپنے بال بچوں اور گھر والوں کا آرام چاہتا ہے۔

(١١) ہنرمندوں نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ وہ دوسروں کو غم میں ڈال کر اپنا آرام چاہیں۔

خلاصہ حکایت مذکور ایک سال قحط پڑا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی قیمتی انگشتری تھی۔ آپ نے بیچ کر لوگوں کو خیرات کر دی لوگوں نے ملامت کی کہ ایسی نایاب انگشتری پھر کہاں سے ملے گی۔ آپ نے فرمایا کہ اس بادشاہ کے لیے زیور بیکار ہے جس کی رعایا بھوکی مرے۔

مسئلہ : اعمال کا دار و مدار نیات پر ہے۔

سوال : حضور علیہ السلام نے فرمایا: نیۃ المومن خیر من عملہ (مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے) اس حدیث شریف سے تو ثابت ہو رہا ہے کہ صرف نیت ہی کافی ہے عمل کی ضرورت نہیں ؟

جواب (۱) : حدیث شریف کی شان ورود سے اس کا جواب واضح ہو گا :

واقعہ یوں ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ پیاسوں کے لیے کنواں کھدوا کر وقف کرنے میں بڑا ثواب ہے۔ یہ ارشاد کسی کافر نے بھی سن لیا تو اس نے حضرت عثمان غنیؓ سے سبقت کر کے کنواں کھدوا دیا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: نیۃ المومن ..... الخ گویا اس مومن سے خاص عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور کافر سے وہی مخصوص کافر مراد ہے لیکن حکم میں حدیث اپنے عموم پر رہے گی۔

(۲) یا یہ مراد ہے کہ مومن کی نیت اس عمل سے بہتر ہے جس عمل میں اس کی نیت نہ ہو اس لیے کہ جو نیکی کا کام نیّت سے کرے گا وہ اس عمل سے بہتر ہو گا جو بلا قصد کرے گا۔

ف : بعض نے کہا ہے کہ بعض اعمال ایسے بھی ہوتے ہیں جو نیت کے بغیر ہوتے ہی نہیں مثلاً نماز نیت کے بغیر جائز نہیں۔ اور بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں جنھیں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی مثلاً تلاوتِ قرآن مجید اور ذکرِ خیر کے جمیع اقسام وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ انفاق کے چند مراتب یہ ہیں :

① انفاق العوام

② انفاق الخواص

انفاق العوام ——— یہ مال خرچ کرتے ہیں جس کا اجر بہشت ہے۔

انفاق الخواص ——— بہ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے اپنا حال درست فرماتے ہیں، جس کا اجر قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ حب مال سے نفس کا تزکیہ کرے اور قلب کا تصفیہ کرے کہ مال کو اللہ تعالیٰ ملک متعال کی راہ پر خرچ کر ڈالے تاکہ اسے بہشت میں بزرگی نصیب ہو اور بخل سے بچے تاکہ اسے اللہ تعالیٰ خاسرین کی جماعت سے نہ اٹھائے۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. وہ لوگ جو اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں یعنے اموال کو جائز مصارف میں صرف کرتے ہیں۔ ثُمَّ۔ یہ عطف معطوف کی

شان کی رفعت کے اظہار کے لیے ہے۔ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا، نہیں پیچھے لگتے اس کے جو وہ خرچ کرتے ہیں یہاں پر ضمیر عائد محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی : ما انفقوا مَنًّا -،

احسان جتلا کر وہ یہ کہ جس پر احسان کیا اس کے سامنے اپنے احسانات گننے لگ جاتے اور اسے کہے کہ میرا تیرے اوپر حق واجب ہے یعنے کسی پر صدقہ کر کے اس پر منت نہیں لگاتے مثلاً، صدقہ دینے والا احسان جتلا کر کے کہ میں نے تیرے ساتھ فلاں وقت یہ کیا وہ کیا اور میں نے تیرے ساتھ اتنے اتنے احسانات کئے۔ وَ لَآ اَذًى اور نہ ہی اسے دکھ پہنچائے مثلاً، اپنے احسان کی وجہ سے اس پر فخر و ناز کرے اور اسے یاد دلائے یعنے اسے ایذا نہ دے مثلاً، صدقہ دینے والا ایذا دیتے ہوئے کہے کہ میں نے تجھے فلاں فلاں شے دی لیکن تو نے میرا شکریہ تک نہیں کیا یا میرا عطا کردہ مال کب دے گا اور مجھے کتنی دیر ستاتا رہے گا یا مجھ سے کب تک سوال کرتا رہے گا یا کہے تجھے مجھ سے مانگتے ہوئے شرم بھی نہیں آتی یا کہے کہ ہمیشہ تک میرے پاس اسی طرح آتا رہے گا یا کہے کہ کبھی اللہ تعالےٰ مجھے تجھ سے نجات بھی دے گا یا کبھی میرے اور تیرے درمیان جدائی بھی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے لیے ان کے رب کے ہاں بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔

سوال: اس پر فا کیوں نہیں داخل ہوئی باوجودیکہ قانون کا تقاضا ہے کہ اس پر فاء داخل ہو کیونکہ لهم اجرهم الخ اپنے ماقبل یعنے الذین ینفقون کے لیے سبب ہے اور سبب پر 'فا' داخل ہوا کرتی ہیں ؟

جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ وہ انفاق جو صرف اللہ تعالےٰ کو راضی کرنے کے لیے کیا جائے کہ اس میں منت و اذی نہ ہو تو اسے سببیت کی محتاجی بھی نہیں اس لیے کہ 'فا' کے دخول کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ، اور انہیں آنیوالے عذاب کا کوئی خوف نہیں۔ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ اور نہ وہ غمگین ہوں گے اس سے جو دنیوی امور چھوڑ کے گئے۔

شان نزول (۱) مروی ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو طعام کی خواہش ہوئی تو انھوں نے اپنی امی جان (بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا) کا قمیص مبارک چھ درہم میں بیچ ڈالا۔ آپ طعام لے کر آ رہے تھے کہ کسی سائل نے آپ سے طعام مانگا۔ آپ نے اسے دے دیا۔ اس کے بعد ایک اونٹنی بیچنے والے نے اونٹنی بیچنے کا اعلان کیا۔ آپ نے اس سے اونٹنی ادھار خرید لی پھر کسی دوسرے شخص کو منافع پر نقد بیچ ڈالی۔ آپ کا ارادہ ہوا کہ پہلے بائع کو اونٹنی کی رقم ادا کریں۔ ہر چند تلاش کیا مگر وہ شخص نہ ملا۔ آپ نے یہ سارا واقعہ اپنے نانا جان (حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم) کو سنایا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ سائل رضوان جنت تھا اور اونٹنی کے بائع میکائیل علیہ السلام تھے پھر اس کے خریدار حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت سابقہ اور یہ آیت حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے

حق میں نازل ہوئی۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا واقعہ یوں ہے کہ آپ نے غزوہ تبوک کے موقع پر ہزار اونٹ سامان سمیت اور ہزار دینا نقد سامان جنگ کی امداد میں پیش کیے۔ حضور علیہ السلام نے ان کی اس قربانی پر دعا کے ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ حق میں عرض کی کہ اے اللہ! میں عثمان (رضی اللہ عنہ) سے راضی ہوں تو بھی ان سے راضی ہو جا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا واقعہ یوں ہوا کہ انھوں نے چار ہزار دینار نقد بارگاہِ رسالت میں پیش کرکے عرض کی کہ میری کل جائیداد آٹھ ہزار دینار تھی میں نے آدھی راہِ خدا میں پیش کی ہے اور آدھی اپنے اہل وعیال کے لیے رکھ چھوڑی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ تجھے اس مال میں برکت دے جو تو نے راہ حق میں پیش کیا اور اس میں بھی جو تو نے اپنے اہل وعیال کے لیے چھوڑا ہے۔

اس آیت میں ان دونوں کے حال کی ترجمانی کی گئی ہے کہ انھوں نے اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ کیا۔ اور دل میں خیال تک نہ تھا کہ وہ کسی پر منت یا احسان یا کسی کو ایذاء دینے کی غرض پر خرچ کر رہے ہیں۔

مسئلہ: بعض نے کہا کہ منت لگا کر خرچ کرنا منافقت کے اور ایذاء دے کر خرچ کرنا ریا کے مشابہ ہے۔

مسئلہ: جو خرچ منت وایذا کے طور پر ہو اس میں کسی قسم کا اجر وثواب نہیں بلکہ الٹا گناہ ہے کہ اس نے محتاج کو مال دیا لیکن احسان کے طور پر یا ایذاء دے کر۔

مسئلہ: حضرت فرماتے ہیں کہ ایسے خرچ سے نہ ثواب ہے نہ گناہ۔

مسئلہ: بعض نے فرمایا کہ اسے صدقہ کا ثواب تو ملے گا لیکن جو اس پر دوہرا ثواب ملتا ہے وہ نہیں ملے گا۔ البتہ احسان جتلانے سے گناہ ضرور ہوگا۔

سوال: لوگوں کو اللہ تعالےٰ نے احسان جتلانے سے روکا لیکن خود احسان جتلاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: بل اللہ یمن علیکم؟

جواب: اسے احسان جتلانے کا حق ہے کہ اس کا ہر شے پر ملک تام ہے۔ اس کی قدرت اور ملکیت ہے کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔

مسئلہ: جس بندے کو دیکھو کہ اس میں خیر اور بھلائی کی عادت ہے تو سمجھو کہ اسے اللہ تعالےٰ کے صفات سے حصہ نصیب ہے، اور یہ اسے اپنی قدرت سے نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے نصیب ہوا۔ اس لیے کہ عبد تو ناقص ہے اور ناقص کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی پر احسان جتلائے۔ اور اپنی تعریف کرے۔

مسئلہ: احسان جتلانا نعمت کی قدر ومنزلت گھٹاتا ہے اور اس کی نورانیت کو ظلمات سے بدل دیتا ہے اس لیے کہ فقیر ومحتاج منکسر القلب ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ حاجت مند ہے اور اسے غیر کے صدقہ کی ضرورت ہے اور اسے خود بھی اعتراف ہے کہ

دینے والا بہت اونچا ہے لیکن جب دینے والے نے اس کا اظہار کر دیا تو اس نے فقیر و محتاج کے دل کو مجروح کیا۔ اس کی مثال اس شخص کی ہے جو کسی کو نفع پہنچا کر پھر اسے دکھ میں ڈال دے یا اس احسان کرنے والے کی طرح ہے کہ پہلے تو اس پر احسان کرتا ہے پھر اس کے ساتھ برائی سے پیش آتا ہے۔

حضرت حسین کاشفیؒ فرماتے ہیں ؎

آنچہ کہ بدھی چو دہندہ خداست
منت بے ہودہ نہادن خطاست
ہرچہ دہی می دہ و منت منہ
وآنچہ پشیمان سوی آن ہم مدہ

ترجمہ: ۱۔ جب سب کچھ اللہ تعالٰی دینے والا ہے تو پھر تم خیرات دے کر کسی پر احسان نہ جتلا کہ یہ خطا ہے۔

۲۔ جو کچھ دینا ہے دے لیکن کسی پر احسان نہ جتلاؤ بلکہ کسی پریشانی کو بھی اس کے سر نہ تھوپیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱۔ چون انعام کردی مشو خود پرست   کہ من سروم دیگراں زیر دست
۲۔ چوں بینی دعا گوی ھزار   خداوند را شکر نعمت گذار
۳۔ کہ چشم از تو دارند مردم بسے
نہ تو چشم داری بدست کسے

ترجمہ: ۱۔ جب کسی پر انعام کرو تو خود پرستی میں مبتلا نہ ہو جاؤ کہ میں سردار ہوں اور دوسرے میرے زیر قبضہ ہیں۔

۲۔ جب اپنے ہزاروں دعا گو دیکھو! تو اللہ تعالٰی کا شکر کیجئے۔

۳۔ تجھ سے اور لوگ امید وابستہ رکھتے ہیں لیکن تو کسی سے امیدوار نہیں ہے۔

حکایت منقول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پانچ ہزار بکریوں کا ریوڑ تھا۔ اور اس کے نگراں کتوں کے گلوں میں سونے کے طوق ڈالے ہوئے تھے۔ آپ کے سامنے فرشتہ انسانی بھیس بدل کر حاضر ہوا اور آپ کی بکریوں اور کتوں کو گھور گھور کر دیکھتا ہے۔ فرشتے نے اس شان و شوکت کو دیکھ کر کہا: سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جان من! اس مقدس کلمہ کو دوبارہ کہہ۔ اور اس کے انعام میں بکریوں کے ریوڑ سے آدھا تیرا ہے۔ اس فرشتے نے دوبارہ وہی کلمہ دہرایا۔ اس پر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے پکار کر فرمایا کہ اس کلمہ کو بار بار کہو، بکریوں کا تمام ریوڑ تجھے دیتا ہوں۔ اس سے فرشتہ متعجب ہوا اور کہنے لگا کہ واقعی یہی خلیل ہے اور وہ اس شان کے لائق ہیں کہ اللہ تعالٰی نے انھیں اپنا خلیل بنایا ہے۔ اور وہ اس شان کے لائق ہیں کہ ان کا ذکر ہر زمانہ اور ہر ملت میں

ہوتا رہے۔
مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ قرض دہ زیں دولت اندر اقرضوا
تا کہ صد دولت بہبینی پیش رو

۲۔ اندکے زیں شرب کم کن بہر خویش
تا کہ حوض کوثرے یابی بہ پیش

ترجمہ: ۱۔ اقرضوا کا حکم سن کر تم اپنی دولت سے قرض دو تاکہ آئندہ چل کر تم اس کا بہتر صلہ حاصل کرو۔
۲۔ یہاں کی دولت سے تھوڑا اخرچ کر تاکہ تجھے حوض کوثر نصیب ہو۔

نوابغ الکلم میں ہے ؎

صنوان من منح سائله و من
و من منع نائله ضن

ترجمہ: اللہ تعالٰی کے بندے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالٰی کے نام پر دے کر منت لگاتے ہیں دوسرے دیتے نہیں اور بخل کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ انسان تین طبقات پر مشتمل ہیں:

(۱) بہت زیادہ قوی۔ (۲) متوسط (۳) ضعفاء

(۱) بہت زیادہ قوی ——— یہ وہ ہیں جو اپنی تمام جائیداد اللہ تعالٰی کی راہ پر لٹا دیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ تعالٰی کے وعدہ کا ایفا کیا جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا۔

(۲) متوسط ——— یہ وہ ہیں کہ اپنے ہاتھ کو مال سے خالی نہیں چھوڑتے تھوڑا تھوڑا خرچ کرتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت کام آئے اور پھر عبادت میں بھی کمی واقع نہ ہو۔

(۳) ضعفاء ——— یہ وہ ہیں جو زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں۔

اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا دے جو تیرے غیر سے فارغ ہو کر زندگی گزارتے ہیں اور تیرے ماسوٰی سے ہٹ کر صرف تیرے ساتھ رہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ، اچھا جواب دینا۔ قول معروف یہ ہے کہ سائل کو احسن طریق سے جواب دے

جس سے اس کا دل خوش ہو جائے۔ وَّ مَغۡفِرَةٌ، اور مغفرت یعنے جو غلطی سائل سے ہوا سے چھپانا مثلاً وہ سوال کے وقت بہت زیادہ الحاح وزاری کرتا ہے یا ایسی باتیں کرتا ہے جو سننے والے کے دل پر بوجھ محسوس ہوتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس سے درگذر کرے۔ خَيۡرٌ مِّنۡ صَدَقَةٍ يَّتۡبَعُهَاۤ اَذًى ط

سوال: اگر کوئی سوال کرے کہ وہ کونسا صدقہ ہے جو ایذاء کے صدقہ سے بہتر ہے کہ جس کے لیے کہا جا سکے کہ یہ اس سے بہتر ہے؟

جواب: وہ صدقہ بہتر ہے جس سے تمہیں اطمینان ہو کہ واقعی اس صدقہ کو اللہ تعالٰی نے قبول کر لیا ہوگا۔ اس کی مثال وہ ہے جو اللہ تعالٰی نے فرمائی ہے:

قُلۡ ماعند الله خير من اللهو ومن التجارة۔ (لہو وتجارت کے ماسوا ان کی نیکی ہوگی وہ اللہ تعالٰی کے ہاں بہتر ہے)۔

معنٰے یہ ہے کہ تمہیں معلوم ہے کہ جو نیکی اللہ تعالٰی قبول کرے وہ دنیا و آخرت کی ہر بھلائی سے بہتر ہے۔

وَاللّٰهُ غَنِيٌّ، اور اللہ تعالٰی غنی ہے اس سے جو تمہارے پاس ہے۔ فقراء کو تمہارے احسان اور ایذاء کا محتاج نہیں بنانا چاہتا۔ اگر وہ چاہے تو وہ دوسرے طریقے سے بھی انھیں رزق پہنچا سکتا ہے۔ حَلِيۡمٌ ۝ حلیم ہے کہ اصحاب المن و الاذیٰ کو جلد تر عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔ اس سے یہ نہ سمجھنا کہ وہ دونوں انہی دونوں سببوں سے عذاب کے مستحق ہی نہیں۔

مسئلہ: اس آیت سے من و اذی کی وعید ثابت ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ

منت لگانے والے اور ایذاء دینے والے کے صدقہ سے سائل کو اچھی بات کہہ دینا اس لیے بہتر ہے (حالانکہ قول حسن سے فقیر کو محروم کرنا ہوتا ہے) کہ قولِ حسن سے سائل کا قلب خوش ہوتا ہے اور اس کے روح کو فرحت ملتی ہے اور صدقہ کا نفع صرف جسد تک اثر انداز ہوگا۔ اگرچہ قلب اور روح کو اس سے سرور و فرحت ملے گی لیکن تبعاً۔ اور قاعدہ ہے کہ جو شے جسم کو تو فائدہ پہنچائے لیکن روح اور قلب اس سے پریشان ہو تو وہ جسمانی نفع بھی کڑوا لگتا ہے۔ اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ جو شے روح کو فرحت اور تازگی بخشے وہ جسم کی راحت اور خوشی بخشنے والی شے سے بہتر ہوتی ہے اس لیے روحانیت کے امور نفوس میں زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں اور زیادہ با شرافت۔

ف: اسلاف رحمہم اللہ تعالٰی صدقہ دینے اور پھر اس میں ریاء سے بچنے میں بہت کوشاں رہتے۔ اس لیے کہ ریاء نفس پر ہمیشہ غالب رہتا ہے اور پھر یہ مہلک بھی ہے۔

ف: امام شعبی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ جو شخص ثواب کے لحاظ سے اپنے آپ کو فقیر سے زیادہ محتاج نہیں سمجھتا وہ اپنے صدقے کو باطل کر رہا ہے۔

ف: جس وقت کو قبر میں اتارا جائے گا تو ریا قلب کو ایسے ایذاء دے گا جیسے سانپ جسم کو ایذاء دیتا ہے۔ اسی طرح بخل بچھو کی شکل میں آکر ایذاء دے گا۔

ف: اصلی مقصود صدقہ سے یہ ہے کہ بندہ بخل کی خرابی سے بچ جائے۔ جب اس بخل میں ریا مل جائے تو یوں سمجھئے کہ میں نے سانپ کو بچھو کی غذا دے دی ہے۔ پھر وہ صدقہ ریا سے دے کر اگرچہ بچھو سے بچ گیا لیکن سانپ کی قوت میں اضافہ کر دیا۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ ہر وہ صفت جو قلب میں ہلاکت کے گڑھے میں ڈالتی ہے۔ اس کی قوت و غذا یہی ہے کہ اس کے اسباب پر عمل کرے۔

مسئلہ: صدقہ صرف مال میں نہیں ہوتا بلکہ ہر نیکی صدقہ ہے یہاں تک کہ کلمہ طیبہ (لا اله الا الله محمد رسول الله) اچھی شفاعت ہے۔ کسی کی ضرورت کے کام آنا، بیمار پرسی کرنا، جنازہ کے لیے حاضری اور دفن و کفن میں شریک رہنا اور مسلمان کا دل خوش کرنا۔ یہ سب صدقہ کے اقسام ہیں۔

گر خیر کنی خیر یابی　　در ہر دو جہاں کشادیابی
احسان کن بہر توشۂ خویش　　زادے بفرست تو ازیں پیش

ترجمہ: اگر بھلائی کرو گے تو بھلائی پاؤ گے دونوں جہانوں میں کشادگی پاؤ گے۔
آخرت کے توشہ کے لیے احسان کرو۔ یہاں سے آخرت کا سامان بھیجئے۔

تنبیہ: دنیا اور دنیا کے تمام اسباب سب کے سب کا کوئی اعتبار نہیں۔

حکایت ۷: ایک بادشاہ کا واقعہ مشہور ہے کہ اس کی ریح پیٹ میں رک گئی یہاں تک کہ قریب المرگ ہو گیا۔ اس پر اس نے اعلان کیا کہ جو شخص میری ریح خارج کر دے گا، اُسے اپنی شاہی بخش دوں گا۔ ایک اہل اللہ نے سنا اور بادشاہ کے ہاں تشریف لائے اور برکت کا ہاتھ اس بادشاہ کے پیٹ پر پھیرا تو اس کے پیٹ سے ریح خارج ہو گئی اور بادشاہ کو آرام آگیا۔ بادشاہ نے عرض کی کہ یا حضرت! یہ میرا تخت حاضر ہے آپ قبول فرمائیے۔ اور میں آپ کا ادنیٰ رعایا ہو کر زندگی بسر کروں گا۔ اللہ والے نے کہا: میں اس بادشاہی پر تھوکتا بھی نہیں کہ جس کی قیمت گندی اور بدبودار ہوا ہے بلکہ تو اس سے نصیحت لے کہ جس پر تو نازاں ہے اس کی قیمت کیا ہے!

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: کوئی تم میں ایسا ہے جو چاہے کہ میری بینائی تو صحیح و سالم رہے لیکن دل اندھا ہو جائے۔

ف: یہ اس وقت ہے کہ اسے دنیا کی رغبت ہو اور آرزوؤں کی بھرمار۔ اس طرح اس کا دل اندھا ہو جائے گا۔ یاد رکھو! جو شخص دنیا کو تین طلاق دے کر نفس کی خواہشات کو ملیا میٹ بنا دیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ بغیر پڑھنے کے علم عطا فرمائیگا۔

اور کسی کی رہبری کے بغیر ہدایت دے گا۔ خبردار! ایک زمانہ آنے والا ہے کہ جس میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جیسے اپنی شاہی (صدارت) کی سلامتی لوگوں کے قتل میں سمجھیں گے اور اپنی سیاست اور مال و دولت پر ناز کریں گے اور بخل میں یکتا ہوں گے، اور اگر کسی سے محبت کریں گے تو اس میں اتباع نفس کارفرما ہوگی۔ یاد رکھو! تم میں سے جو اس زمانہ کو پائے تو بھوک و افلاس پر صبر کرے۔ اگرچہ تونگری کے اسباب پر قدرت رکھتا ہو اور ان لوگوں کے بغض و عداوت کو ترجیح دے اگرچہ انھیں اپنی محبت میں پھنسا سکتا ہے اور ذلت و رسوائی کو سر پر رکھے اگرچہ ان کے ہاں معزز و مکرم بن سکتا ہے۔ یہ سب کچھ صرف اللہ تبارک و تعالےٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے کرے۔ اللہ تعالےٰ ایسے امور کے عامل کو پچاس صدیقوں کا ثواب بخشے گا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

کاسۂ چشم حریصاں پر نشد
تا صدف قانع نہ شد پردُر نشد

ترجمہ: حریص کی آنکھیں کبھی پُر نہیں ہوتیں۔ صدف بھی جب تک قانع نہ ہوئی موتیوں سے پر نہ ہوئی۔

تفسیر عالمانہ

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ "اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور ایذا دے کر ضائع نہ کرو۔ اس لیے کہ جو شخص 'من و اذیٰ' کا ارتکاب کرتا ہے اسے کوئی ثواب نہیں ملے گا بلکہ اس پر محتاج و فقیر کے رنج کرنے اور اس کے ایذا دینے کا گناہ لکھا جائے گا۔ من و اذیٰ کا معنے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ابطال الصدقہ کا معنے ہے ثواب ضائع کرنا۔ اس لیے کہ جب صدقہ دیا جا چکا تو نفس صدقے کا ابطال کا کوئی معنے نہیں۔ البتہ اس کے اجر و ثواب کے ضائع ہونے کا معنے ہو سکتا ہے اس لیے کہ منّ و اذیٰ کے ارتکاب سے کوئی ثواب نہیں ملتا۔ لہٰذا یہی معنے صحیح ہوا کہ مَن و اذیٰ سے اجر و ثواب ضائع جاتا ہے۔

كَالَّذِي، مثل اس شخص کے۔ اس سے مراد منافق ہے اس لیے کہ کافر تو اپنے کفر میں کھلم کھلا ہے اس لیے ریا کے معنے کا احتمال تک بھی نہیں اور یہ کاف محلاً منصوب ہے اس لیے کہ مصدر محذوف کی صفت ہے یعنے ان صدقات کو اس منافق کی طرف ضائع نہ کرو جو کہ يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ خرچ کرتا ہے ان کے دکھاوے کی نیت پر تاکہ مشہور ہو کر وہ بڑا سخی ہے۔ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اور وہ اللہ تعالےٰ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ ہی یوم آخرت پر اسے اللہ تعالےٰ کی رضا مطلوب نہیں اور نہ ہی آخرت کا ثواب درکار ہے بلکہ وہ ریا کے طور پر خرچ کرتا ہے۔ ریا مفاعلہ کا قتالا قاتل قتالا کی طرح مصدر ہے اور مفاعلہ کا معنے یہاں پر اپنی حقیقت پر ہے وہ اس لیے کہ ایسا شخص عمل اس لیے دکھا کر کرتا ہے کہ لوگ اسے دیکھ کر اس کی تعریف کریں۔

فَمَثَلُهُ، پس اس کی حالت عجیبہ۔ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ، اس پتھر جیسی ہے جو بالکل صاف ستھرا ہو۔ صفوان

واحد بھی ہے جمع بھی۔ جس نے اسے جمع سمجھا تو اس کا واحد صفوانۃ مانا ہے اور جو اسے واحد سمجھتا ہے۔ تو اس کی جمع صفی کہتا ہے۔ عَلَيْهِ تُرَابٌ ، اس پر تھوڑی سی مٹی ہو۔ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ تو اسے تیز بارش پہنچے یعنے موسلا دھار بارش کہ جس میں تژالہ باری بھی ہو۔ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ط پس اسے صاف ستھرا کر دے یہاں تک کہ اس پر گرد و غبار کا نشان تک نہ رہے۔

لَا يَقْدِرُوْنَ ، وہ قدرت نہیں رکھتے۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے کہا کہ پھر ان کا کیا حال ہے جو ریار کے طور پر خرچ کرتے ہیں تو اس کے جواب میں فرمایا : لایقدرون۔ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ط نہیں قدرت پائیں گے اس پر جو انھوں نے عمل کیا یعنے جو عمل ریار کے طور پر کریں گے اس سے کسی قسم کا نفع نہیں پائیں گے بلکہ ان کو اس کا ہرگز ہرگز ثواب نہیں ملے گا۔ جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

"فجعلناہ ھباء منثورہ"

یہ اس محاورہ سے ہے جو کہا جاتا ہے :

فلان لایقدر علی درھم

یہ محاورہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ اس کے پاس کوئی درہم نہ ہو اور نہ ہی اس کا وہ مالک ہو۔

سوال : لایقدرون کے بعد کالذی ینفق مناسب معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ لا یقدرون جمع ہے اور الذی ینفق واحد ہے، کیوں؟

جواب[1] : الذی ینفق سے مقصود خرچ کرنے کی جنس یا اس کے دوسرے ہجولی مراد ہیں۔

جواب[2] : الذی اور من ہم مطلب ہیں گویا کہا گیا ہے کمن ینفق اسی لیے لایقدرون جمع الذی کے معنے کے اعتبار سے ہے اور ینفق مفرد بوجہ لفظ کے ہے۔

ربط : جب اللہ تعالےٰ نے من و اذیٰ کے صدقہ کا بطلاق بیان فرمایا ہے اب ان کے اجر و ثواب کے ابطال کی کیفیت مثال دے کر بیان فرماتا ہے پس اوّلاً اس کی مثال اس سے دی جو ریار کے طور پر خرچ کرتا ہے اور وہ اللہ تعالےٰ اور آخرت سے کفر کرنے والا ہو اس لیے کہ کافر کے خرچ کا بطلان زیادہ ظاہر ہے۔ اس سے من و اذیٰ کے طور پر خرچ کرتا ہے پھر اسے (صفوان) پتھر سے مثال دی کہ جس پر مٹی اور غبار پڑی ہو اور اس پر بارش پہنچے تو وہ بارش اس پتھر سے مٹی اور غبار دور کر دے پھر وہ پتھر ایسا ہو جاتے گویا اس پر گرد و غبار تھی ہی نہیں۔ پس کافر (صفوان) پتھر کی مانند ہے اور مٹی کے ساتھ مثال ہے اس کے خرچ کرنے کی اور بارش کی مثال کفر جیسی ہے کہ کفر کافر کے تمام اعمال مٹا دیتا ہے اور من و اذیٰ کی مثال بھی ایسی ہے کہ وہ بھی ایسے خرچ کرنے والے کے اعمال کو مٹا دیتے ہیں۔ پس جیسے بارش اس پتھر سے مٹی کو اڑا دیتی ہے ایسے ہی من و اذیٰ بطریق اولیٰ ضروری ہے کہ وہ خرچ کرنے والے کے اجر و ثواب کو ختم کر دے جب کہ اسے خرچ کرنے کا ثواب حاصل ہو

چکا تھا۔ لیکن من واذیٰ سے نیست و نابود ہو گیا۔

ف: یہ آیت صریح ہے اس میں کہ من و اذیٰ سے اعمال حبط اور کفر لازم ہو جاتا ہے جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے جن کا عقیدہ ہے کہ اعمال صالحہ سے اجر و ثواب واجب ہے اور کبائر سے وہ اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔

مسئلہ: ہمارے اصحاب یعنی اہل سنت فرماتے ہیں کہ اعمال صالحہ پر ثواب عنایت کرنا محض فضل الٰہی ہے۔ وہ اس آیت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ لا تبطلوا کی نہی سے مراد یہ نہیں کہ اجر عنایت کے بعد مَن واذیٰ سے پھر ثواب بالکل ختم ہو جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بندوں کو روکا ہے کہ ایسے بُرے اعمال کا ارتکاب کر کے اپنے عمل باطل نہ کرو۔

مزید توضیح: من و اذیٰ بندے کو اس اجر سے دور کر دیتا ہے جو اس کے عمل پر مرتب ہونا تھا اور اسے وعدہ دیا گیا کہ تمہیں اس عمل پر یہ ثواب ملے گا۔ اس لیے کہ اجر موعود اس وقت نصیب ہوتا ہے جب کہ محض عبادت و اطاعت کے طور پر اور جو کچھ اللہ کے ہاں اس کے لیے تیار ہے۔ اس کی طلب میں بندہ اس عمل کو کر گزرتا ہے اور عمل کرتے وقت اس کی اس آیت پر نگاہ ہوتی ہے وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند الله هو خیرا و اعظم اجرا، اور اس ارشاد باری تعالےٰ پر کہ " ان الله اشترى من المؤمنين انفسهم و اموالهم بان لهم الجنة " جس شخص کو عمل پر صرف یہی بات ابھارے کہ وہ اجر جو اللہ تعالےٰ کے ہاں ہے اسے نصیب ہوگا جو اس نے مخلصین کے لیے تیار کر رکھا ہے تو وہ اس طریقہ پر چل گیا۔ جو بطور تبادلہ اجر و ثواب عمل کے بدلہ میں ملتے ہیں جو اللہ تعالےٰ نے مخلصین کو وعدہ دیا ہے لیکن جس کا صرف اللہ تعالیٰ سے معاملہ ہو تو وہ کسی لالچ و طمع پر نہیں بلکہ صرف اللہ تعالےٰ کو راضی کرنے کے لیے عبادت کرتا ہے اور نہ ہی وہ خرچ کرتے وقت کسی فقیر کو احسان جتلاتا ہے اور نہ ہی وہ اسے ایذاء دیتا ہے مثلاً اسے یوں بھی نہیں کہے گا: خذ بارك الله لك فيه، لے تجھے اللہ تعالےٰ اس میں برکت دے۔

مسئلہ جس نے مبادلہ مع اللہ کے طریق سے منہ موڑا اور صرف اس لیے خرچ کیا کہ وہ فقیر پر احسان کرتا ہے اور اسے اللہ تعالےٰ کی رضا بالکل مطلوب نہیں اور ابتداءً ہی اپنے اعمال کی بنیاد بطلان پر رکھی ہے تو وہ اس بدل سے محروم رہا جو اللہ تعالےٰ نے قرض حسن دینے والوں کے لیے وعدہ فرمایا ہے۔ اس لیے کہ اس کا خرچ علیٰ طریق القرض واقع نہیں ہوا ہے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○ اور اللہ تعالےٰ کافروں کو خیر دار ارشاد کی طرف راہ نہیں دکھاتا۔

نکتہ: اس میں اشارہ ہے کہ ریا اور مَن و اذیٰ کفار کی عادات سے ہے۔ مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان امور سے اجتناب کرے۔

تمثیل: بعض علماء سے مروی ہے کہ انھوں نے ایسے شخص کی مثال محض ریاء اور شہرت کے طور پر عبادت کرنا ہے، اس

شخص سے دی جو بازار میں اپنی جیب ٹھیریوں سے بھر کر جاتے۔ لوگ اسے دیکھ کر کہیں کہ اس جوان کی جیب مال و دولت سے پُر ہے اسے ان باتوں سے کسی قسم کا نفع نہیں، سوائے لوگوں کی گفت وشنید کے۔ اگر وہ کوئی شے بازار سے خریدنا چاہے تو اسے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اسلاف رحمہم اللہ تعالےٰ نے صدقہ کو لوگوں کی آنکھوں سے چھپا کر دینے میں بڑا مبالغہ فرمایا ہے یہاں تک کہ بعض کی عادت بن گئی کہ وہ ایسا فقیر تلاش کرتے جو نابینا ہو تاکہ صدقہ لینے والے کو بھی معلوم نہ ہو کہ دینے والا کون ہے۔ اور بعض نے نیند میں سونے والے فقیر کے کپڑے میں دراہم و دنانیر باندھ دیتے اور بعض نے صدقہ فقیر کے راستہ میں ڈال دیا تاکہ اس کا صدقہ لے لے۔ ایسے حیلے کر کے ریاء سے بچنے کی کوشش کرتے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ گفت پیغمبر بیک صاحب ریاؒ صل انک لم تصل یا فتیٰ

۲۔ از برائے چارۂ ایں خوفہا آمد اندر ہر نمازی اِھدنا

۳۔ کیں نمازم را میامیر اے خدا!
با نماز ضالین و اہل ریاؒ

ترجمہ: (۱) حضور علیہ السلام نے ایک صاحبِ ریاؒ سے فرمایا: اے جوان! تو نے نماز نہیں پڑھی فلہٰذا اسے دوبارہ پڑھ۔

(۲) ایسے خوف وخطر کی وجہ سے نمازیں (اھدنا) کا عرض کیا جاتا ہے۔

(۳) اے اللہ! ہماری نمازوں کو اہل ریاؒ اور گمراہوں کی نمازوں کے ساتھ نہ ملا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زیادہ خوف مجھے تم پر ہے اے میرے امتیو! وہ شرک اصغر ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے عرض کی: یارسول اللہ! (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) شرک اصغر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: شرک اصغر ریاؒ ہے۔ اس دن کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو اعمال صالحہ کی جزا دے گا۔ تو اللہ تعالےٰ ریاکار لوگوں سے فرمائے گا تم ان لوگوں کے پاس جاؤ جن کو تم دکھا دکھا کر اعمال کرتے تھے۔ اب تم بتاؤ کیا تم ان لوگوں کے پاس کچھ پاسکو گے؟"

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کی طرف نزول اجلال فرمائے گا تاکہ ان کے مابین فیصلہ فرمائے۔ وہ وقت بہت سخت ہوگا کہ ہر امت گھٹنوں کے بل پڑی ہوگی۔ سب سے پہلے وہ بلایا جائے گا جس نے قرآن جمع کیا ہوگا (یعنی قرآن مجید بہت پڑھا ہوگا) اور پھر وہ جو اللہ تعالےٰ کے راستے پر شہید کیا گیا ہوگا اور پھر اسے جو کثیر المال تھا اور اس نے اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ کیا ہوگا۔ اللہ تعالےٰ قاری کو فرمائے گا کہ کیا میں نے تجھے وہ کلام نہیں سکھایا تھا جو میں نے اپنے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تھا! تو نے اس پر کیا عمل کیا۔ عرض کرے گا: اے الٰہ العالمین!

میں نے تیرے قرآن کو رات کی تاریکیوں میں پڑھا۔ اور فرشتے کہیں گے کہ اے قاری! تو جھوٹ بول رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تیرا اس سے صرف یہی ارادہ تھا کہ لوگ تجھے قاری کہیں، سو وہ تجھے کہا گیا۔ اس کے بعد مالدار کو لایا جائے گا اسے بھی اللہ تعالےٰ فرمائے گا کہ میں نے تجھے مال میں وسعت دی اور میں نے تجھے ایسا کثیر المال بنایا کہ تجھے مالی لحاظ سے کسی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ مالدار کہے گا کہ بیشک ایسے ہی یا رب العٰلمین۔ پھر اللہ تعالےٰ فرمائے گا: بتا تو نے میرے لیے کونسا عمل کیا۔ مالدار عرض کرے گا: میں اسی مال کے ذریعے صلہ رحمی کرتا اور تیرے راہ پر مال خرچ کرتا تھا۔ اس پر اللہ تعالےٰ فرمائے گا: تو نے اس ارادہ پر عمل کیا کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص بڑا سخی ہے، سو تجھے ویسا ہی کہا گیا۔

اس کے بعد شہید فی سبیل اللہ کو لایا جائے گا۔ اس سے اللہ تعالےٰ فرمائے گا: بتا! تو کس راہ پر قتل کیا گیا۔ عرض کرے گا: اے رب کریم! تو نے ہمیں جہاد کا حکم فرمایا تھا، سو میں نے تیری فرمانبرداری کرتے ہوئے جہاد کیا اور اس میں مارا گیا۔ اللہ تعالےٰ فرمائے گا: تو جھوٹ بولتا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ تیرا اس سے یہ ارادہ تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں بہت بہادر ہے، سو تیرے لیے ایسے ہی کیا گیا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہی تینوں وہی ہیں جن کے لیے قیامت میں سب سے پہلے جہنم کی آگ سلگائی جائے گی۔"

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱۔ طریقت ہمینست کامل یقین — نکوکار بودن و تقصیر بین

۲۔ بروئے ریا خرقہ سہلست دوخت — گرش با خدا در توانی فروخت

۳۔ جہاں بہ گر آلبتن جوھری — کہ ہمچو صدف سر بخوردر بری

۴۔ ور آوازہ خواہی در اقلیم فاش — بروں حلہ کن گو دروں حشو باش

۵۔ اگر مشک خالص نداری مگو — وگر ہست خود فاش گردد ببوی

۶۔ چہ زنار مغ درمیانت چہ دلق
کہ در پوشی از بہر پندار خلق

ترجمہ: (۱) طریقت یہی ہے کہ یقین کامل ہو اور نیک عملی اور اپنی کوتاہ بینی نصیب ہو۔

(۲) ریاء کے طور پر گدڑی پہننا آسان ہے تمہیں چاہیے کہ اسے اللہ تعالےٰ کے ہاں بیچ ڈال۔

(۳) اگر تم جوہر بننا چاہتے ہو تو تمہیں چاہیئے کہ صدف کی طرح سر کو نیچے رکھ۔

(۴) اگر تم چاہتے ہو کہ ملک میں اچھی شہرت ہو اچھے لباس چھوڑ کر سادگی اختیار کرو۔

(۵) اگر مشک خالص نہیں ہے تو خواہ مخواہ یہ نہ کہہ کہ میرے پاس خوشبو ہے کیونکہ خود بخود مہکتی ہے۔

(۶) کمر میں زنار ہو یا گدڑی کوئی فرق نہیں اگر اسے تم ریاء کے طور پر پہنتے ہو۔



تفسیر صوفیانہ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ معاملات میں جب اغراض دنیوی کی ملاوٹ ہو جائے تو اس میں اغراض من اللہ کی بات بن جاتی ہے اور جو شخص اللہ تعالے سے اعراض کرتا ہے تو وہ باطل پہ جری ہو جاتا ہے اور جو باطل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس نے اپنے حقوق باطل کر دیئے پھر باطل کے بعد حق کہاں؟ اور ہمیں روکا گیا کہ ہم طلب حق سے اعراض کر کے اپنے نیک اعمال ضائع نہ کریں۔ اسی طرح باطل سے بھی پورے طور پر منہ موڑیں۔ اللہ تعالے نے فرمایا : لا تبطلوا صدقتکم ۔ اور یہی وہ ہے کہ فقیر کو منت کے اظہار سے اعمال باطل ہو جاتے ہیں گویا اس منت لگانے سے ہم نے طلب حق سے منہ موڑا۔ اس لیے کہ اگر صدقہ دینے سے اللہ تعالے کو راضی کرنا مطلوب تھا تو پھر فقیر پر کوئی منت نہ لگائی جاتی بلکہ الٹا تم فقیر کے مرہون منت ہوتے کہ وہی تمہارا صدقہ دینے کا سبب ہوا جس سے تم اللہ کے ہاں پہنچنے کے لائق ہو گئے۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر فقراء نہ ہوتے تو دولت مند ہلاک ہو جاتے۔ اس کا معنٰے یہ ہے کہ فقراء حق تک پہنچانے کے وسیلہ ہیں۔

بعض حضرات نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی " العبد العلیا خیر من الیہ السفلی " کی تفسیر یوں فرمائی ہے :

ید علیا دراصل فقراء کا ہاتھ اور ید السفلی دولت مندوں کا ہاتھ ہے۔ اس لیے کہ دولت مند دیتا ہے اور فقیر لیتا ہے۔ اذیٰ بمعنے باطل کی طرف متوجہ ہونا اس لیے کہ ہر وہ شئے جو غیر حق ہے وہی باطل ہے۔ بہرحال جو شخص عمل تو خالص اللہ ہی کے لیے کرے لیکن پھر اس میں دنیا و آخرت کی کوئی بات ملا دے تو وہ اس کا عمل باطل ہو جائے گا۔ وہ اس لائق نہیں رہتا کہ وہ اسے خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کہا جائے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ عاشقاں را شادمانی و غم اوست   دست مزدور اجرت خدمت ہم اوست

۲۔ غیر معشوق ار تماشائی بود   عشق نبود ہرزہ سرائی بود

۳۔ عشق آں شعلہ است کہ چوں بروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

ترجمہ : ۱۔ عشاق کو خوشی اور غم اسی کا ہے اجر اور مزدوری اسی کی خدمت ہے۔

۲۔ معشوق کے سوا اگر کوئی اور تماشا کا خواہاں ہے تو وہ عشق نہیں بلکہ مذاق ہے۔

۳۔ عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ اٹھتا ہے تو معشوق کے سوا سب کچھ جلا دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عشق الٰہی و حُبِ رحمانی جب کسی بندۂ خدا پر غلبہ پاتی ہے تو پھر اس میں سے مال و اولاد اور دوستوں

کی محبت کی شرکت بالکل منقطع ہو جاتی ہے۔ ویسے اجرت لے کر خدمت کرنا جواں مردوں کا کام نہیں۔ اس لیے کہ جسے یقین ہے کہ میرا آقا بڑا کریم ہے تو پھر اس کے دل سے اجرت کا تصور بھی مٹ جاتا ہے۔ پھر اعلیٰ درجہ کا انعام اس کے مالک سے اسے نصیب ہوتا ہے۔

حضرت حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن
کہ دوست خود روش بندہ پروری داند

ترجمہ: گداؤں کی طرح اجر و مزدوری سے مشروط عبادت نہ کیجئے اس لیے کہ مالک پرورش کا طریقہ خوب جانتا ہے۔

اے اللہ! ہماری امیدیں غیروں سے منقطع کر دے اور ہمیں ان لوگوں سے بنا تو تجھ سے صرف تجھی کو مانگتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا اور وہ لوگ جو اللہ تعالےٰ کے راہ میں صرف اللہ تعالےٰ کی رضا کی خاطر اپنے نفسوں کو ثابت رکھنے کے لیے یعنی نفسوں کو ایمان و طاعت پر ثابت رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں تاکہ ان کے قلوب سے بخل کی رذالت اور مال کی محبت اور اسے بلاوجہ بند رکھنے اور خرچ نہ کرنے کا خیال دور ہو جائے۔

نسخہ روحانی: نفس اگرچہ حب مال اور طاعات بدنیہ سے کترانے کا خوگر ہے لیکن جب اسے کسی بات کا عادی بنایا جائے تو اسی عادت کی طرف جھک جاتا ہے۔

قصیدہ بردہ شریف کے مصنف رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ؎

والنفس کالطفل ان تهمله شب علی
حب الرضاع و ان تفطمه ینفطم

ترجمہ: نفس چھوٹے بچے کی طرح ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے تو جوانی تک رضاع کی محبت میں پھنسا رہے گا۔ اور اگر اس کا دودھ وقت پر چھڑوا دو تو وہ دودھ چھوڑ دے گا۔

شرح شعر مذکور فَمَتٰى اَهْمَلْتَهَا فَقَدْ تَمَرَّنَتْ وَاعْتَادَتِ الْكَسَلَ وَالْبِطَالَةَ وَالْبُخْلَ یعنے جب نفس کو اس کی عادات پر چھوڑ دو تو وہ انہی عادات میں پھنس جائے گا۔ اور سستی و بطالت اور وجود طاعات میں مال خرچ نہ کرنے کی طرف جھک جائے گا۔ اور مقتضیات ایمان سے منہ موڑ لے گا اور اگر اسے عبادات بدنیہ اور مالیہ کی بڑی بڑی تکلیفوں کا عادی بنا دو تو وہ تمہارے حکم کا پابند رہے گا۔

ف: آیت میں من تبعیضیہ ہے جیسے اہل عرب کے اس مقولے میں ہے:

"هز من عطفه وحرك من نشاطه"

سوال: مال نفس کے بعض سے کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے خرچ کرنے سے بعض نفس طاعات سمجھے گئے اور ثمرۂ ایمانیہ پر ثابت قدمی کا موجب بنے؟

جواب: مال کو نفس سے اتنا شدید تعلق ہے کہ گویا وہ اس کا جز ہے۔ یوں سمجھئے کہ مال روح کا اخ یعنی ہے۔ پس جو شخص مال کو صرف اللہ تعالے کو خوش کرنے پر خرچ کرتا ہے تو اس کے نفس کا بعض ثابت ہوا اور جو اپنے مال اور روح کو خرچ کرتا ہے تو اس کا تمام نفس ثابت ہوا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔	دادن نان مر سخی را لائق است	دادن جان خود سخائے عاشق است
۲۔	جان دہی چوں بہر حق جانب دہند	ناں دہی چوں بہر حق نانت دہند
۳۔	آن فتوت بخش ہر بے علت است	پاکبازی خارج از ہر بلت است
۴۔	در شریعت مال ہر کس مال اوست	
	در طریقت ملک ما مملوک دوست	

ترجمہ: ۱۔ روٹی دینا سخی کے لائق ہے جان دینا عاشق کی سخاوت ہے۔

۲۔ اللہ تعالے کے نام پر اگر جان دوگے تو جان ملے گی اگر روٹی دوگے تو روٹی۔

۳۔ ہر بے علت کو لطف بخشتا ہے پاکبازی ہر بیماری سے خارج ہے۔

۴۔ شریعت میں ہر شخص مال اس کی ملکیت ہے طریقت میں ہم سب اپنے محبوب کی مملوک ہیں۔

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ:

ف: یہ بھی جائز ہے کہ تثبیت بمعنی جعل الشئی صادقا محققا ثابتا یعنے کسی شے کو صادق محقق اور ثابت بنانا۔ اب معنے یہ ہوا کہ وہ لوگ اپنے مال اللہ تعالے کی رضا کے ساتھ ساتھ اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ اسلام کی تصدیق کریں، اور وہ اپنے اصل نفوس سے نکالنے والے ہیں تاکہ جزاء کے مستحق ہو جائیں۔

مسئلہ: خرچ کرنا اسلام کی نشانی ہے لیکن وہ خرچ اصل نفوس اور صمیم قلب سے ہو۔ یہ من ابتداً غایتہ کے لیے ہے۔ ہاں یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ تحقیق الجزاء بمعنے الایقان ہے۔ باین طور کہ یہ اس عمل صالح سے ہے کہ جن پر اللہ تعالے بہتر جزاء عطا فرمائے گا۔

كَمَثَلِ جَنَّةٍ: مثل باغ کے جو واقع ہو۔ **بِرَبْوَةٍ**، اونچے مقام پر جو سردی کے نقص ان سے محفوظ ہو، اس کی لطافت کی وجہ سے ٹھنڈی ہوئے اسے نقصان نہ پہنچائیں، ایسے باغ کا منظر اچھا ہوتا ہے اور اس کے پھل بہترین ہوتے ہیں۔ وہ زمین جو نیچے واقع ہو وہ سردی کے نقصان سے نہیں بچ سکتی اس لیے کہ ٹھنڈی ہوا کے سخت

جھونکے تباہ کر ڈالتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو باغ اونچے مقام پر واقع ہو اسے نہری پانی فائدہ نہیں پہنچا سکتا بلکہ اسے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نقصان پہنچاتے ہیں اس لیے اس کے پھل اچھے نہیں ہوتے بخلاف اس مقام کے کہ وہ درمیانی جگہ پر واقع ہو کہ وہ نہ اتنا اونچا ہو اور نہ نیچا۔ پس یہاں پر ربوۃ سے مراد وہ زمین ہے جو نرم اور اچھی ہو کہ اس پر بارش پہنچے تو بارش کا اثر قبول کر کے پھلے پھولے اور سرسبز ہو جائے۔ اس لیے جو زمین ایسی ہو تو وہ بہت پھولتی پھلتی ہے اور اس کے میوے اچھے ہوتے ہیں۔ اس تاویل کی تصدیق یہ آیت ہے:

" وتری الارض ھامدۃ فاذا انزلنا علیھا الماء

اھتزت وربت "

اس لیے ربوہ ' سے وہی مراد ہے جو ہم نے بیان کی۔

اَصَابَهَا، اسے بہت بڑے قطروں والی بارش پہنچے کہ اس کا اوپر سے نیچے گرنا سخت ہو۔ **وَابِلٌ فَاٰتَتْ**۔ تو عطا کرے اپنے مالک اور اس کے اہل کو **اُكُلَهَا** اس کے ثمرات اور اناج۔ اسے بضمتین (دو پیش) کے ساتھ پڑھا جائے۔ اس شے کو کہا جاتا ہے جو کھائی جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ اتت بمعنے اخرجت ہو اس وقت مفعول واحد کی طرف متعدی اور اکلھا کا مفعول ہے۔ **ضِعْفَيْنِ** دوہرے یعنے باقی اوقات کے بہ نسبت دوسروں کے دوہرے ثمرات و اناج دے اور بسبب اس کے کہ اس پر زوردار بارش پہنچی ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا ثمر جو دو سالوں میں حاصل ہونا تھا اب وہ چار سالوں کا اناج اور ثمرات دے۔ اور ضعف سے مراد یہاں پر مثل ہے جیسے آیت " من کل زوجین اثنین " زوج سے واحد مراد ہے۔ اور جس نے اس سے اس کی چار مثلیں مراد لی ہیں تو اس نے ضعف کو اصلی معنے پر محمول کیا ہے یعنے شے کی دو مثلیں۔ اب آیت میں چار مثلیں مراد ہوں گی۔

فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ پس اگر اسے زوردار بارش نہ پہنچے تو اسے معمولی بارش کافی ہے۔ طل اس بارش کو کہتے ہیں جس کے قطرات چھوٹے اور معمولی ہوں یعنے بوندا باندی بھی اسے کافی ہے کیونکہ وہ زمین اچھی ہے اور اس میں بیج اچھا اثر کرتا ہے اور اس کی ہوا خوشگوار ہے لیکن یاد رہے کہ یہی بوندا باندی دیر تک برستی رہے تو وہ بھی تیز بارش کا اثر رکھتی ہے۔

سوال: نکرہ مبتدا واقع نہیں ہو سکتا اور یہاں نکرہ مبتدا واقع ہوا ہے؟

جواب: یہاں پر مبتدا شرط کے جواب میں واقع ہوا ہے۔ اس لیے اس کا نکرہ ہونا جائز ہے اور مبتدا کے لیے ایسے وقت نکرہ ہونا جائز ہوتا ہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں:

ان ذھب العیر فعیر فی الرباء۔

یہاں پر فعلیہ مبتدا نکرہ ہے لیکن چونکہ شرط کے جواب میں واقع ہوا ہے اس لیے جائز ہے۔
اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ ایسے لوگ جو اللہ تعالے کی راہ میں خرچ کرتے ہیں جنھیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہے اور اس خرچ میں اپنے ایمان کی ثابت قدمی سمجھتے ہیں اور وہ نفقات متفاوت ہیں بوجہ اس کے جو اسباب متفاوت ہیں اپنے ان احوال کے جو انھیں متعلق ہوتے ہیں۔ ابتغاء دتثبیت کے سبب سے جو کہ وہ ابتغا وتثبیت صدق واخلاص کے چشموں سے پیدا ہوئے ان کے ان نفقات کو تشبیہ دی گئی ہے۔ ایسے باغ سے جو کہ پاکیزہ اور بہترین پھل پھول دینے والا ہے سبب کہ اس کا محل وقوع بہتر اور اسے تیز بارش یا بوندا باندی پہنچتی ہو اور اس ترو تازگی کا جامع اور نشوونما کے لحاظ سے بہتر واعلیٰ ہو ممکن ہے کہ یہ تشبیہ المفرق کے قبیل سے ہو کہ ان کے قربِ الٰہی اور اللہ تعالے کے ہاں ان کے بڑے درجات کو ثمرۂ جنت سے تشبیہ دی گئی ہے اور وجہ تشبیہ زیادتی ہے اور ان کے نفقات کثیر قلیل کو تیز اور معمولی بارش سے تشبیہ دی گئی ہے کہ ہر دونوں زیادتی کے سبب ہیں۔ اس لیے کہ ان کے نفقات ان کے حسن مال میں اضافہ کرتے ہیں کثیر ہوں گے تو مراتب علیا نصیب ہوں گے۔ اگر قلیل ہوں گے تو مراتب میں کمی واقع ہوگی، جیسے دونوں قسم کی بارش باغ کے ثمرات میں اضافہ کرتی ہے۔ کثیر بارش ہوگی تو پھل کثیر حاصل ہوں گے اگر تھوڑی ہوگی تو پھلوں میں کمی واقع ہوگی۔
وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۝ اور اللہ تعالے تمھارے اعمال دیکھتا ہے یعنے اسے معلوم ہے کہ تمھارے اعمال میں اخلاص ہے یا ریا۔ اس پر کوئی شے مخفی نہیں۔ اس میں اخلاص کی ترغیب ہے اور ریا وغیرہ سے ڈرانا مقصود ہے۔

مومن کو چاہیئے کہ وہ مخلص ہو کر اللہ تعالے کی عبادت کرے اور ہمیشہ طاغوت خفی یعنے شرک خفی سے نجات پانے کی امید میں رہے۔ اس لیے کہ نجات کا دارومدار اخلاص پر ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

ہمینت پندت اگر بشنوی
کہ گر خار کاری سمن ندروی

ترجمہ: یہ نصیحت تمھیں کافی ہے اگر تم نے اس پر عمل کیا تو فائدہ پاؤ گے وہ یہ کہ جو کچھ بوؤ گے وہی اٹھاؤ گے (یعنے جو شخص کانٹے بوتا ہے اس کے باغ میں پھل اور پھول نہیں آتے۔ اور نہ ہی اس کا درخت ثمر لائے گا۔ اور جس پیالہ سے پانی پینا چاہو وہی نصیب ہوگا۔)

اللہ رب العزت ہم اور تم سب کو ضیاع عمل اور اس کے خسارے اور اعتقاد کے خلل اور اس کے فساد سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

علامت عمل خالص: خالص عمل کی نشانی یہ ہے کہ تم جس عمل کو کرو اس سے تمھیں یہ خیال نہ گزرے کہ اس پر میری

تعریف ہو جس عمل میں خلوص ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے تانبے میں اکسیر ملایا جائے کہ وہ تانبا بھی سونا بن جاتا ہے۔ ایسے ہی عمل خالص جیسے جسم بے جان میں روح پھونکی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو عمل خلوص سے کیا جائے اس کا اجر دوہرا ہوتا ہے۔

حدیث شریف سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب صدقہ دینے والے کے ہاتھ سے صدقہ نکلتا ہے تو قبل اس کے کہ وہ فقیر کے ہاتھ میں پہنچے، وہ صدقہ یہ پانچ کلمات کہتا ہے:

(۱) میں تھوڑا تھا تو نے مجھے کثیر بنا دیا۔
(۲) میں چھوٹا تھا تو نے مجھے بڑا بنا دیا۔
(۳) میں تیرا دشمن تھا تو نے مجھے اپنا محبوب بنا لیا۔
(۴) میں فانی تھا تو نے مجھے بقا کی دولت بخشی۔
(۵) پہلے تو میری نگرانی کرتا تھا اب میں تیری نگرانی کروں گا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ حضرت مکحول شامی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ جب مومن بندہ صدقہ و خیرات دیتا ہے (اور اللہ تعالےٰ اس کے اس صدقہ و خیرات سے خوش ہوجاتا ہے) تو دوزخ پکار کر کہتی ہے کہ اے مولیٰ کریم! مجھے سجدۂ شکرانہ کی اجازت دے کہ میں نے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی کو اپنے عذاب سے آزاد کیا، اس لیے کہ مجھے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے حیا آتی ہے کہ میں ان کے کسی امتی کو عذاب دوں اور تیرا حکم بھی ماننا پڑتا ہے۔

ف: لفظ صدقہ کے چار حروف ہیں۔ جس کا ہر حرف کسی معنے پر دلالت کرتا ہے مثلاً:

(۱) صاد - صد پر دلالت کرتی ہے (بمعنے روکنا)۔ اس لیے صدقہ دینے والے کو صدقہ دنیوی و اخروی تکالیف سے بچاتا ہے۔

(۲) دال - دلیل پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ صدقہ صدقہ دینے والے کو بہشت کی طرف دلالت کرتا ہے۔

(۳) قاف - قرب، کی نشانی ہے کہ اس سے بندے کو اللہ تعالےٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔

(۴) ہا - ہدایت کی ہے یعنے صدقہ کی وجہ سے ہدایت حق حاصل ہوتی ہے۔

بعض شعرا نے لکھا ہے:

۱۔ زاں پیش کہ دست ساقیٔ دہر — در جام مرارت افگند زہر

۲۔ از سر بنہ ایں کلاہ و دستار — جہدے بکن و دلے بدست آر

لیکن سر ھمہ سال باکلہ نیست

ویں روی ہمیشہ ہمچو مہ نیست

ترجمہ: (۱) قبل اس کے کہ ساقیٔ دہر تیرے پیالے میں زہر ملائے۔

(۲) اپنے سر سے کلاہ و دستار اتار کر کئی دل خوش کرنے کی کوشش کر۔ نہ ہمیشہ کلاہ و پگڑی سر پر رہے گی نہ ہی یہ حسن و جمال دائمی ہے۔

پس جسے مال حاصل ہو اسے چاہیئے کہ اللہ تعالٰے کی راہ میں خرچ کرے اور اپنی اس دولت مندی اور اس کی مدد پر شکر کرے اور کسی حاجتمند کو رد نہ کرے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جو شخص کسی حاجت مند کی حاجت پوری نہیں کرتا اللہ تعالٰے اس کی حاجت پوری نہیں کرے گا"

حکایت ایک عالم دین کا واقعہ ہے کہ جب اس نے یہی حدیث پڑھی تو خوب رویا اور اس حدیث کے سمجھنے کے لیے متحیر ہوا اور ارادہ کیا کہ فلاں بزرگ کے پاس جاؤں اور ان سے اس کا حل پوچھوں۔ جب ان کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا کہ وہ روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کتے کو کھلا رہے تھے۔ ان کے قریب جا کر "السلام علیکم" عرض کی، انھوں نے سلام کا جواب دیا لیکن پہلے کی طرح اعزاز و اکرام سے پیش نہ آئے۔ جب کتے کی خدمت سے فارغ ہوئے تو اٹھ کر معذرت کی اور فرمایا کہ آپ ناراض نہ ہوں میں آپ کے اعزاز میں اٹھ کر سلام کا جواب نہیں دیا اور نہ ہی پہلے کی طرح اعزاز و تکریم سے پیش آیا۔ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی " من قطع رجا ... الخ کہ جو کسی کی حاجت پوری نہیں کرتا اللہ تعالٰے اس کی حاجت پوری نہیں کرتا" پر عمل کرتے ہوئے (چونکہ یہ کتا مجھ سے روٹی کی طلب میں تھا)۔ اگر میں تمھارے اعزاز میں کھڑا ہوتا تو یہ ناامید ہو جاتا۔ جب اس عالم دین نے اس مردِ صالح کی بات سنی تو اس کی حیرانی دفع ہو گئی اور حدیث شریف کا مطلب حل ہو گیا۔ اس لیے سوال کیے بغیر واپس لوٹے اور اس مردِ صالح کی کرامت اس کے دل میں گھر کر گئی۔

تفسیر صوفیانہ طلب حق اور اس کی رضا کے حصول میں اخلاص کے ثمرات دوہرے ہوتے ہیں، بہ نسبت اس کے کہ وہ جو مال بھی خرچ کرتا ہے اور خیرات و طاعات بھی کرتا ہے لیکن اخروی ثواب اور رفع الدرجات فی الجنان کی نیت پر اسے صرف جنت کی نعمتیں نصیب ہوں گی اور وہ جو مخلص فی طلب الحق ہے اسے قربت اور دولتِ وصال سے وافر حصہ نصیب ہوگا۔ اور وہ مشاہدہ نصیب ہوگا جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا اور نہ کسی کان نے سنا

ہوگا اور نہ ہی کسی قلب انسانی پر کھٹکا ہوگا اور بہ نسبت طالب جنت اسے جنت کی نعمتوں سے بھی وافر نصیب ہوگا۔ (اے اللہ! ہمیں اپنی طرف راہ دکھا)۔

تفسیر عالمانہ أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ۔ اس آیت میں أأضوب ابی کی طرح ہمزہ انکار الوقوع کے لیے ہے۔ انضوب ایاك کی طرح انکار الواقع کے لیے نہیں یعنے تمھارے کسی ایک کے لائق نہیں کہ وہ دوست رکھے۔ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ، یہ کہ ہو اس باغ میں۔ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّ أَعْنَابٍ، کھجور اور انگور۔ الجنة ان درختوں کو کہتے ہیں جو کثیر اور گھنے ہوں، یہی معنٰے زیادہ مناسب ہے۔ اس قول باری تعالٰے "تجری من تحتها الانهار" (ان کے نیچے نہریں جاری ہوں) سے اور اگر الجنة اس زمین کو کہا جائے کہ جس پر کثیر اور گھنے درخت ہوں تو وہاں تحت اشجارها ہوگا یعنے مضاف مقدر ماننا پڑتا ہے۔ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ" اس کے لیے اس باغ میں ہر قسم کے پھل ہوں۔

ترکیب: لہ خبر اور فیھا حال ہے اور من کل الثمرات آیت وما منا الا له مقام معلوم کی طرح مبتدا کی صفت کے قائم مقام ہے۔

اصل عبارت یوں تھی :

وما منا احد الا له ..... الخ

اور الثمرات میں بھی عموم نہیں بلکہ تکثیر مراد ہے جیسے اللہ تعالٰے کے اس ارشاد میں عموم نہیں بلکہ تکثیر مراد ہے ؛ واوتیت من کل شیء۔

سوال: الجنة (باغات) میں ہر قسم کے درخت ہوتے ہیں۔ یہاں پر صرف کھجور اور انگور کی تخصیص کیوں ؟

جواب: چونکہ یہ دونوں باغات کے تمام درختوں سے مکرم سمجھے جاتے ہیں اور نفع بھی انہی میں زیادہ ہوتا ہے۔ بنا بریں ان کی تخصیص فرمائی۔ اگرچہ باغ میں ہر قسم کے درخت ہوتے ہیں لیکن ان کے ذکر کے بعد من کل الثمرات فرمایا تا کہ خصوص کے بعد عموم ہو۔

وَ، یہ واؤ حالیہ ہے۔ أَصَابَهُ الْكِبَرُ، اور اس مرد کا حال یہ ہو کہ اسے بڑھاپا گھیر لے۔ بڑھاپے کی تخصیص اس لیے کہ اس زمانہ میں ضروریات کثیرہ گھیر لیتی ہیں اور ادھر وہ اسباب معاش کے حصول سے عاجز ہو جاتا ہے۔ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ اور اس کی اولاد بھی چھوٹی کہ وہ معاش اور اس کے اسباب سے بھی عاجز ہوں فَأَصَابَهَا پھر اس وقت اس کے باغ کو إِعْصَارٌ سخت آندھی اچک لے یعنے ایسی آندھی کہ زمین سے جڑیں اکھاڑ ڈالے اور اس کی مٹی کو آسمان تک اڑا لے جائے اسے محسوس ہو کہ زمین کے بڑے ستون آسمان پر لٹکا دیئے گئے ہیں۔ فِيهِ نَارٌ، اس آندھی میں سخت آگ ہو۔ فَاحْتَرَقَتْ پس وہ باغ کو جلا کر راکھ کر دے

جس سے نہ صرف باغ کے تمام میوہ جات اور درخت مٹ جائیں بلکہ وہ تمام تباہ و برباد ہو جائے جس سے وہ مرد حیران و پریشان ہو۔ اس کے پاس کوئی سبیل نہ ہو کہ اس سے باغ کو پہلی حالت میں لا سکے اور نہ ہی اس کے پاس وہ طاقت ہو کہ جس سے اس باغ کو از سرِ نو تیار کر سکے اور نہ ہی اس کے بچوں میں اہلیت ہو کہ وہ اس کی مدد کر سکیں کہ جس سے وہ باغ بوئے۔

عالمانہ تمثیل یہ تمثیل ہر اس شخص کے لیے دی گئی ہے جو کہ بہترین نیک عمل کرتا ہے لیکن اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے کہ اس کے تمام نیک عمل برباد جاتے ہیں جیسے ریا اور صدقہ دے کر ایذا پہنچانا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی اسے قیامت میں حسرت و ندامت ہو گی۔ جب کہ اسے اس وقت نیکیوں کی بہت زیادہ ضرورت ہو گی نیکیاں برباد ہو چکی ہوں گی۔

صوفیانہ تمثیل یہ کیفیت ہر اس سالک کی ہے جو اسرار و رموز کے ذریعے عالم ملکوت کی سیر کو پہنچا۔ پھر وہ فکر سے ترقی کرتا ہوا جنات الجبروت تک پہنچ گیا لیکن شومئ قسمت سے الٹے پاؤں پھرتا ہوا جھوٹے عالم میں لوٹا اور ماسوائے اللہ کی طرف ملتفت ہوا تو اس کی تمام کوششیں ہبآءً منثورًا (رائیگاں) گئیں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

زاہد ایمن از بازی غیرت زنہار
کہ رہ از صومعہ تا دیر مغاں این ہمہ نیست

ترجمہ: اے سالک! غیرت زمانہ سے غافل نہ ہو، صومعہ اور پیر مغان کا آستانہ اس کے نزدیک برابر ہے۔

كَذٰلِكَ ، اسی طرح یعنی اس بیان کی مانند جو کہ بیان کیا گیا ہے جہاد کے بارہ میں اور انفاق فی سبیل اللہ کا مسئلہ اور حضرت عزیر علیٰ نبینا و علیہ السلام کا قصہ وغیرہ وغیرہ۔ **يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ** ، اے لوگو! اللہ تعالےٰ تمہارے لیے بیان کرتا ہے آیات یعنے تحقیق التوحید و تصدیق الدین کے متعلق واضح دلائل بیان فرماتا ہے۔ **لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ** ۞ تاکہ تم ان میں فکر کرو اور ان کے اندر جو نصیحتیں ہیں ان سے عبرت کر کے ان پر عمل کرو۔

مومن و منافق کے درمیان موازنہ

حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے ان آیات کو مومن مخلص اور منافق کے درمیان فرق بتانے کے لیے تمثیلاً بیان فرمایا ہے اور اللہ تعالےٰ حق و باطل کے راستہ پر خرچ کرنے والوں کی مثال دیتا ہے۔

مؤمن	منافق
مومن کو بہتر بدل اور بزرگی نصیب ہو گی۔	منافق کو تباہی و بربادی نصیب ہو گی

مؤمن کی سعی رنگ لائے گی ۔	منافق کی کوشش رائیگاں جائے گی ۔
مومن نے اپنے اعمال کو جلا اور رونق بخشی ۔	منافق کے اعمال اکارت اور ضائع ہوتے اور اس کے اموال گھاٹے اور خسارے میں پڑے اور اس کا خاتمہ برباد ہوا اور ان پر وبال آخرت بڑھا اور سخت ہوا ۔

مؤمن کا حال : مومن کا حال ایسا ہے جیسے ایک کھیتی اُگے پھر اس کی جڑ بھی مضبوط اور پھل بھی اور شاخیں بھی خوشنما۔ اور منافع بھی بے شمار ۔

منافق کا حال : منافق کا حال ایسا ہے جیسے کسی کی تجارت گھاٹے میں اور سامان چوری ہو جائے اور بڑھاپا گھیرا کرلے۔ جس سے حال تباہ ہو پھر ہر طرف سے دکھ اور رنج کے سامان بہم پہنچیں ۔

بتائیے ! کیا یہ دونوں برابر یا کسی بات میں ایک دوسرے سے مشابہ ہو سکتے ہیں۔

سبق : سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ اعمال میں خلوص پیدا کرے اس لیے کہ ثمرات کا دارو مدار جڑ پر ہوتا ہے ۔

حدیث شریف : جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم یمن کی طرف بھیجنے لگے تو انھوں نے عرض کی : یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ! مجھے وصیت فرمائیے ۔ آپ نے فرمایا :

اخلص دینك یکفك العمل القلیل ۔	اپنے دین میں خلوص پیدا کر پھر تجھے تھوڑا عمل بھی کفایت کرے گا ۔

ریار کا علاج : ریار کا علاج دو طرح سے ہے :

(۱) ریار کو جڑوں سے اکھیڑ کر پھینکا جائے کہ اس کا نام و نشان تک نہ رہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے اسباب کو مٹا دیا جائے اور اس کی ضد یعنی خلوص پیدا کیا جائے اور ریار کا اصلی سبب حُبِ دنیا اور لذتِ عاجلہ اور دنیوی اسباب کو آخرت پر ترجیح دینا ہے ۔

(۲) جونہی دل میں ریار کھٹکے فوراً دور کرنے کی کوشش کی جائے ۔ اسی طرح جب عبادت کے درمیان میں ریا کا خیال آئے تو فوراً اس کا خیال دل سے ہٹا دیا جائے ۔

سبق اے سالک ! عبادت شروع کرنے سے پہلے اپنے قلب کی خوب تفتیش کرلے جتنا ہی دل پر ریار کے تاثرات اثر انداز ہوں، دل سے باہر نکال کر پھینکئے پھر اخلاص کا دامن مضبوط پکڑ لیجئے اور اسی پر دوام کیجئے یہاں تک کہ عبادت سے فراغت ہو جائے ۔ لیکن یاد رہے کہ شیطان تیرا پیچھا نہیں چھوڑے گا بلکہ وہ ہر قدم پر ریارکاری کا جال بچھائے گا ۔

ریار کے جال : ریار کے جال پہچاننے کے بھی تین طریقے ہیں :

(۱) عبادت کے وقت خیال ڈالے گا کہ کاش ! اس عبادت کے دوران خلق خدا مطلع ہو جائے یا کم از کم اس کا خیال دل میں رہے کہ امید ہے کہ خلق خدا کو معلوم ہو جائے گا ۔

(۲) خلق خدا عبادت پر مطلع ہو کر مدح وثنائ کرے گی۔ اس سے ان کی نگاہ میں میرا مرتبہ بڑھ جائے گا ۔

(۳) انھیں خیالات کو نفس سے منوائے گا اور کوشش کرے گا کہ کہیں تیرا دل اس طرف متوجہ ہو جائے بلکہ اس پر تیرا دل مضبوط اور پختہ ہو جائے ۔

اے سالک! تم ان ہر تینوں کے دفعیہ کے درپئے رہنا ۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱ - قیامت کسے بینی اندر بہشت
کہ معنے طلب کرد و دعوی بہشت

۲ - گنہگار اندیشناک از خدا
بسے بہتر از عابد خود نما

ترجمہ : (۱) قیامت میں اسے بہشت نصیب ہوگی جس نے بہشت کی بجائے حقیقت طلب کی ۔

(۲) گنہگار جو ہر وقت اللہ تعالٰے سے ڈرتا رہتا ہے اس عابد سے بہتر ہے جو ریار کار اور خود نما ہے ۔

مسئلہ تاتارخانیہ میں ہے کہ جو کوئی نماز خالص اللہ تعالٰے کے لیے ادا کر رہا ہے لیکن دل میں ریار گھس گیا تو اس کی عبادت رائیگاں نہیں جائے گی بلکہ جس طرح خلوص سے شروع کی تھی۔ اسے اسی افتتاح پر ثواب ملے گا ۔

مسئلہ ریار یہ ہے کہ جب لوگوں سے علیحدہ ہو تو وہ اس طرح سے عبادت نہیں کرتا۔ جس طرح لوگوں کے سامنے کرتا ہے اور اگر لوگوں کے سامنے ہو تو پھر نماز (عبادت وغیرہ) پڑھے یا ان کے ہوتے ہوئے بہتر سے بہتر نماز (عبادت وغیرہ) پڑھتا ہے تو اتنی بہتر نہیں پڑھتا ۔

مسئلہ : اسے اصل نماز کا ثواب ملے گا۔ لیکن اس پر جو مراتب مرتب ہوتے ہیں ان سے محروم رہ جائے گا ۔

مسئلہ : روزہ میں ریار کا کسی قسم کا دخل نہیں ۔

حدیث شریف حضرت ابو ذر غفاری رحمہ اللہ البادی سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اے ابو ذر ! اپنی کشتی کو خوب مضبوط اور درست کر لے۔ اس لیے کہ دریا بڑا گہرا ہے اور سامان بکثرت ساتھ کر لے اس لیے کہ سفر بڑا لمبا ہے اور اپنا بوجھ ہلکا کر لے ۔ اس لیے کہ راستہ خطرناک ہے اور عمل میں خلوص پیدا کرے اس لیے کہ

نقاد خوب جانچ پڑتال کرتا ہے۔
شرح الحدیث: کشتی کو درست اور مضبوط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایمان پختہ اور توحید مضبوط ہو اور دریا سے مُراد جہنم ہے۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا:

ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظالمین فیھا جثیا۔

اور سفر سے آخرت اور قیامت کا سفر مراد ہے اللہ تعالٰے نے فرمایا:

فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون۔

بہشت کا زادِ راہ نیکیاں ہیں اور جہنم کا زادِ راہ برائیاں اور بوجھ سے ذنوب و خطایا مراد ہیں اور بوجھ ہلکا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں کو بالکل ختم کیا جائے۔ اور آخرت کا راستہ اس لیے خطرناک ہے کہ جہنم کے سپاہی بھاری بوجھ والے کو ہی گرفتار کرکے لائیں گے۔ پھر وہاں کوئی ایسا نہیں ہوگا کہ بوجھ اٹھائے یا اس کے لیے کوئی مدد کرے۔ اگر چہ اس کے رشتہ دار بھی کیوں نہ ہوں سب چھوڑ جائیں گے۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا:

وان تدع مثقلۃ الی حملھا لا یحمل منہ شیء ولو کان ذا قربیٰ۔

ناقد سے مراد اللہ تعالٰے ہے وہ خود پاک ہے اور صرف اس عمل کو ہی قبول کرتا ہے جو شرک اور ریا سے پاک ہے۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا:

فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا (یعنے وہ عمل خالص اللہ تعالٰے کے لیے کیے جائیں)۔ ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا۔

قدسی حدیث شریف: اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ میں شریک سے بے پرواہ ہوں پس جو شخص عبادت تو میرے لیے کرے لیکن میں میرے ساتھ میرے غیر کو شریک ٹھہرائے تو میں اس سے بالکل بری ہوں۔

حکایت حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالٰے نے ابلیس (شیطان) کو حکم فرمایا کہ میرے حبیب حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہو۔ اور وہ جو سوال فرمائیں تو اس کا احسن طریق سے جواب دے۔ بحکم ایزدی شیطان حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ لیکن شکل وصورت میں بوڑھا اور ہاتھ میں عصا۔ جب حاضر ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تو کون ہے؟ عرض کی: میں ابلیس ہوں۔ آپ نے فرمایا: میرے پاس کیوں آیا ہے؟ عرض کی: مجھے رب العالمین نے بھیجا ہے تاکہ میں آپ کے پاس حاضر ہو کر آپ کے ہر سوال کا جواب عرض کروں اور جو کچھ آپ پوچھیں بتاؤں۔ آپ نے فرمایا: بتاؤ! میری امت میں تیرے کتنے دشمن ہیں؟ عرض کی: پندرہ[1]۔ آپ نے فرمایا: کون کون؟ عرض کی: وہ یہ ہیں: (۱) پہلے آپ ہیں۔ (۲) امام عادل

---

[1]: بعض روایت میں بیس آیا ہے۔ (۱۶) نماز کا حریص (۱۷) جو ہر وقت نماز کے لیے تیار رہے (۱۸) وہ نوجوان جو اللہ کی اطاعت میں جوانی بسر کرے۔ (۱۹) جو بیرگان کی بھلائی کرے۔ (۲۰) بغیر لالچ کے عوام کی بھلائی کرے۔

۳ ۔ دولت مند منکسر المزاج
۴ ۔ سچا تاجر
۵ ۔ وہ عالم دین جو خدا سے ڈرنے والا ہو
۶ ۔ وہ مومن جو مسلم بھائیوں کا خیر خواہ ہو
۷ ۔ مومن رحیم القلب
۸ ۔ توبہ کر کے اس پر مضبوط رہنے والا
۹ ۔ حرام سے بچنے والا
۱۰ ۔ ہر وقت با وضو رہنے والا مومن
۱۱ ۔ مومن کثیر الصدقہ
۱۲ ۔ وہ مومن جو لوگوں سے خلق حسن کے ساتھ پیش آئے ۔
۱۳ ۔ وہ مومن جو لوگوں کو نفع پہنچائے
۱۴ ۔ وہ قرآن کا حافظ جو اسے خوب یاد رکھے
۱۵ ۔ وہ شب خیز جب لوگ میٹھی نیند میں سوتے ہیں ۔

شیطان کے دوست : حضور علیہ السلام نے فرمایا: اے ابلیس! بتا، میری امت میں تیرے دوست کون ہیں اور کتنے؟ عرض کی: آپ کی امت میں میرے دس دوست ہیں :

۱ ۔ ظالم بادشاہ
۲ ۔ دولت مند متکبر
۳ ۔ خیانتی تاجر
۴ ۔ شرابی
۵ ۔ چغل خور
۶ ۔ ریاکار
۷ ۔ سود خوار
۸ ۔ یتیم کا حق کھانے والا
۹ ۔ مانع الزکوٰۃ
۱۰ ۔ وہ جس کی آرزو بڑھتی چلی جائے ۔

حدیث شریف (حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا) : " اللہ تعالٰے قیامت کے دن ہر ایک سے بلا حجاب کلام کرے گا۔ کسی قسم کے ترجمان کا واسطہ بھی نہیں ہوگا۔ پھر بندہ اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو اس پر اس کے اپنے عمل نظر آئیں گے۔ پھر وہ اپنی بائیں جانب دیکھے گا اس پر اسے وہ اپنے کئے ہوئے عمل نظر آئیں گے۔ پھر وہ اپنے آگے دیکھے گا تو اسے آگ ہی آگ نظر آئے گی۔ اے اللہ کے بندو! اللہ تعالٰے سے ڈرو اگرچہ کھجور کے چھلکے کے برابر صدقہ دے کر۔

صاحب روح البیان کے پیر و مرشد کی تقریر میرے شیخ علامہ (ابقاہ اللہ بالسلامہ) رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ میرے دل میں منجانب اللہ القا ہوا ہے کہ اپنے معاملات میں اللہ تعالٰے کے ساتھ احسن الاخلاق وہ بندہ ہوتا ہے جو تسلیم کی تصویر بن جائے اور احسن الاخلاق وہ شخص ہے جو عفو و سخا سے پیش آئے ۔

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ؎

۱۔ غم و شادماں نماند و لیک جزائے عمل ماند و نام نیک

۲۔ کرم پائے دارد نہ دیہیم وتخت بدہ کز تو ایں ماند اے نیکبخت

۳۔ مکن تکیہ بر ملک و جاہ وحشم
کہ پیش از تو بودست و بعد از توہم

ترجمہ : (۱) غم اور خوشی نہ رہے گی صرف عمل کی جزا اور نیک نام رہے گا ۔

(۲) سخاوت ہمیشہ رہے گی نہ کہ تاج وتخت فلہٰذا راہ خدا میں دنیا دے تاکہ تیرا فائدہ ہو ۔

(۳) جاہ وحشم اور ملک کا سہارا مت کیجئے کیونکہ تیرے سے پہلے بھی بہت سے لوگ گذر گئے اور بعد کو بھی آئیں گے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ الذی امر المومنین بالانفاق سیزکی بہ نفوسھم عن سفسات الاخلاق وھدی العارفین الی بذل المال والروح لیفتح لھم ابواب الفتوح ۔ والصلوۃ والسلام علی المتخلق باخلاق مولاہ سیدنا محمد الذی جآء بالشفاعۃ لمن یھواہ وعلی آلہٖ واصحابہ ممن آثرہ علی ما سواہ ووثق فی اجر الانفاق بربہ الذی اعطاہ ۔

اما بعد :

عبد علیل ہم نام حضرت اسماعیل الواعظ البروسی ثم الاسکوبی (اوصلہ اللہ الی غایۃ المقام الحسبی) رحمہ اللہ تعالٰی کہتا ہے (فرماتے ہیں) جب کہ میں وعظ کے منصب پر مبتلا کیا گیا تو پھر میں اپنے مواعظ میں اس بات پر التزام کیا کہ ان کے مضامین تفاسیر سے حاصل کرکے انہیں تحریر کے دھاگے میں پرو دوں کہ جس سے آیات قرآنیہ وبینات فرقانیہ کے کئی عقدے حل ہو جائیں اس کے در پئے نہ ہوا کہ آیات کے معانی کے وجوہ کیا ہیں ۔ اور پھر ان میں کون کون سے مقاصد کا احتمال ہے ۔ صرف اس نیت پر کہ لوگوں کے عقول کے مطابق کلام کرنا اچھا ہوتا ہے پھر اس میں اختصار بھی مطلوب تھا تاکہ لوگ اس سے مانوس ہوں ۔ پھر ہر آیت کے موافق میں نے ترغیب وترہیب کے مضامین کا اضافہ کیا اور کچھ تاویلیں بھی بیان کیں جیسا کہ مطالعے پر صاحب دانش سے مخفی نہیں رہے گا ۔ یہاں تک کہ میں سورہ بقرہ کی انہی آیات (جو انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق ہیں) تک اللہ تعالٰی کے فضل وکرم سے پہنچا تو اس آیت کو ہی عنوان بنایا تاکہ اس کی برکت سے میری یہ تحریر پایۂ تکمیل تک پہنچ سکے ۔ اگرچہ پچھلے مضامین اس مضمون سے علحدہ ہیں لیکن ہیں ان ہی سے منسلک جن میں بہترین مواعظ بھی ہیں ۔ اللہ تعالٰی سے امداد کی طلب ہے کہ مجھے اتنی مہلت بخشے کہ میں قرآن مجید کے اس

(بقیہ صفحہ نمبر ۹۱ پر)

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ
وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۞ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ
وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۞ يُّؤْتِى الْحِكْمَةَ
مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ
اُولُوا الْاَلْبَابِ ۞ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ
اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۞ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ
وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۞ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا
تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۞ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا
فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِى الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ
التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ
فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۞

ترجمہ : اے ایمان والو! اپنی نیک کمائیوں میں سے خرچ کرو اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا۔ اور خاص ردی چیز کا ارادہ نہ کرو کہ خرچ کرو تو اسی میں اور خود تم اسے لینے کو تیار نہیں ہاں بہ چشم پوشی کر جاؤ (تو وہ علیحدہ بات ہے) اور یقین کرو کہ اللہ تعالٰے بے نیاز اور تعریف کیا ہوا ہے۔ شیطان تمہیں تنگ دستی سے خوف دلاتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا مشورہ دیتا ہے اور اللہ تعالٰے تمہارے ساتھ اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ تعالٰے وسعت والا اور خوب جاننے والا ہے اللہ تعالٰے جسے چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جسے حکمت عطا ہوتی ہے تو سمجھو اسے بہت بڑی بھلائی عطا ہوئی اور عقل والے ہی نصیحت قبول کرتے ہیں اور تم جو خرچ کرو یا نذر مانو تو اسے اللہ تعالٰے جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں اگر تم ظاہر کر کے خیرات دو تو وہ کیا ہی اچھی بات ہے، اور وہ تم فقیروں کو چھپا کر دو تو وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور اس میں تمہارے کچھ گناہ معاف کر دیں گے اور اللہ تعالٰے تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ انھیں راہ راست پر لانا تمہارے ذمہ لازم نہیں، ہاں! اللہ تعالٰے جس کو چاہتا ہے راہِ راست پر لاتا ہے اور جو کچھ تم اچھی چیز خرچ کرو گے تو وہ تمہارا اپنا

فائدہ ہے اور تم خرچ نہیں کرتے مگر اللہ تعالٰی کی رضا جوئی کے لیے اور جو مال تم خرچ کر رہے ہو تم کو اس کا پورا اجر دیا جائے گا اور تم ذرا برابر بھی کمی نہیں کیے جاؤ گے ان فقراء کے لیے جو راہ خدا میں رُوکے گئے ہیں زمین میں نہیں چل پھر سکتے اور ناواقف لوگ انھیں ان کے بھیک نہ مانگنے کی وجہ سے دولت مند سمجھتے ہیں تو انھیں ان کی شکل سے پہچان لے گا وہ گڑگڑا کر لوگوں سے نہیں مانگتے اور جو خیرات تم کرو گے اللہ تعالٰی اسے خوب جانتا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۸۹)

طریقِ کار کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکوں اور جس بڑے کام کو ہاتھ لگایا ہے اسے پورا کر سکوں تو نہایت عجز و انکساری سے التجا کرتا ہوں کہ اللہ تعالٰی اسے نافع اور میرے لیے دنیا و آخرت کا بہترین سرمایہ بنائے۔ (آمین)

(تفسیر آیاتِ صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ، اے ایمان والو! تم اس پاکیزہ مال سے خرچ کرو جو تم نے حاصل کیا یعنی حلال اور کھرا مال۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالٰی نے دوسری جگہ فرمایا:

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔

ف: صاحب کشاف نے اس کی تفسیر میں لکھا کہ الطیبات بمعنے الجیاد یعنے کھرا مال ہے۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے کہ من طیبات ماکسبتم ای من جیاد من مکسوباتکم۔

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ طیبات کی تفسیر حلال کے بجائے جیّد اس لیے موزوں ہے کہ حلال کا حکم تو انفقوا سے ثابت ہوا، کیونکہ حرام مال خرچ کرنے کا حکم تو نہیں دیا جاتا اور پھر اس کے بعد فرمایا: ولا تیمموا الخبیث منه تنفقون۔ اور الخبیث وہ ردی مال کہ جس کا خبث واضح ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو! خرچ کرو ان پاک اموال سے جو تمھاری کمائی سے ہیں۔

وَمِمَّآ، اور ان پاکیزہ اناج سے جو کہ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ، ہم نے تمھارے لیے زمین سے نکالا اناج، پھل اور دفن شدہ خزینے وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ، اور ارادہ نہ کرو خبیث کا یعنے ردی اور خسیس کا۔ اور الخبیث، الطیب کی نقیض ہے اور ان ہر دونوں کے تین معانی ہیں:

(۱) طیب بمعنے حلال اور خبیث بمعنے حرام۔

(٢) طیّب بمعنے طاہر اور خبیث بمعنے نجس ۔

(٣) طیب ہر وہ شے کہ جس سے طبیعت خوش ہو جائے اور خبیث ہر وہ شے جس سے طبیعت کو نفرت ہو۔

مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ جس سے تم خرچ کرتے ہو۔ منہ جار مجرور تنفقون سے متعلق ہے اور ضمیر الخبیث کی طرف لوٹتی ہے اور تقدیم تخصیص کے لیے ہے اور جملہ حال ہے۔ تیمموا کے فاعل سے یعنے خبیث کا ارادہ مت کرو، درآں حالیکہ تم اس خرچ کرنے پر کوتاہی کرنے والے ہو۔ اور تخصیص صرف زجر و توبیخ کے لیے ہے تاکہ انھیں تنبیہ ہو جائے کہ جو خبیث کے خرچ کرنے میں ارادہ کرتے تھے اور خبیث کا طیب سے مقابلہ کیا۔

شانِ نزول : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اہل عرب کی عادت تھی کہ صدقہ میں خراب کھجوریں خرچ کرتے اس سے انھیں روکا گیا۔

وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اور خود تم اسے نہیں لیتے۔ یہ تنفقون کی واؤ سے حال ہے۔ اصل عبارت یوں ہے :

تنفقون و الحال انکم لا تاخذون الخبیث ۔۔۔۔ الخ

یعنے تم خرچ کرتے ہو تو تمھارا حال یہ ہوتا ہے کہ تم اپنے معاملات میں ردّی کھجوریں ہر وجہ سے اور کسی وقت بھی لینے کے لیے تیار نہیں ہو۔

اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ ہاں، اگر چشم پوشی کر جاؤ تو علحدہ بات ہے یعنے اس میں تمھاری چشم پوشی ہو یعنے اگر تمھارا کسی پر حق ہو اور وہ تمھارے پاس اچھی کھجوروں کی بجائے ردّی کھجوریں لے آئے تو تم انھیں لینے کے لیے تیار نہیں ہو مگر بوقت چشم پوشی یا تساہل کر کے صرف اس خوف سے کہ کہیں تمھارا حق مارا نہ جائے یا تمھیں اس کی محتاجی ہے۔ یہ محاورہ اُس سے ہے جو کہا جاتا ہے :

اغمض فلان عن بعض حقہ (فلاں شخص نے اپنے حقوق میں سے بعض کے متعلق چشم پوشی کی ہے :

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کوئی اپنے حقوق سے آنکھ بند کر لے۔ اور بائع کو کہا جاتا ہے : اغمض یعنے اس نے اس طرف توجہ نہ دی گویا وہ اسے دیکھ بھی نہیں رہا۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ۝ اور جان لو بے شک اللہ تعالےٰ تمھارے خرچ کرنے سے بے پرواہ ہے اور بے شک تمھیں حکم دینا کہ تمھارے نفع کے لیے اور انھیں علم کی امر کرنا باوجودیکہ وہ جانتے ہیں کہ معاملہ بڑا ہے صرف انھیں زجر و توبیخ کی بنا پر کہ تم جو کچھ کر رہے ہو کہ دوسروں کو گندا مال دیتے ہو اور خود اچھا لیتے ہو۔ اور یہ خیال رکھتے ہو کہ ہمارے رب کو ایسے مال لینے کی ضرورت ہے۔ ان کی جہالت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے حمید وہ جو حمد کا مستحق ہو کہ اس کی بڑی بڑی نعمتوں کی حمد کی جائے۔

جان لو کہ صدقہ دینے والے کی مثال اس کسان کی طرح ہے کہ جس کا اعتقاد ہو کہ مجھے میری محنت کا پھل ملے گا اسی لیے وہ اپنی محنت میں جان کی بازی لڑاتا ہے اور بیج بھی بہتر سے بہتر ڈالتا ہے جب اسے یقین ہے کہ اچھا بیج ہوگا تو اچھا پھل حاصل ہوگا کیونکہ بیج کے مطابق ہی پھل حاصل ہوتا ہے بلکہ اچھا بیج ہو تو ثمرہ میں بھی کثرت ہوتی ہے۔ اسی طرح صدقہ دینے والا کا حال ہے کہ اسے اللہ تعالٰے اور یوم آخرت اور ثواب و عتاب پورا یقین ہو تو صدقہ میں بڑھتا چلا جاتا ہے اور بہتر سے بہتر صدقہ دیتا ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ اللہ تعالٰے ذرّہ برابر بھی کمی نہیں کرتا۔ اگر نیکی ہو تو الٹا اسے دوگنا عطا فرماتا ہے اور پھر اپنی طرف سے بہت بڑا اجر عنایت فرماتا ہے۔ اور اصولی بات ہے کہ جب بندہ اپنی طرف سے سب سے زیادہ محبوب شئے دیتا ہے پھر اللہ تعالٰے جو بھی اس کے پاس زیادہ محبوب اجر ہوتا ہے اسے عطا فرماتا ہے جیساکہ اللہ تعالٰے نے فرمایا:

"ھل جزاء الاحسان الا الاحسان" (احسان کا بدلہ احسان ہے)

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ کسب حلال جائز ہے اور زندگی کا بہترین عیش و عشرت کا سامان تجارت اور کھیتی باڑی ہے۔

حدیث شریف: ہر انسان کی بہترین کھانے کی چیزیں وہ ہیں جو کسب حلال سے ہوں اور اس کی اولاد بھی کسب حلال میں داخل ہے اور اسی طرح بہترین صدقات میں سے شمار ہوتا ہے جو اپنے ہاتھ کی کمائی سے ہو۔ اس صدقہ سے افضل ہے جو زیادہ خرچ کرے لیکن اپنی کمائی سے نہ ہوے

زر بخش کردن ز گنج ٭ نباشد چو قیراط از دست رنج

ترجمہ: سارا خزانہ لٹا دینا اس کے برابر نہیں ہو سکتا جو اپنی کمائی سے ٹیڈی پیسہ خرچ کیا جائے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جو شخص حرام کا مال کما کر صدقہ دیتا ہے اور پھر امید رکھے کہ قبول ہو جائے اور سمجھے کہ اس میں برکت ہوگی اور جو کچھ اس حرام مال سے چھوڑ کر مرتا ہے توفیق کرلے کہ وہ جہنم کے عذاب میں سخت سے سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔ بے شک اللہ تعالٰے برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو نیکی سے مٹاتا ہے کیونکہ خبیث شئے خبیث سے نہیں مٹتی۔

صدقات کے طریقے خرچ اور صدقے کے کئی طریقے ہیں:

(۱) حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بھی تم میں کوئی باغ لگاتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے تو اس سے جتنا انسان یا پرندے یا جانور کھاتے ہیں۔ تو سب کا سب اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے۔

(۲) مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو صدقہ دینے کی ترغیب دلائی تو آپ کے صحابہ کرام صدقہ دینے میں بہت مصروف ہو گئے۔ ایک دن حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ ان کے ہونٹ ہل رہے تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اپنے ہونٹ کیوں ہلا رہے ہو، اور کیا پڑھ رہے ہو۔ انھوں نے عرض کی: حضور! میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ صدقات و خیرات میں مصروف ہیں اور میں غریب ہوں، میرے پاس کچھ نہیں کہ جس سے میں بھی صدقہ وخیرات کروں۔ صدقہ کے بجائے میں پڑھ رہا ہوں: سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ اللّٰہ واکبر۔

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: یہ کلمات تیرے لیے سونے کا مُد (چار سیر) سے بہتر ہیں۔ اس سے کہ تم اسے مساکین پر خرچ کرو۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ رات و دن ذکرِ الٰہی میں مصروف رہے اور فقراء و مساکین کو خلوص نیت اور یقین سے ہر وقت صدقہ وخیرات سے نوازے ؎

کرامت جواں مردی و نان دہیست
مقالات بیہودہ طبل تہیست

ترجمہ: جوانمردی اور غریبوں کو کھانا کھلانے کا نام کرامت ہے۔ خالی باتیں طبل خالی کی طرح ہے۔

حکایت ایک دن سکندر اپنے عام اجلاس میں تشریف فرما تھے لیکن اس دن ان سے کسی نے کوئی سوال نہ کیا۔ تو فرمایا: آج کا دن میری شاہی میں کسی کام کا نہیں۔ عرض کی گئی، کیوں جناب! انھوں نے فرمایا کہ مجھے شاہی کے تمام امور میں سے زیادہ دلچسپی اس میں ہے کہ میرے ہاں راغبین کا ہجوم ہو اور فریادیوں کا جمگھٹا ہو اور نیکیوں کا مجمع ہو۔ اور میں ان کی خدمات میں مصروف رہوں۔

ف: حضرت سقطی رحمہ اللہ تعالےٰ نے صوفیاء کے وصف میں فرمایا کہ ان کا کھانا صرف رضائے الٰہی کے لیے ہوتا ہے اور ان کی نیند عارضی ہوتی ہے اور وہ ملک و مال سے دور رہتے ہیں اور لوگوں سے جدا۔ اس لئے ان کا نام فقراء ہوا۔ پس صوفی جب تک کہ اپنا مال اور روح اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ نہ کرے۔ وہ دنیا دار کہلاتا ہے اور دنیا وصول الی اللہ سے مانع ہوتی ہے اے سالک! ایثار اور کمال محتاجی کی عادت بناؤ۔

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ:

حل لغات: الوعد یعنے آنے والی بات کی خبر دینا۔ وہ خبر دینے والا اپنی جانب سے خبر دے جو کسی زمانہ یا کسی شے پر مرتب ہو، یہ جیسے شر میں مستعمل ہے خیر میں بھی ویسے ہی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

النار وعدھا اللّٰہ الذین کفروا۔

اب آیت کا معنٰے یہ ہوا، بے شک تمھیں فقر سے ڈراتا ہے اور انسان کو کہتا ہے کہ اپنا مال روک لے اس لیے کہ جب تو اسے خیرات دے گا تو تو فقیر ہو جائے گا۔

وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ اور تمھیں بُری خصلت کا حکم دیتا اور بخل پر انگیختہ کرتا ہے اور صدقات سے روکتا ہے جیسے آمر مامور کو مامور بہ کے پورا کرنے پر ابھارتا ہے۔

ف : اہل عرب بخیل کو فاحش کہتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ ۔ اور اللہ تعالےٰ تمھیں خرچ کرنے پر وعدہ دیتا ہے۔ مَّغْفِرَةً ، تمھارے گناہوں کو بخش دینے کا، وہ بخشش جو ہونے والی ہو۔ مِّنْهُ اس سے یعنے اللہ عز وجل سے۔ وَفَضْلًا ۚ اور فضل کا جو ہونے والا ہے۔ اللہ تعالےٰ سے یعنے تمھیں اللہ تعالےٰ بہترین ذخیرہ عطا فرمائے گا، جو دنیوی امور سے بہتر ہوگا اور آخرت میں ثواب کے وعدہ کے علاوہ اس میں شیطان کو جھٹلانا مطلوب ہے۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ ، اور اللہ قدرت والا ہے اور وہ وعدہ پورا کر کے دکھلائے گا۔ عَلِيْمٌ ○ بہت بڑے علم والا ہے اسے خرچ کرنے کا علم ہے وہ تمھارے اجر کو ہرگز ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ ، حکمت عطا فرماتا ہے یعنے قرآن کے مواعظ۔ یہاں پر ایتاء بمعنے بیان کرنا اور مواعظ کا علم اور ان پر عمل کرنے کی توفیق مراد ہے یعنے مواعظ قرآن بیان کرتا ہے اور ان پر عمل کی توفیق بخشتا ہے۔ مَنْ يَّشَآءُ ۚ یا اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے یعنے اپنے فضل اور علم محیط کی وجہ سے اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے جیسے تمھیں توفیق عطا ہے۔ وہ آیات کہ جن میں عجیب وغریب حکمتیں ہیں کہ ان پر تمھارے منافع کا دار و مدار ہے۔ پس انھیں تم غنیمت سمجھو اور ان پر عمل کرنے میں عجلت کرو۔ اور اسم موصول یوتی کا مفعول اول ہے لیکن اس پر مفعول ثانی مقدم کیا گیا ہے صرف اس کی اہمیت کی وجہ سے۔

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ ، اور جو شخص حکمت یعنے علم و عمل کی دولت سے نوازا جاتا ہے۔ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۚ پس وہ بڑی بھلائی سے نوازا گیا۔ اس لیے کہ ایسے شخص کے لیے دارین کی بھلائی تیار کی گئی ہے۔ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ اور اس سے نصیحت صرف وہ لوگ پاتے ہیں جو عقل والے ہیں یعنے وہ لوگ کہ جن کی عقول خالص ہیں جو وہم اور خواہشات نفسانی کی طرف جھکاؤ سے محفوظ ہیں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حکماء و علماء باعمل ہیں، ہر مکلف مراد نہیں۔ اگرچہ وہ صاحب عقل ہو۔ اس لیے کہ جس کی عقل خواہشات نفسانی پر غلبہ نہ پا سکے تو وہ اس قرآن سے نفع نہیں پا سکتا بلکہ اس لیے تو یوں سمجھو کہ اسے عقل ہے ہی نہیں۔

سبق جسے قرآن پاک کا علم نصیب ہو جاتے اسے چاہیئے کہ وہ دنیا داروں کی چاپلوسیوں سے اجتناب کرے جو دنیا کی خاطر ان کی چاپلوسی کرے اس لیے جو کچھ اسے قرآن پاک کا علم نصیب ہوا وہ بہت بڑی خیر کا حامل ہوا اس لیے کہ مقابلہ میں باقی بھلائیاں ہیچ ہیں ویسے دنیا تو ایک معمولی اور قلیل متاع ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا : قرآن مجید غنی ہے اس سے بڑا اور کوئی غنی نہیں ہے ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ شیطان خود فقیر ہے اس لیے کہ وہ ظاہری فقر سے لوگوں کو ڈراتا ہے بلکہ حقیقی برائیوں کا حکم دیتا ہے ۔ اور الفحشاء ہر برائی کا جامع نام ہے اس لیے کہ شیطان کا فقر سے ڈرانا فحشاء ہے کہ جمیع معانی کو متضمن ہے اور فحشأ کے چند معانی یہ ہیں :

① بخل ② حرص

③ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامیدی ④ رزق کی جن باتوں کا اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے ان میں شک کرنا ۔

⑤ اس میں شک کرنا کہ نا معلوم کو وہ وعدہ جو اللہ تعالےٰ نے دیا ہے کہ خرچ کرنے والے کو بہتر جزا دے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس کی نیکیوں میں بھی برکت ہوگی وہ پورا ہوگا ۔

⑥ اللہ تعالےٰ سے بدگمان رہنا ۔

⑦ اللہ تعالےٰ پر سے توکل چھوڑ دینا ۔

⑧ اللہ تعالےٰ کے ارشادات کو جھٹلانا ۔

⑨ اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم کو بھول جانا ۔

⑩ اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنا ۔

⑪ حق سے منہ موڑنا ۔

⑫ مخلوق کی طرف دھیان رکھنا

⑬ اللہ تعالےٰ کی رحمت سے امید منقطع کردینا ۔

⑭ قلب کو غیر اللہ سے متعلق رکھنا ۔

⑮ شہوات کے پیچھے لگا رہنا ۔

⑯ حظِ دنیا کو پسند کرنا ۔

⑰ پاکدامنی اور قناعت کو چھوڑنا ۔

⑱ حُبِ دنیا کا دامن پکڑنا اور حبِ دنیا ہر خطیہ کا سر ہے بلکہ ہر بلا کا بیج بھی حبِّ دنیا ہے ۔

پس جو شخص شیطان کے وسوسہ کا دروازہ کھولتا ہے تو وہ ان تمام برائیوں کا شکار ہو جائے گا۔ اور جو شخص وسوسہ کا دروازہ بند کر دیتا ہے اسے اللہ تعالٰے طرح طرح کی کرامات سے نوازتا ہے۔ اور وہ اللہ واسع اور علیم ہے۔ جو شخص شیطان کے وسوسہ سے بچتا ہے اسے اللہ تعالٰے حکمت عطا فرماتا ہے اور یہ وہ عنایات ہیں جو انبیاء و اولیاء کے قلوب پر وارد ہوتی ہیں جب کہ ان پر صفات جلال و جمال متجلی ہوتے ہیں اور ان کے وہ عادات فانی ہو جاتے ہیں، جو پیدائشی طور پر انھیں حاصل ہیں لیکن ان صفات کے غلبہ سے جو ان کے خالق سے صفات کے شواہد نصیب ہوتے ہیں۔ ان سے ان حضرات کو حقائق معانی کے اسرار کا مکاشفہ ہوتا ہے وہ حقائق جو انھیں سینہ بہ سینہ راز کے طور پر عطا ہوتے ہیں یعنے انھیں پوشیدہ طور پر یہ اسرار نصیب ہوئے۔

خلاصہ یہ کہ حکمت کی حقیقت صفات حق کے انوار سے ایک نور ہے۔ اللہ تعالٰے جس بندے کو عقل کی مدد دینا چاہتا ہے اس کے ذریعے مدد کرتا ہے اور یہ وہ راز ہے جسے نہ تو عقول سے معلوم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی یہاں دلائل عقلیہ کام کر سکتے ہیں اور نہ ہی دلائل نقلیہ۔ دلائل عقلیہ تو اس لیے کہ یہ دلائل اہل ایمان و اہل کفر کے درمیان مشترک ہیں اور عقلی دلیل وہی ہوتی ہے کہ جس پر عقل حکم دے برہان عقلی سے اور یہ تو ہر عاقل کو حاصل ہے۔ خواہ وہ دانشمندی سے حاصل کرے یا قرآن کے علم سے۔ جو اپنے عقل کو وہم و خیال کی میل و کچیل سے صاف کرتا ہے تو وہ اپنے عقل سے برہان عقلی کو پا لیتا ہے۔ عقل طاقتوں کی امداد سے اور جو اپنی عقل کو ان آفات سے پاک و صاف نہ کر سکا تو وہ بھی عقلی دلائل اس ظاہری قرأت سے لیکن استاد اور مرشد کامل کی رہبری سے لیکن حکمت کے اسرار ان ہر دونوں باتوں سے علیٰحدہ ہیں اور انھیں صرف عقل والے ہی پا سکتے ہیں، اور عقل والے وہ لوگ ہیں جو اپنی عقل کی ظاہری نمائشی باتوں کے پابند نہ ہوں بلکہ وہ اس کے باطنی حقائق کے حصول کے درپے رہتے ہوں۔ لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کی متابعت میں وہ انبیاء علیہم السلام انھیں عقول انسانیہ کے پردوں کے ظلمات سے نکال کر مواہب ربانیہ کے انوار تک پہنچاتے ہیں۔ پھر انھیں معلوم ہوتا ہے کہ جس کے لیے اللہ تعالٰے نے نور نہیں بنایا اسے کسی قسم کا نور نصیب نہیں ہوگا۔

سبق: اے دار غرور سے دھوکا کھانے والے، اور اس پر عاشق ہونے والے! ذرا ہوش کر اور خیال رکھ کہ کہیں تجھے یہ دار غرور اللہ تعالٰے سے دور نہ کر دے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے

۱۔ نگر تا قضا از کجا سیر کرد
که کوری بود تکیه بر غیر کرد

۲۔ فغاں از بدیہا که در نفس ماست
که ترسم شود ظن ابلیس راست

ترجمہ: ۱ دیکھئے کہ قضا کہاں سے تشریف لاتی ہے کہ اندھا پن ہے غیر پر سہارا کرنا۔
۲ نفس کی برائیوں سے فریاد ہے کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں ابلیس کا گمان صحیح اور درست نہ ہو جائے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"اللہ تعالےٰ کا ہر ہاتھ دایاں اوپر ہے۔ نہ تو اسے دن کے خرچ کم کر سکتے ہیں اور نہ ہی رات کے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب سے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور خرچ کرنے لگا ہے کیا اس کے دائیں ہاتھ میں کسی قسم کی کمی ہوئی ہے اور اس کا تخت پانی پر ہے اور تمام کائنات اس کے دوسرے ہاتھ کے قبضہ میں ہے اونچا نیچا وہی کرتا ہے۔"

مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے اخلاق کے مطابق عادت بناتے اور فقراء پر خرچ کرے تو اسی قادر کے حال کے مطابق اور وہ وسوسہ جو شیطان اس کے دل میں ڈالے کہ اس خرچ سے تجھے فقر و فاقہ ہوگا، ایسے وسوسہ کو دور کرے اس لیے کہ رزق کی تمام کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں وہی مطلق رزاق اور ہر ایک کو دینے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ۔ یہ کلمہ شرط کا ہے اور عموم کے لیے ہے۔ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ، اور جو کچھ جس طرح کا بھی خرچ کرتے ہو حق کا یا باطل ظاہراً چھپ کر قلیل ہو کثیر۔ اَوْ نَذَرْتُمْ، یا جو تم منّت مانتے ہو۔ النذر دل کا کسی امر پر مضبوط ہو جانا اور اس پر التزام کرنا اور شریعت میں ہر اس نیک کام پر التزام کرنا کہ جس کی شریعت میں نظیر موجود ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص منت مانتا ہے کہ میری منت ہے کہ ایک سجدہ کروں گا تو اس سے سجدۂ تلاوت مراد ہے۔

ف: امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ تعالےٰ کا یہی مذہب ہے۔

مِّنْ نَّذْرٍ، منت سے۔

ف: منت جس قسم کی ہو طاعت ہو یا معصیت، بالشرط ہو یا بلا شرط، مال سے متعلق ہو یا افعال سے جیسے کہ نماز روزہ وغیرہ وغیرہ۔

فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ط بے شک اللہ تعالےٰ اسے جانتا ہے۔ یہ ضمیر ما کی طرف لوٹتی ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ تمہیں خرچ اور نذر پر ضرور جزا دے گا اگر خیر ہے تو اچھی جزا ہوگی اور اگر شر ہے تو اس کی بُری سزا۔ اس آیت میں ترغیب بھی ہے اور ترہیب بھی، اس میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی۔ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ، اور نہیں ظالمین کے لیے ظالمین سے مراد معصیت میں خرچ کرنے اور معصیت کی منت ماننے والے لوگ مراد ہیں یا وہ لوگ مراد ہیں جو صدقہ کو روکنے والے ہیں یا وہ لوگ جو منت مان کر پھر ادا نہیں کرتے یا وہ لوگ جو اللہ تعالےٰ کے راستہ میں خبیث مال خرچ کرتے ہیں یا وہ لوگ جو ریا کے طور پر خرچ کر کے من و اذیٰ کا ارتکاب کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح جو بھی ظلم کے معنے کو مشتمل ہو۔ دراصل ظلم کا معنے ہے شئے کو اپنے موقع محل کے غیر میں رکھنا جس کا حق تھا کہ وہ وہاں نہ رکھی جاتے۔

مِنْ اَنْصَارٍ ○ مددگاروں میں سے یعنی وہ مددگار جو اللہ تعالٰے کے عذاب وعقاب سے مدد کرکے بچا سکیں نہ ان کے لیے شفاعت ہوگی اور نہ ہی کوئی انھیں عذاب سے بچا سکے گا۔ انصار کو جمع کا صیغہ لانا ظالمین کی جمع کی وجہ سے مقابلۃً لایا گیا ہے۔ اصل عبارت یوں تھی :

مالظالم من الظلمین نصیر من الانصار۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو ان کا ظاہر کرکے خرچ کرنا اچھی شے ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں ریاء اور شہرت کو دخل نہ ہو لیکن یہ بھی فرضی صدقات کے بارہ میں ہے اور جو نفلی صدقات ہیں تو انھیں چھپا کر خرچ کرنا افضل ہے اور انہی سے آیت میں ارادہ کیا گیا اور وہ آیت یہ ہے : وَاِنْ تُخْفُوْهَا۔ اور اگر انھیں صدقات کو چھپا کر دو گے۔ وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ ، اور وہ صدقات دو فقراء کو۔

سوال : اس میں فقراء کی تصریح کیوں ہے حالانکہ صدقات تو فقراء کو ہی دیئے جاتے ہیں ؟

جواب : اس لیے کہ چھپاتے وقت اشتباہ والتباس کا خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں غیر فقراء کو صدقات نہ دیئے جائیں۔

نکتہ : اس میں ایک اور راز بھی ہے کہ بہت سے دولت مند اپنے آپ کو فقیر بتلاتے ہیں لیکن وہ لوگوں کے سامنے صدقہ وخیرات لینے سے جھجکتے ہیں۔ لیکن اگر انھیں پوشیدہ طور پر دیا جائے تو وہ بڑے شوق سے بلکہ بڑی کوشش کرکے حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ پوشیدہ دینے میں خوب جانچ پڑتال کرکے حقیقی فقیر کو دیا جاتے تاکہ ایسے غنی فقر کے مدعی کو نہ دیا جا سکے۔

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وہ تمھارے لیے اچھا ہے یعنے چھپا کے دینا ظاہر کرکے دینے سے بہتر اور افضل ہے اور ایسا صدقہ کل کا کل قبول ہے لیکن یہ بھی نفلی صدقہ ہو۔ اور یہ بھی اس کے لیے ہے جو لیتے وقت مال کی محبت میں مبتلا نہیں۔

مسئلہ : فرضی صدقات اس کے برعکس ہیں۔ ان کے لیے یہ ہے کہ انھیں ظاہر کرکے دے تاکہ دوسرے لوگ اس کی اقتداء کریں جیسے فرضی نماز باجماعت ظاہر کرکے پڑھنے کی فضیلت ہے۔

مسئلہ : نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہیں۔

مسئلہ : جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا گھر میں پڑھنے سے افضل ہے۔ اس لیے کہ لوگوں کو بری تہمت لگانا اور انھیں بدظنی سے بچانا بھی ضروری ہے۔

مسئلہ : نفلی صدقات اتنے پوشیدہ کرکے دے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی محسوس نہ ہو۔

مسئلہ : حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا کہ پوشیدہ نوافل کی ادائیگی ظاہر کرکے ادا کرنے سے

ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

مسئلہ: فرضی صدقات ظاہر کر کے دینا پوشیدہ خرچ کرنے سے پچیس درجہ زائد فضیلت رکھتا ہے۔

وَ ، اور اللہ تعالیٰ۔ يُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ معاف کرتا ہے تم میں سے تمہارے گناہ۔ یہ من تبعیضیہ ہے یعنے تمہارے گناہوں میں سے کوئی گناہ۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ صدقہ ظاہر کر کے یا پوشیدہ کر کے دینے سے بعض گناہ مٹا دیتا ہے۔ یا یہ من زائدہ ہے۔ اخفش کی رائے یہی ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہ مٹاتا ہے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ اس عمل کو جو پوشیدہ یا ظاہر کر کے کیا جائے خوب جانتا ہے۔

مسئلہ: اس آیت میں پوشیدہ عمل کرنے کی ترغیب ہے۔

پوشیدہ کر کے صدقہ دینا ظاہر کرنے سے افضل ہونے کے چند وجوہ

ف: حضرت امام نے فرمایا کہ نفلی صدقہ پوشیدہ طور پر دینا ظاہر کر کے دینے سے افضل ہے۔ جس کے چند وجوہ ہیں:

(۱) پوشیدہ کر کے خیرات کرنا ریا و شہرت سے زیادہ دور ہے۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شہرت والے اور ریا کار اور منت لگانے والے اور ایذاء دینے والے کی خیرات قبول نہیں کرتا۔ اور اس میں شک نہیں کہ شہرت کی غرض پر خرچ کرنے والا صرف شہرت کو مد نظر رکھ کر خیرات کرتا ہے اور لوگوں کے مجمع میں صدقہ کرنے والے کا خیال بھی ریا کاری کا ہوتا ہے اور چھپا کے خیرات دینا شہرت و ریا سے محفوظ ہے۔ اور اللہ والوں نے چھپا کے خیرات دینے میں بہت بڑی کوشش فرمائی ہے اور ان کی یہ سعی ہوتی تھی کہ ان کے صدقہ دینے کو کوئی نہ دیکھے۔ یہاں تک کہ بعض کی تو یہ عادت تھی کہ وہ نابینا کے ہاتھ میں جا کر دے دیتے۔ اور ان میں بعض ایسے تھے کہ اپنا صدقہ فقیر کے راستہ پر ڈال دیتے تھے یا اس کی جگہ پر رکھ دیتے تاکہ وہ آکر اٹھالے اور ان میں بعض ایسے بھی تھے جو فقیر کے کپڑے میں صدقہ و خیرات باندھ دیتے اور وہ نیند میں ہوتا تھا اور بعض یوں بھی کرتے کہ فقیر تک کسی دوسرے کے ذریعے اپنا صدقہ و خیرات بھجوا دیتے تاکہ ریاء و سمعت کو دخل نہ ہو۔

(۲) جب خیرات و صدقہ پوشیدہ طور پر دیئے جائیں گے تو اس سے نہ تو شہرت ہوگی اور نہ ہی مدح و ثنا بلکہ اس کی تعظیم و تکریم کا معاملہ بھی ہوگا۔ اور یہ بات نفس پر نہایت ہی شاق ہے کہ صدقہ و خیرات بھی ہو لیکن شہرت وغیرہ بھی نہ ہوئی۔ اور جو عمل نفس پر شاق گزرے اس کا بھی بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے۔

(۳) حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ صدقہ جو تکلیف اٹھا کر یعنے افلاس کی وجہ سے دیا جائے یا پوشیدہ طور پر دیا جائے وہ افضل ترین صدقات میں سے ہے۔ اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو عمل بندہ پوشیدہ طور پر کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ بھی پوشیدہ کر کے لکھتا ہے پھر اگر

وہ اسے ظاہر کرتا ہے تو اسے پوشیدگی سے نکال کر ظاہر کر کے لکھا جاتا ہے۔ پس اگر اس کی شہرت کرتا ہے تو اسے اخفاء وعلانیہ سے نکال کر ریا میں لکھ دیا جاتا ہے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : سات ایسے بندے ہیں جنھیں اللہ تعالےٰ اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا :

(۱) امام عادل۔
(۲) وہ جوانوں جو عبادتِ الٰہی میں نوجوان ہوا۔
(۳) وہ مرد کہ جس کا دل ہر وقت مسجد کی طرف لٹکا رہتا ہے کہ جب نماز سے فراغت پا کر نکلتا ہے تو اس کا جی چاہتا ہے کہ واپس جاؤں۔
(۴) ایسے دو مرد جو آپس میں صرف اللہ تعالےٰ کے لیے محبت رکھتے ہیں جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو اللہ تعالےٰ کی محبت میں سرشار ہو کر اور جب ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو اللہ تعالےٰ کی محبت میں۔
(۵) وہ بندہ جو تنہائی میں اللہ تعالےٰ کے ذکر میں مصروف ہوتا ہے اور اللہ تعالےٰ کے خوف سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلتے ہیں۔
(۶) وہ مرد جسے حسین وجمیل عورت برائی کے لیے بلائے لیکن وہ کہے مجھے خوفِ خدا اس برائی سے روکتا ہے فلہٰذا مجھے معذور رکھئے۔
(۷) وہ مرد جو اللہ تعالےٰ کے لیے صدقہ وخیرات دیتا ہے لیکن چھپا چھپا کے۔ یہاں تک کہ بائیں ہاتھ کو بھی محسوس نہ ہو۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا : پوشیدہ صدقہ اللہ تعالےٰ کے غضب کو ختم کرتا ہے۔

مسئلہ : ظاہر کر کے صدقہ دینا بھی افضل ہے جب کہ بندے کا خیال یہ ہو کہ میرے صدقہ دینے سے دوسروں کو رغبت ہوگی اور میری اقتدا میں صدقہ وخیرات کریں گے اس ارادہ پر صدقہ افضل ہوگا۔

شیطان سے جہاد کا نمونہ حضرت امام محمد بن علی الحکیم ترمذی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ کوئی شخص پوشیدہ طور پر تو صدقہ وخیرات کرتا ہے لیکن دل میں خیال آتا ہے کہ کاش! خلقِ خدا میری خیرات کو دیکھ پاتی تو کیا اچھا ہوتا لیکن اس وسوسہ شیطانی کو دفع کرنے کی کوشش کرتا ہے ادھر شیطان بھی اس کے اس ارادہ کو پختہ کرنا چاہتا ہے اور بندہ اسے دُور کرتا رہتا ہے اور قلب میں بھی اسے بُرا مانتا ہے تو شیطان سے جہاد ایک یہ بھی ہے کہ ایسے بندے کی ایک نیکی (صدقہ) کا ستر گنا زائد ثواب لکھا جائے گا اس ثواب کی نسبت جو علانیہ طور پر کیا جائے۔

ف : ہر وہ عمل جو فرضی ہو یا واجب یا نفلی لیکن قرب الٰہی کی نیت پر عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالے اس کے عمل کو جانتا ہے خواہ وہ پوشیدہ کرے یا ظاہر کر کے وہ عمل اللہ تعالے کی طرف سے واجب ہوئے ہیں یا اس نے اپنے اوپر خود واجب کئے ہیں بہرحال اللہ اسے ان اعمال کی جزائے خیر عطا فرمائے گا۔

حدیث قدسی شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالے کا ارشاد ہے کہ بندہ کو اس سے بڑھکر زیادہ اور کوئی قرب نصیب نہیں ہوتا جو اسے فرضی عبادت کے ادا کرنے سے نصیب ہوتا ہے اور بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان اور آنکھ اور زبان اور ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا اور دیکھتا اور بولتا اور پکڑتا ہے۔

ف : بہرحال ہر عمل میں خلوص ضروری ہے کہ جو عمل بھی کرے اس میں صرف اور صرف رضائے الٰہی مطلوب ہو اس میں نہ دنیوی غرض متعلق ہو اور نہ اخروی طمع اس لیے کہ اہل صفا کے نزدیک یہ بھی شرک ہے اور شرک تو بہت بڑا ظلم ہے اس لیے اس سے اجتناب ضروری ہے ؎

چو روئے بخدمت نہی بر زمیں
خدا را ثنا گوئی و خود را مبیں

ترجمہ : جب اللہ تعالے کی عبادت کرتا ہے تو چاہیئے کہ صرف اللہ تعالے کا تصور ہی ہو، اس کی ثنا گوئی میں اپنا تصور

تفسیر صوفیانہ انما الصدقٰت میں درحقیقت اس طرف اشارہ ہے کہ انسان حظوظ نفسانیہ سے بالکل صاف ہو جائے تاکہ وہ خالص اللہ تعالے کا ہو۔ اس اعتبار سے ہی وہ قیامت میں اللہ تعالے کے زیر سایہ ہوگا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : قیامت میں ہر بندہ اپنے صدقہ کے زیر سایہ ہوگا۔ صدقہ صرف اللہ تعالے کے لیے ہوگا تو اسے اللہ تعالے کے زیر سایہ جگہ ملے گی اور اگر اس کا صدقہ بہشت کے طمع سے ہوگا تو اسے جنت کا سایہ نصیب ہوگا۔ اور اگر اس کا صدقہ نفسانی خواہش کے لیے ہے تو اسے جہنم کا سایہ ملے گا۔ اسے پوری طرح سمجھ لو۔ ؎

رطب نادر د چوب خر مہرہ بار
چہ تخم افگنی بر ہماں چشم دار

ترجمہ : تر کھجور سوکھی لکڑی سے حاصل نہیں ہوگی جیسا بیج ڈالو گے وہی پھل پاؤ گے۔

تفسیر عالمانہ لَیْسَ عَلَیْکَ ھُدٰىھُمْ ۔ آپ پر ہدایت ضروری نہیں یعنے اے میرے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ پر یہ واجب نہیں کہ انھیں آپ ہدایت یافتہ بنا دیں کہ ہر وہ تمام نیکیاں کہ جن کا انھیں حکم ہے وہ سب کی سب بجا لائیں اور وہ تمام برائیاں کہ جن سے انھیں روکا گیا ہے ان سب سے رک جائیں ۔ بس آپ کے ذمہ یہ ہے کہ آپ انھیں نیکی کا راہ بتا دیں اور اس پر ترغیب دلائیں ۔ اور برائی سے روکنا اور ان آیات کے ذریعہ جو آپ کی طرف نازل ہوئی ہیں ، انھیں برائی سے دور رکھنا ۔ اس لحاظ سے یہ خطاب خاص ہے اور خطاب عام بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے تمام اہلِ اسلام (مبلغین واعظین) مراد ہیں ۔ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ ۔ اور لیکن اللہ تعالیٰ خاص (جو کہ یقینی طور پر مطلوب تک پہنچا دے) عنایت فرماتا ہے ۔ مَنْ یَّشَآءُ جسے چاہتا ہے اپنی ہدایت اس کی طرف اس کے لیے جو احکام مذکور ہوتے ہیں ، ان سے نصیحت اور اس کی تابعداری اور بہتری کو پسند کرتا ہے ۔ (توفیق کی ہدایت اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے اور ہدایت کا بیان کرنا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ہے ۔

شانِ نزول جب فقرا مسلمین کی کثرت ہوگئی تو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسلمانوں کو کفار ومشرکین کو صدقہ دینے سے روک دیا تاکہ ایک اور وجہ یہ بھی بن جائے کہ فقرا مشرکین مجبور ہوکر اسلام قبول کرلیں ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ؛ ولیس علیک ھدٰھم ... الخ یعنے آپ پر ان کی ہدایت ضروری نہیں جو آپ کی مخالفت کرتے ہے یہاں تک کہ آپ نے مسلمانوں کو مشرکین پر صدقہ دینے سے روک دیا تاکہ وہ مشرکین مجبور ہوکر اسلام قبول کریں ۔

مسئلہ : اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نفلی صدقہ کفار ومشرکین کو دینا جائز ہے ۔

مسئلہ : واجب صدقہ کے لیے اختلاف ہے کہ واجب صدقہ کفار ومشرکین کو دینا جائز ہے یا نہ ۔ سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور دوسروں نے عدمِ جواز کا ۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ ، اور جو کچھ تم بھلائی سے خرچ کرتے ہو یعنے جو شے صدقہ دو اپنے مال میں سے ۔ فَلِاَنْفُسِکُمْ ط تو وہ تمھارے اپنے لیے ہے یعنے وہ تمھارے اپنے نفسوں کو فائدہ ہوگا ۔ اس سے دوسروں کو کوئی نفع نہیں ہوگا ۔ فلہٰذا جسے کچھ دیتے ہو نہ اس پر احسان جتلاؤ اور نہ اسے ایذا دو اور نہ ہی اللہ تعالےٰ کی راہ پر ردی مال خرچ کرو ۔ یا یہ کہ اس کا دینی فائدہ صرف تمھیں نصیب ہوگا نہ کہ تمھارے غیر کو فقرا میں سے یہاں تک کہ تم اسے اس سے روک دیتے ہو جو کہ تمھارے دین کے موافق نہیں تاکہ وہ فائدہ نہ اٹھائیں ۔ دین کے لحاظ سے جیسے کفار ومشرکین کے فقرا میں سے ۔

مسئلہ : بعض علمائے فرمایا کہ وہ خرچ فی سبیل اللہ جس سے شر بھی پیدا ہو تب بھی اس خرچ کا ثواب نصیب ہوگا جبکہ اس کی نیت شر انگیزی کی نہ ہو ۔

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ اللّٰہِ ط اور تم نہیں خرچ کرتے مگر صرف اس لیے کہ اللہ تعالےٰ کی رضا نصیب ہو ۔ یہ استثناء اعم العلل یا اعم الاحوال ہے یعنے تمھارا ہر خرچ رضائے الٰہی کے لیے ہو اور بس ۔ یا کسی حال میں بھی

کوئی خرچ کرو تو محض اللہ تعالٰے کی خوشنودی مطلوب ہو۔ پھر تم خرچ کرکے فقراء پر کیوں احسان جتلاتے ہو، یا انھیں کیوں ایذاء دیتے ہو اور اللہ تعالٰے کے راستہ میں کیوں ردّی مال خرچ کرتے ہو۔ بس یہی دستور بنا لو کہ خرچ کرنا ہے تو صرف اللہ تعالٰے کے راضی کرنے کے لیے۔ وَمَا تُنْفِقُوْا، اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو۔ مِنْ خَيْرٍ، نیکی میں سے ذمّی کافر پر یا ان کے غیروں پر۔ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ، تمھیں اس کا پورا اجر دیا جائے گا بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ ثواب ملے گا۔ پھر تمھیں اس میں سے کونسا عذر ہے کہ تم خیرات وصدقات میں مکمل طور پر رغبت کرو۔ بلکہ اسے بہتر اور احسن طریق سے خرچ کرو۔ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ○ اور تمھارے اوپر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ یعنے جیسے بہت بڑے ثواب کا وعدہ دیا گیا ہے اس میں تمھارے لیے کسی قسم کی کمی نہیں کی جائیں گی۔

لِلْفُقَرَآءِ یعنے وہ جو تم خرچ کرتے ہو وہ فقراء پر کرو۔ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وہ فقراء جو اللہ تعالٰے کے راستہ میں روکے گئے ہیں۔ یعنے انھوں نے اپنے نفوس اللہ تعالٰی کی اطاعت میں بند رکھے ہیں اور جنگ اور جہاد میں مصروف رہتے ہیں۔ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ، وہ اپنے جہاد وغیرہ کے مشغلہ سے فرصت نہیں رکھتے۔ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ، زمین پر کاروبار کے لیے جانے کی تاکہ وہ شہروں میں چل پھر کر کاروبار چلائیں اور تجارت کریں۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان سے وہ حضرات اصحاب صفہ (رضی اللہ تعالٰے عنہم) مراد ہیں۔ ان کی تعداد تقریباً چار سو تھی ان میں زیادہ قریش کے مہاجرین تھے۔ جن کا مدینہ طیبہ میں کوئی رہائشی مکان نہیں تھا اور نہ ہی مدینہ طیبہ میں کوئی رشتہ داری تھی، یہ مسجد کے صفہ میں رہتے تھے۔ یہ چھت والا ایک چھوٹا سا کمرہ تھا، وہ لوگ رات کو قرآنی تعلیم میں بسر کرتے اور دن کو کھجوروں کی گٹھلیاں چن کر بسر اوقات کرتے اور یہ حضرات بعض جنگی ضروریات کے لیے چھوٹے چھوٹے لشکروں کے ساتھ بھی بھیجے جاتے تھے اور حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شام کے وقت گاہے گاہے اپنی طرف سے انھیں کچھ کھانے پینے کی اشیاء عطا فرما دیتے تھے۔

حکایت وحدیث شریف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک دن صحابہ صفہ کے ہاں تشریف لے گئے تو ان کے فقر وفاقہ اور ان کی حالت زار کو ملاحظہ فرمایا لیکن دیکھا کہ وہ بہت ہشاش بشاش تھے آپ نے انھیں فرمایا: اے صفہ والو! انھیں مبارک ہو، سن لو جو شخص بھی تمھاری اس حالت پر بھی خوش ہے وہ میرے رفیقوں میں سے شمار ہوگا۔

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ، انھیں جاہل گمان کرتے ہیں۔ ان کے حال اور ان کی اچھی نشان دیکھ کر۔ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ، دولت مند اس لیے کہ وہ اپنی پاکدامنی کی وجہ سے کسی سے سوال نہیں کرتے۔ التعفف بمعنے مطالبہ نہ کرنا اور نفس کو اپنی مراد تک نہ پہنچانا تکلف کرکے حیاء کی وجہ سے۔ تَعْرِفُهُمْ، آپ انھیں ان کے فقر واضطرار کی وجہ سے پہچانتے ہیں۔ بِسِيْمٰهُمْ، ان کی پیشانیوں کو دیکھ کر یعنے ان کے ضعف حال اور کمزوری کو دیکھ کر۔ سیما

(بقیہ صفحہ ۱۰۶ پر)

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا
يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا
اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ
مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ
اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى
مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ
فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا
يُظْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: جو لوگ اپنے مال رات میں اور دن میں چھپ کر اور ظاہر کر کے (اللہ کے لیے) خرچ
کرتے ہیں ان کا ان کے رب کے ہاں نیک اجر ہے اور نہ ان کو کوئی خوف ہوگا اور نہ کچھ غم۔ اور
جو لوگ سود کھاتے ہیں (قیامت میں) نہیں کھڑے ہوں گے مگر اس کی طرح جسے شیطان نے چھو کر خبطی
بنا دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا کہ بیع تو سود کی طرح ہی ہے اور اللہ تعالٰے نے بیع کو حلال کیا اور
سود کو حرام۔ پھر جس کے ہاں اس کے رب کی جانب سے نصیحت آئی اور وہ باز آ گیا تو وہ جو پہلے لے چکا،
وہ اس کے لیے حلال ہے اور اس کا معاملہ اللہ تعالٰے کے سپرد ہے اور جو یہ عمل پھر کرے گا تو وہ دوزخی
ہے اور اس میں کئی عرصے رہیں گے۔ اللہ تعالٰے سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالٰے
ناشکرے اور بڑے گنہگار کو پسند نہیں فرماتا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور
نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی ان کے لیے ان کے رب کے ہاں اجر ہے۔ اور نہ انھیں کوئی خوف ہوگا اور نہ
کوئی غم۔ اے ایمان والو! اللہ تعالٰے سے ڈرو اور سود کا جو کچھ بقایا کسی کے ہاں رہ گیا ہے اسے چھوڑ
دو اگر تم ایماندار ہو۔ پھر اگر ایسا نہ کرو گے تو اللہ و رسول (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی جنگ کے اعلان

کا یقین کرو اور تم توبہ کرو تو اپنا اصل مال لے لو نہ تم نقصان پہنچاؤ اور نہ تمھیں کوئی نقصان پہنچاؤ گے اور اگر قرضدار تنگدست ہو تو اسے آسانی تک مہلت دو اور معاف کر دو تو تمھارے لیے اور بہتر ہے اگر تمھیں علم ہو۔ اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹو گے پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۰۴)

اور سیمیا بمعنے وہ علامت کہ جس سے کوئی شے پہچانی جائے۔

لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط وہ لوگوں سے عاجزی دکھا کر سوال نہیں کرتے۔ الحافا مفعول لہ ہے۔
اس میں سوال اور عاجزی کے اظہار ہر دونوں کی نفی کی گئی ہے۔ الحاف بمعنے الزام والحاح۔ وہ یہ سائل جو مسئول کا پیچھا نہ چھوڑے جب تک کہ اس سے سوال پورا نہ کرالے۔

مسئلہ: بوقت ضرورت سوال کرنا جائز ہے اور اس کا کوئی گناہ بھی نہیں۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"بے شک اللہ تعالےٰ زندہ حوصلہ والے اور پاکدامن کو محبوب رکھتا ہے اور پریشان حال سائل اور حد سے زائد گڑگڑانے والے سے بغض رکھتا ہے۔"

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ اور وہ جو تم بھلائی سے خرچ کرتے ہو اسے اللہ تعالےٰ بہت خوب جانتا ہے۔ پس تمھیں اس کی احسن جزا عطا فرمائے گا۔ اس میں صدقہ دینے کی ترغیب ہے خصوصًا ان فقرا پر۔ اس کے بعد مزید ترغیب و تحریص آیت ذیل میں فرمائی۔ (چنانچہ اگلے رکوع میں فرمایا):

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً، وہ لوگ اپنے مال رات دن اور پوشیدہ اور ظاہر کر کے خرچ کرتے ہیں یعنی ہر وقت اور ہر حال میں صدقہ و خیرات میں گزارتے ہیں جب بھی انھیں کسی محتاج کی ضرورت درپیش ہوتی ہے اسے پورا کرنے میں عجلت کرتے ہیں ادھار نہیں رکھتے اور نہ ہی کسی وقت اور حال تک اس سے مہلت مانگتے ہیں۔

شان نزول: مروی ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب کہ انھوں نے چالیس ہزار دینار بیک وقت خرچ کیے، دس ہزار رات کو اور دس ہزار دن کو اور دس ہزار پوشیدہ اور دس ہزار

ظاہر کر کے۔

فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ، پس ان کے لیے اجر و ثواب ہے جو عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ، ان کے رب کے ہاں حاضر ہے اور نہ انھیں آنے والی تکلیف سے خوف ہے اور نہ محبوب چیز کے فوت ہونے سے انھیں کوئی غم ہے۔

مسئلہ: ان نیک لوگوں پر خرچ کرنا زیادہ موزوں ہے جو فقر کو دولت مندی پر عمداً ترجیح دیتے ہیں۔ ان کا یہ طریقہ صرف اللہ تعالےٰ کو راضی کرنا اور حضور علیہ السلام کی اقتدار کرنا مطلوب ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے دو بہتر طریقے ہیں، فقر و جہاد۔ اس لیے خرچ کے وہی زیادہ حق دار اور زیادہ موزوں ہے۔

مسئلہ: ایسے لوگوں کی ہر معاملہ میں مدد کرنا عبادت ہے مثلاً مال سے مدد کرنا، ان کے جاہ و جلال کی تابعداری کرنا، ان کی ذاتی خدمت کرنا، ان کا اعزاز و اکرام، ان کی عظمت کا پرچار اور ان کے ساتھ نیک ارادت و عقیدت رکھنا یہاں تک کہ ان کو محبت کا سلام جو ان کے استحقاق و اجلال و اعظام کے لائق ہے نہ کہ حقارت و ذلت کی نگاہ سے اس لیے کہ اللہ تعالےٰ تمھارے ان تمام امور کو خوب جانتا ہے جو شخص خرچ کر کے اللہ تعالےٰ کا قرب چاہتا ہے بندہ ایک بالشت قرب کی سعی کرتا ہے اللہ تعالےٰ بطور جزا اس کے ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہے، اگر بندہ ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے گز قریب ہو جاتا ہے پھر اس کے فضل و کرم کی تو کوئی انتہا ہی نہیں۔ مبارک ہو اسے جو بطیب خاطر ترک دنیا کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ کو ہر شے سے محبوب رکھتا ہے۔ اور جو اللہ تعالےٰ کا ہو جاتا ہے اللہ تعالےٰ اس کا ہو جاتا ہے۔

ف: مروی ہے کہ چھ چیزیں چھ چیزوں میں حسین ہوتی ہیں:

۱ - علم عمل میں　　　۲ - عدل بادشاہ میں
۳ - سخاوت اغنیاء میں　　　۴ - توبہ شباب میں
۵ - صبر فقر میں　　　۶ - حیا عورتوں میں

علم باعمل اس گھر کی طرح ہے جس کی چھت نہ ہو۔ بادشاہ میں عدل نہ ہو تو وہ اس کنوئیں کی طرح ہے جس میں پانی نہ ہو۔ اور دولت مند میں سخاوت نہ ہو تو اس بادل کی طرح ہے جس میں بارش نہ ہو۔ اور شباب میں توبہ نہ ہو تو وہ اس درخت کی طرح ہے جس پر پھل نہ ہو۔ اور جس فقر میں صبر نہ ہو وہ اس چراغ کی طرح ہے جس میں روشنی نہ ہو۔ اور عورت میں حیا نہ ہو تو وہ اس طعام کی طرح ہے جس میں نمک نہ ہو۔

دولت مند کو چاہئیے کہ وہ اپنی دولت مندی کے بادل سے ایسے برکات کی بارش برسائے کہ جس سے دین و دنیا سیراب ہو یعنی ایسے سبب بنائے کہ مردہ دلوں کو سیرابی ہو کہ دین و دنیا کی محتاجی دور ہو جائے۔ اس لیے کہ اللہ تعالےٰ

محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا ہے

پسندیدہ رائے کہ بخشید و خورد
جہاں از پے خویشتن گرد کرد

ترجمہ: پسندیدہ وہ شخص ہے جس نے دوسروں کو دیا اور خود بھی کھاتا رہا۔ ایسے شخص نے بہت سرمایہ جمع کیا۔
جس کی رائے صواب ہے تو وہ مال سے فائدہ اٹھاتا ہے اور مال جمع کرتا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے نہ کہ اس کے غیر کے لیے۔ جس نے مال کو تو جمع کیا لیکن اس سے فائدہ نہ اٹھایا اور نہ ہی کسی کو کچھ دیا تو سمجھ لو کہ درحقیقت وہ مال غیروں کے لیے جمع کر رہا ہے۔ اس لیے کہ اس کا مال اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کا ہے۔
اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا۔ وہ لوگ جو سود کی نے یعنے سود لیتے ہیں۔

سوال: سود لینے کو کھانے سے یوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب: (۱) چونکہ اموال کے حصول سے اعلیٰ و معظم مقصد کھانا ہے۔
(۲) چونکہ سودی معاملات کا زیادہ پھیلاؤ کھانے کی اشیاء میں ہوتا ہے۔

سود کسے کہتے ہیں: شریعت میں سود مکیلی و موزونی اشیاء میں بلا عوض زائد شے لینے کو کہتے ہیں۔ یہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب کا مذہب ہے۔ یہ ان چیزوں میں جاری ہوتا ہے:

(۱) سونا (۲) چاندی
(۳) گندم (۴) جَو
(۵) کھجور (۶) نمک۔

سوال: ربٰوا کو واؤ کے ساتھ کیوں لکھا جاتا ہے؟

جواب: تاکہ اصل پر دلالت کرے۔ دراصل یہ واوی باب ہے یہ ربا، یربو سے ماخوذ ہے۔

سوال: پھر واؤ کے بعد الف خالی کیوں لکھا جاتا ہے؟

جواب: اسے جمع کی واؤ سے تشبیہ دینے کے لیے لکھا جاتا ہے۔

لَا یَقُوْمُوْنَ، وہ قبروں سے نہ اٹھیں گے۔ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ، مگر اس کا اٹھنا ایسے ہوگا جیسے اسے بے ہوش کر ڈالتا ہے۔ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ، شیطان ہاتھ لگانے سے یعنی جنوں سے یہ جار مجرور لَا یقومون سے متعلق ہے یعنی نہیں اٹھیں گے مگر اس شخص کی طرح جو مرگی کا بیمار ہو اور اس کی عقل میں خرابی پیدا ہو جاتے۔ ان کی یہ کیفیت اور ان کی یہ نشانی اہل موقف جانتے ہیں۔

ف: بعض نے کہا کہ یہ اس وقت ہوگا جب لوگ قبروں سے نکلیں گے تو وہ محشر کے میدان میں دوڑتے ہوئے آئیں گے،

ہاں، سود خوار جب اٹھیں گے تو وہ قبروں سے اٹھتے ہی گر جائیں گے بیہوش اور مرگی والے کی طرح ، اس لیے کہ ربٰوا کا معنی ہے زیادتی۔ اس سے ان کے پیٹ پھول جائیں گے جس کی وجہ سے ان کے پیٹ بوجھل ہو جائیں گے تو وہ دوڑ نہیں سکیں گے۔ ذٰلِكَ ، وہ عذاب ان پر اس لیے نازل ہوگا۔ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا ، کہ وہ کہا کرتے تھے یعنی بسبب ان کے کہنے کے۔ اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ؕ بے شک بیع سود کی طرح ہے۔ انھوں نے بیع اور سود کو ایک ہی شے سمجھ رکھا تھا۔ کیونکہ دونوں سے منافع حاصل ہوتے ہیں۔ اسی لیے انھوں نے سود کو حلال قرار دے دیا۔ اور کہتے تھے کہ ایک درہم کی بیع دو درہموں سے جائز ہے جیسے وہ شے کہ جس کی قیمت ایک درہم ہو اسے دو درہموں سے بیچنا جائز ہے۔

ف: حق یہ ہے کہ اسے یوں کہا جائے کہ انما البیع مثل الربٰو، لیکن مبالغہ اسی میں ہے۔ جیسے قرآن مجید میں واقع ہوا ہے۔

ف: انھوں نے سود کو ایسے حلال سمجھ رکھا تھا کہ گویا اصل وہی ہے یا یہ عبارت ان کے سوال کے مطابق نازل ہوئی جبکہ انھوں نے کہا: انما البیع مثل الربٰو یعنے جب بیع و سود میں کسی قسم کا فرق نہیں تو پھر بیع حلال اور سود حرام کیوں! جب کہ فرق صرف اتنا ہے کہ سود کے ابتدا میں منافع ہیں اور بیع کے آخر میں فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ جب قرضدار سے قرض مانگنے جاتے تو وہ قرضدار کہتا کہ مجھے قرض میں کچھ مہلت دے دے تو میں اس کے بدلے میں کچھ مال دے دوں گا۔ دونوں اس بات پر راضی ہو جاتے اور کہتے یہ بھی منافع کی ایک صورت ہے، خواہ اس کے منافع اول میں لیے جائیں یا آخر میں۔

اللہ تعالٰے نے انھیں جھٹلاتے ہوئے فرمایا:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ اور اللہ تعالٰے نے بیع کو حلال اور سود کو حرام فرمایا یعنے وہ جس کیفیت سے ہو، سود ہر حال میں حرام ہے۔ بیع اس لیے حلال ہے کہ اسے اللہ تعالٰے نے حلال فرمایا اور سود اس لیے حرام ہے کہ اللہ تعالٰے نے حرام فرمایا ہے۔

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ پس جس کے پاس وعظ آئے یعنے جسے وعظ اور زجر کا پیام پہنچے۔ جیسے سود کی رکاوٹ کا پیام۔ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى ، اس کے رب سے پھر وہ برائی سے رک گیا یعنے بلا تاخیر نصیحت پذیر ہو گیا اور اس نہی کے مطابق برائی سے رک جاتا ہے۔ فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ اس کے گذشتہ گناہ معاف یعنے اس سے گذشتہ گناہوں کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے یہ سودی کاروبار نہی کے حکم کے نزول سے پہلے کیا تھا۔ وہ پہلا سودی کاروبار اس کی ملک ہو گیا اور وہ اس لیے حلال ہے کہ اس سے وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ اور اس کا معاملہ اللہ تعالٰے کی طرف ہے یعنے جب وہ بندہ اس برائی سے رک جاتا ہے تو اللہ تعالٰے اسے اس سے بہتر جزا دے گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس نے یہ کام اللہ تعالٰے کا حکم مان کر اور صدق دل سے

کیا ہو۔

بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالے قیامت میں اس کے شان میں فیصلہ کرے گا تمھارا اس سے کوئی تعلق نہیں فلہذا تم اس سے کسی قسم کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔

وَ مَنْ عَادَ، اور جو اس کے بعد سود کو حلال سمجھ کر دوبارہ سودی کاروبار کرتا ہے اور اسے ایسے حلال سمجھتا ہے جیسے نہی کے نزول سے پہلے حلال سمجھتا تھا۔ فَاُولٰٓئِكَ، پس یہی لوگ۔ یہ اشارہ لفظ مَن کے معنے کی طرف ہے۔ اَصْحٰبُ النَّارِ دوزخ والے ہیں۔

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ وہی اس دوزخ میں ہمیشہ ٹھہرے رہیں گے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا، اللہ تعالے سود کو مٹاتا ہے۔ المحق بمعنے شے گھٹتے گھٹتے تمام کی تمام ختم ہو جائے جیسے چاند کی حالت ہوتی ہے کہ وہ بھی پندرہ تاریخ کے بعد گھٹتے گھٹتے آخری تاریخ میں گم ہو جاتا ہے۔ یہی سود کھانے والے کا حال ہے کہ اس کے کاروبار سے آہستہ آہستہ برکت اٹھتے اٹھتے بالآخر ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اصلی مال بھی جس میں سود داخل ہوا۔ اس کے بعد اس کی اولاد کو وہ مال نہیں پہنچے گا۔ وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ اور صدقات میں برکت عطا فرماتا ہے یعنے ان صدقات کا ثواب دوہرا عطا فرماتا ہے اور ان میں برکت دیتا ہے بلکہ اس مال میں برکت ہوجاتی ہے جس مال سے صدقہ دیا گیا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
"بے شک اللہ تعالے صدقہ کو قبول کرتا ہے اور اسے ایسے پالتا ہے جیسے تم گھوڑے کے چھوٹے بچے کو پالتے ہو۔"

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مال میں کمی نہیں آتی بلکہ برکت ہوتی ہے۔

وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ، اور اللہ تعالے راضی نہیں، اس لیے کہ محبتِ الٰہی مخصوص ہے صرف توبہ کرنے والوں کے ساتھ

كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ○ ناشکرے اور اثیم یعنے محرمات کے ارتکاب میں منہمک ہونے والے سے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، بے شک وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالے اور اس کے رسولؐ پر اور ان احکام کو بھی مانتے ہیں جو اللہ تعالٰی کی طرف سے آئے ہیں۔ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، اور انھوں نے نیکیاں اور طاعات بجالائیں

وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ، اور انھوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی۔

سوال: نماز اور زکوٰۃ کی تخصیص کیوں، حالانکہ وہ بھی تو الصالحات میں داخل تھیں؟

جواب: اس لیے کہ ان دونوں عبادات واعمال صالحہ پر فوقیت و برتری حاصل ہے۔

لَهُمْ اَجْرُهُمْ، اور جو ان سے وعدے کئے گئے ہیں انہیں وہی اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ ان کا حال یہ ہے؛ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ، کہ ان کے رب کے ہاں ان کا بڑا اجر ہے اور انہیں آنے والی تکلیف سے کوئی خوف نہیں۔ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ اور نہ انہیں محبوب شے کے فوت ہونے پر غم ہے

سود خوار کی ایک مثال سود خوار کا حرص دنیا میں ایسے ہوتا ہے جیسے وہ بیمار جسے جوع الکلب کی بیماری ہو وہ کھاتا تو ہے لیکن وہ سیر نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھول کر بوجھل ہو جاتا ہے پھر جب وہ اٹھتا ہے تو اس کا پیٹ بوجھ بوجھ اسے پچھاڑ دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ منہ کے بل گر جاتا ہے، کچھ یہی کیفیت قیامت میں سود خوار کی ہوگی۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

توان بحلق فرو بردن استخوان داشت

ولے شکم بدرد چوں بگیرد اندر ناف

ترجمہ: ہڈی حلق سے اتارنا تو آسان ہے لیکن جب ہڈی ناف تک پہنچے گی تو پیٹ پھاڑ دے گی۔

سبق عاقل کو چاہئے کہ وہ ایسی شے نہ کھائے کہ جس کا دنیا و آخرت میں بوجھ نہ اٹھا سکے۔ مبارک ہو اس شخص کو جو دنیوی کاروبار میں میانہ روی اختیار کرتا ہے اور اسے ناحق حاصل کرنے پر اسے حرص نہیں ابھارتا، وہ دنیا کے ہر وبال سے نجات پائے گا۔ اس کی مثال اس تاجر کی ہے جو مال بطریق بیع و شرار کے حاصل کر کے اس کا حق ادا کرتا ہے۔ اگرچہ مال کی طلب اور اس کے جمع کرنے کا حرص ہو لیکن اسے بامر شرع اور بطریق حلال حاصل کرتا ہے اور صاحب حق سے حق منع نہیں کرتا تو اسے وہ مال سود خوار کی طرح نقصان نہیں پہنچاتا۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے خون کی خرید و فروخت اور حرام کی کمائی سے منع فرمایا ہے اور سود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس کے کاتب اور اس کے گواہوں اور داغ لگانے اور لگوانے والے اور فوٹو بنانے اور بنوانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔[1]

حدیث شریف: سود کے کئی اور ستر باب ہیں۔ اس کے ادنیٰ درجہ کا اتنا گناہ ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے زنا کرے یعنی اس کا گناہ ماں کے ساتھ زنا کرنے کے برابر ہے۔ (العیاذ باللہ)

ف: جو شخص یہ سنے اسے چاہئے کہ یہ حکم سن کر توبہ کے لیے اپنے رب کریم کا جلد از جلد دروازہ کھٹکائے لیکن یہ وہ کرے گا جسے قلب سلیم حاصل ہو اور حق سننے کے کان رکھتا ہے۔

مسئلہ جو کسی کو قرض اس شرط پر دیتا ہے تو وہ اسے اس سے افضل شے دے گا تو یہ نفع گیری ہے اور جس قرض میں نفع گیری ہو وہ سود میں داخل ہے۔

---

[1] حاشیہ صفحہ نمبر ۳۱۸ پر

حکایت: سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالے عنہ کے کسی پر کھوٹے ہزار درہم قرض تھے۔ اس نے آپ کو ہزار درہم کھرے ادا کیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اسی طرح کھوٹے لوں گا جیسے میں نے دیئے تھے مجھے خطرہ ہے کہ میرا یہ لین دین سود میں شامل نہ ہو۔ آپ نے اسے کھرے درہم واپس کر کے کھوٹے لیے۔

حکایت حضرت ابوبکر رحمہ اللہ تعالے نے فرمایا کہ میں نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالے عنہ کو دیکھا کہ وہ کسی شخص کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں لیکن دروازہ کھٹکھٹا کر فوراً دھوپ میں آجاتے ہیں۔ میں نے آپ سے اس کا سبب پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ میرا اس شخص پر قرض ہے اور شریعت پاک نے روکا ہے کہ قرض میں سے نفع گیری نہ کی جائے اور میں نہیں چاہتا کہ میں اپنے مقروض کی دیوار کے سایہ سے نفع اٹھاؤں۔ یا اس کے قریب ہو کر سود کی لعنت میں داخل ہو جاؤں۔

حکایت: سیدنا ابویزید بسطامی رحمہ اللہ تعالے نے ہمدان سے حب القرطم[1] خریدا۔ پس جب وہ واپس اپنے گھر بسطام پہنچے تو دیکھا کہ خریدے ہوئے سامان میں چیونٹیاں ہیں۔ آپ وہاں سے پھر ہمدان پہنچے جہاں سے سامان خریدا تھا۔ وہاں جا کر چیونٹیاں چھوڑ آئے۔

سبق: یہ حقیقی تقویٰ و پرہیزگاری ہے لیکن ان جیسے ہمارے دور میں کالعنقا ہیں، اگر کہیں ہوں گے تو القلیل کالمعدوم ورنہ اکثر لوگ اگرچہ صوفیاء ہیں تو بھی حلال و حرام کے درمیان امتیاز نہیں کرتے اور نہ ہی شبہات سے پرہیز کرتے ہیں۔ اسی لیے دینی امور میں گڑبڑ اور دین غریب ہو گیا ہے۔ اللہ تعالے ہم سب کو ٹیڑھے راستہ سے بچائے۔

مولانا رومی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

اے خودت بے وقوف لاف ز ایوف یوف
فضل نہ بخشد ترا جبہ و دستار صوف

ترجمہ: اے فلاں! اگر تیرا خود خراب اور لایعنی ہے تو تجھے جبہ و دستار وغیرہ فضل الٰہی سے نصیب نہ ہوگا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱتَّقُوا ٱللَّهَ، اے ایمان والو! اللہ تعالے سے ڈرو یعنے اپنے نفسوں کو اللہ تعالے کے عذاب سے بچاؤ۔ وَ ذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓا، اور چھوڑ دو وہ جو کہ سود سے بچ گیا یعنے جن سے تم نے سودی کاروبار کیا ہے اور ان پر جو کچھ مال بچ رہا ہے اور تمہارا ان پر قبضہ نہیں ہوا تو وہ پورے طور پر چھوڑ دو۔ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ اگر حقیقی مومن ہو کیونکہ حقیقی ایمان کو مستلزم ہے کہ حکم الٰہی پر عمل کیا جائے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ قبیلہ ثقیف کے بعض قریشیوں پر مال تھا۔ پس انھوں نے موقعہ محل پر اصل مال کے علاوہ سود

---

[1] ایک نباتی بیج ہے جس سے تیل حاصل کیا جاتا ہے اور مسہل ادویات میں بھی کام آتا ہے۔

کا بھی مطالبہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا جس کا تمھیں حکم دیا گیا ہے یعنے حرام سے بچنے کا۔ اگر تم عمل نہیں کرو گے اور بقایا سود کو وصول کرو گے یا سرے سے اس کی حرمت کا انکار کرو گے یا اس کا اقرار تو ہے لیکن پھر بھی حرام کا ارتکاب کرتے ہو۔ فَاْذَنُوْا تو جان لو، یہ اذن بالامر سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب اسے کوئی جانے۔ بِحَرْبٍ ، ساتھ ایک قسم کی جنگ کے اور وہ اتنی بڑی جنگ ہے کہ جس کا کسی کو اندازہ معلوم نہیں واقع ہونے والی ہے۔ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اللہ تعالٰے اور اس کے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے اللہ تعالٰے کی جنگ اس کی نار ہے یعنی اللہ تعالٰے کی طرف سے عذاب ہوگا اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی جنگ نار حرب ہے یعنے وہ ان سے جنگ کریں گے اور آزمائش میں ڈالیں گے۔

شانِ نزول : جب یہ آیت نازل ہوئی تو قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے کہا کہ ہمیں اللہ تعالٰے اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں۔

وَاِنْ تُبْتُمْ ، اور اگر تم سود لینے سے باز آجاؤ اور اس پر ایمان ہو کہ جو حکم الٰہی تم نے سن کر اس کی حرمت کے لیے سرِ تسلیم خم کیا۔ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ تمھارے لیے اصلی مال ہیں، تم انھیں مکمل طور پر مقروضوں سے لے لو۔ لَا تَظْلِمُوْنَ ، زاید مال لے کر اپنے مقروضوں سے ظلم نہ کرو۔ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ ان کی وجہ سے تمھارے لیے بھی کمی نہیں کی جائے گی کہ تمھیں اصل سے کم دیا جائے یا تمھارے مال میں خسارا اٹھالا جائے۔

مسئلہ یہ حکم اس کے لیے ہے جو اپنی غلطی سے تائب ہو اگر وہ تائب نہیں ہوا اور وہ مومن ہو کر اس موذی کاروبار سے باز نہیں آتا بلکہ اس کے ارتکاب میں اصرار کرتا ہے اگر وہ عامی آدمی ہے تو قید کر کے اسے تعزیر کیا جائے اور قید میں بند رکھا جائے یہاں تک کہ وہ اس غلطی سے سچے دل سے توبہ کرے۔ اگر وہ عامی آدمی نہیں بلکہ شان و شوکت کا مالک ہے تو اس کے ساتھ امامِ وقت جنگ کا اعلان کرے جیسے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کے ساتھ جنگ فرمائی۔

مسئلہ : یہی حکم ہے ان لوگوں کا جو ترکِ اذان اور ترکِ تدفین الموتٰی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ ، اگر وہ صاحب عسرت یعنے مفلس ہو یعنے اگر تمھارے مقروضوں میں سے کوئی تنگدست ہو۔ اس کی تنگ دستی بوجہ نہ ہونے مال کے بلکہ کاروبار میں خسارہ کی وجہ سے ہو۔ فَنَظِرَةٌ ، تو اس کے لیے مہلت ہے۔ یہ انظار و امہال سے ماخوذ ہے۔ اِلٰى مَيْسَرَةٍ طرف آسانی کے۔ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا ، یعنے تمھارا صدقہ یعنے تنگدست مقروض سے یا تو سالم قرض معاف کر دینا یا اسے ایک عرصہ تک مہلت دے دینا۔ خَيْرٌ لَّكُمْ تمھارے لیے بہتر ہے یعنے بہت زیادہ ثواب ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اگر تمھیں معلوم ہو۔ حرف شرط

کا ہوا ۔ محذوف ہے گویا عبارت یوں تھی :
ان كنتم تعلمون انه خير لكم عملتموه (یعنی اگر تمھیں معلوم ہوتا کہ وہ تمھارے لیے بہتر ہے تو تم اس پر عمل کرتے ۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا :
"جس کا کسی پر قرض ہو اور قرضہ لینے کی میعاد آگئی ہو پھر وہ اپنے مقروض کو مہلت دے دے تو اس کے لیے ہر روز صدقہ ہے ۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا :
"جس نے اپنے تنگدست مقروض کو مہلت دی یا اُسے قرضہ بخش دیا تو اللہ تعالےٰ اسے یوم قیامت کی تکلیفوں سے نجات دے گا ۔

قرض دینے کے فضائل : قرض دینے کے بہت زیادہ فضائل ہیں ۔ منجملہ ان کے چند ایک مندرج ذیل ہیں :

(۱) حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے خواب میں بہشت کے دروازے پر لکھا دیکھا کہ صدقہ دینے سے دس گنا اور قرض دینے سے اٹھارہ گنا زائد ثواب ملتا ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی کیا وجہ ہے ۔ تو جواب ملا اس لیے کہ بسا اوقات صدقہ غنی کو بھی (غلطی سے عمداً) دیا جاتا ہے لیکن قرض تو لیتا ہی وہی ہے جسے سخت محتاج ہو ۔

(۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تین اعمال ایسے ہیں کہ جو بھی انھیں قیامت میں لائے گا تو بہشت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو اور جتنی عورتوں سے چاہے نکاح کرلے ۔ وہ اعمال مندرجہ ذیل ہیں :

۱ ۔ قاتل کو معافی دینے والا
۲ ۔ ہر فرض نماز کے بعد گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھنے والا
۳ ۔ ضرورت مند قرض مانگنے والے کو قرض دینے والا

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اگرچہ ان میں سے کسی ایک عمل کو بھی کرے ۔ آپ نے فرمایا اگرچہ ان میں سے ایک عمل بھی ساتھ لائے تو بھی وہی اجر ملے گا ۔

مسئلہ : تین شخصوں کے لیے قرض لینا جائز ہے :

(۱) اللہ تعالےٰ کے راستہ میں جہاد کے وقت اگر قوت میں کمزوری واقع ہو ۔
(۲) جو شخص قلیل مال چھوڑ کر مرے ۔ اس کے کفن و دفن کے لیے جب کہ وہ قلیل مال اس کی تجہیز و تکفین

کو پورا نہ کر سکے۔

۳ اپنے نکاح کے لیے جب سمجھے کہ اگر میں ایسا رہا تو عصمت محفوظ نہیں رہ سکے گی اور بلا نکاح رہنے میں گناہوں کا خوف ہو تو ایسے ضروریات کے لیے اللہ تعالےٰ پر سہارا کر کے قرض لے لے تو اللہ تعالیٰ اس کے قرض کی ادائیگی کے لیے بہتر اسباب بنا دے گا۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جو قرضہ اس نیت پر لیتا ہے کہ اسے ادا کرے گا تو اللہ تعالےٰ اس کے لیے فرشتے مقرر کرتا ہے اکہ اس کی حفاظت کریں اور اس کے لیے دعا مانگتے رہیں یہاں تک کہ وہ قرض ادا کرے"۔

نکتہ: اسلاف رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے بعض حضرات اس لیے بلا ضرورت قرض لیتے تا کہ ملائکہ کرام کی دعا نصیب ہو۔

مسئلہ: جب بھی قرض کی ادائیگی کی قدرت میسر ہو تو فوراً ادا کرے اگرچہ ابھی میعاد باقی ہو۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہادت سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں سوائے قرض کے۔ ایسے ہی تین بار کہا۔

سبق: سالک کو چاہیئے کہ تمام قرضہ جات کو جلد ادا کرنے کی کوشش کرے اور ڈرے اس دن سے جب کہ قرض والوں کا برُا حال ہو گا۔

نکتہ: قرض کی ادائیگی کا اس شخص کو خیال ہو گا جو فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا۔ اور جو شخص فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا اور غلطیوں کا مرتکب ہوتا ہے وہ قرضہ جات کی ادائیگی میں کیا فکر کرے گا۔

اس لیے کہا گیا ہے ؎

دامش مدہ آنکہ بے نماز است
درخود دہنش ز فاقہ باز است
کو فرض خدا نمے گذارد
از قرض تو نیز غم نہ دارد

ترجمہ: اسے قرض نہ دے جو بے نماز ہے اگرچہ بھوک سے اس کا منہ کھلا ہوا ہے، جب وہ فرض خدا ادا نہیں کرتا تو وہ تیرا قرض خاک ادا کرے گا۔

سبق اس زمانہ کے لوگوں کا حال زمانہ کی پراگندگی کی طرح پراگندہ ہے۔ مبارک ہے وہ شخص جو اپنے اوقات کو قناعت سے بسر کرتا ہے۔ مومن حقیقی کے شرائط میں ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ سے ڈرتا رہے۔ امر نا ہیں جن چیزوں کی ضرورت نہیں ان سے اپنی توجہ ہٹا لے۔ بلکہ وہ ہر آن اس مشغلہ میں رہے کہ دینی امور میں

اسے ترقی حاصل ہو۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انسان کے اسلام کے حسن کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ لایعنی امور کو ترک کرے۔

وَ اتَّقُوْا يَوْمًا ۔ یومًا منصوب ہے ظرف کی وجہ سے۔ اصل عبارت یوں تھی:

واتقوا عذاب الله یومًا (اور اس دن کے عذابِ الٰہی سے ڈرو)۔

یا مفعول بہ ہے جیسے اللہ تعالےٰ کے ارشادِ گرامی "فکیف تتقون ان کفرتم یومًا" میں یومًا مفعول بہ ہے۔ اس کا معنٰے یہ ہے کہ تم کفر کرتے ہو تو پھر ایسے دن سے کیوں نہیں ڈرتے، جس دن کی صفت ایسی ایسی ہے۔

تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ بصیغہ مجہول۔ رجع سے مشتق ہے یعنی اس دن کی طرف رجوع کرو گے۔ اِلَى اللّٰهِ، اللہ کی طرف اپنے اعمال کا محاسبہ کرکے۔ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ، پھر ہر نفس کو۔ نفس بمعنے نفوس۔ اس کی جزا مکمل طور پر دی جائے گی۔ مَّا كَسَبَتْ، وہ جو اس نے عمل کیا یعنی اس کے عمل کی جزا اسے ملے گی اچھی یا بُری۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۞ اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے یعنی ان کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی۔ اور ان کے عذاب میں کسی قسم کا اضافہ نہ ہوگا۔ اور یہ کل نفس سے حال واقع ہے۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ وہ سزا یافتہ ہوں گے اور ان کی سزا دائمی ہوگی لیکن ان پر اس کے متعلق ظلم نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ ان کی یہ شامت ان کے اپنے اعمال کی ہوگی۔

فائدہ تفسیریہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ سب سے آخری آیت ہے یہاں تک کہ اس کے بعد حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سات یا نو دن، اکیس یا اکیاسی دن یا صرف تین ساعات زندہ رہے اس کے بعد وصال ہوگیا۔ اور انھیں جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اسے سورہ بقرہ کی دو سو اسی ۲۸۰ آیتوں کے بعد رکھئے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر کے دن پیدا ہوئے اور پیر کے دن وصال فرمایا اور پیر کے دن ہی مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ اٹھارہ دن آپ بیمار رہے۔ لوگ آپ کی طبع پرسی کے لیے آتے رہے۔

آپ کے آخری کلمات یہ تھے:

"الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم الصلوٰۃ' فانا للہ وانا الیہ راجعون" (نماز قائم کرنا اور ان کو بھی تاکید کرنا جو تمھارے قبضہ میں ہیں ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹیں گے)۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جسے کوئی مصیبت پہنچے تو وہ میری مصیبت کو یاد کرے۔ اس لیے کہ تمام مصیبتوں میں سے سب سے بڑی میری مصیبت ہے۔"

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:
"میری امت میں سے جس کے دو بچے فوت ہوتے تو اللہ تعالےٰ ان کے سبب سے اسے بہشت میں داخل فرمائے گا۔ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم! اگر کسی کا ایک بچہ فوت ہو تو اس کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا! اے موفقہ![1] (اللہ تعالےٰ کی نیک توفیق دی ہوئی) اگرچہ اس کا ایک بچہ بھی فوت ہوا تو بھی بہشت میں جائے گا۔ پھر بی بی نے عرض کیا: اگر کسی کا کوئی بچہ نہ ہو تو؟ آپ نے فرمایا: پھر میں اپنی امت کو بخشوانے والا کافی ہوں۔ اللہ تعالےٰ جس امت کے لیے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس امت کے لیے نبی (علیہ السلام) کو امت سے پہلے فوت کر دیتا ہے اور پھر میرے جیسا کسی امت کو کوئی نبی نصیب ہو گا۔ اللہ تعالےٰ نے میرے لیے فرمایا ہے:
• "وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین" یہی وجہ ہے کہ آپ کی حیات و ممات ہر دو توں امت کے لیے رحمت ہی رحمت ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:
"جب اللہ تعالےٰ کسی امت پر رحمت کا ارادہ کرتا ہے تو اس امت کے نبی علیہ السلام کو ان کی امت سے پہلے فوت کر دیتا ہے۔ پھر اس نبی علیہ السلام کو اس امت کی بخشش کا بہتر سبب بنا دیتا ہے۔ کسی انصاری صحابی نے حضور علیہ السلام کے وصال پر یوں عرض کیا ؎

الصبر یحمد فی المواطن کلها
الا علیك فانه مذموم

ترجمہ: صبر ہر مقام پر محمود ہے لیکن آپ کے وصال پر تو وہ مذموم ہے۔

ف: اللہ تعالےٰ نے قرآنی مضامین کا خلاصہ اس آیت میں جمع فرمایا ہے اور اس آیت کو خاتم الوحی بنایا ہے جیسے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل کردہ کتاب کو جمیع انبیا علیہم السلام کی کتابوں کا خلاصہ بنایا ہے اور اس میں تمام انبیا علیہم السلام کے اخلاق جمع فرمائے ہیں۔

ف: تمام آسمانی کتب کا خلاصہ اور اس تمام فوائد جو حضرتِ انسان کو نصیب ہوئے ہیں۔ اس کے دو معنے ہیں:
(۱) درکاتِ سفلیہ سے نجات
(۲) درجاتِ علیا میں کامیابی۔
پس اس کی نجات اس میں ہے کہ وہ درکاتِ سفلیہ سے نکل جائے اور درکاتِ سفلیہ یہ ہیں:

---

[1] : بی بی صاحبہ کو اسی پیارے لفظ سے مقرب فرمایا۔

① کفر ② شرک
③ جہل ④ معاصی
⑤ اخلاق مذمومہ ⑥ اوصاف کے پردے
⑦ نفس کے حجابات۔

اور کامیابی یہ ہے کہ درجات علیا میں کامیابی پالے۔

درجات عُلیا آٹھ ہیں :

① المعرفۃ للہ ② التوحید للہ
③ العلم ④ طاعات اخلاق حمیدہ
⑤ جذبات الحق ⑥ اپنی انانیت سے فانی ہونا
⑦ اس کی ہویت کی بقاء ⑧ فنا کے بعد بقا کا حصول

پس یہ آیت اجمالی طور پر ان تمام مجموعہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ کے ارشاد گرامی میں ہے: واتقوا یہ لفظ شامل ہے اس کو جو سعی انسانی کے امکان پر ان معانی میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتی ہو۔ اس لیے کہ حقیقی تقویٰ یہ ہے کہ ان چیزوں سے اجتناب کرے جو اللہ تعالےٰ سے دور کرتی ہیں اور ان امور کو عمل میں لائے جو اللہ تعالےٰ کے قرب کا سبب بنیں۔ اس کی دلیل یہ ہے جو کہ قول نبی میں ہے: جماع التقوی .... الخ

تقویٰ کا مجموعہ اس آیت قرآنی میں ہے اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان ...... الخ اس معنے پر یہ بھی تقویٰ میں شامل ہے کہ سالک درکاتِ سفلی سے بچ جائے اور درجاتِ علیا میں ترقی حاصل کرے۔

تفسیر صوفیانہ عوام کا تقویٰ ہے معرفتِ الٰہی کے کفر سے اور توحید کے شرک سے اور جہل بھرے علم سے اور طاعت نما گناہوں سے اور اخلاق محمودہ کے پردے میں اخلاق ذمیمہ سے بچنا اور یہاں پر عوام کی سیر ختم ہوتی ہے، کیونکہ کسب انسان کی انتہا اور مجتہدین کی جد وجہد۔ آیت "جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا" کے شرائط قائم کرنے میں ہے۔ پس یہاں سے خواص کا تقویٰ شروع ہوتا ہے۔ خواص سے وہ مجذوب مراد ہیں جو لنھدینھم سبلنا کے جذبات سے سرشار ہیں۔ پس ان کے جذبات انہیں اوصاف کے حجابات سے نکال کر صفات حق کے تجلی کے درجات تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہاں پر خواص کا سلوک ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ سایۂ سدرۃ المنتہٰی کے تلے آرام فرما ہوتے ہیں۔ وہاں پر جنۃ الماویٰ اور اذ یغشی السدرۃ ما یغشی کے مواہب سے نفع پاتے ہیں اور خاص الخواص کا تقویٰ اور

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۲۰ پر)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ
كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ
الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ
الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ
بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ
وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا
الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا
اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا
تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ
وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ
فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَ
لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم ایک مدت تک ادھار کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو اور چاہئے کہ تمہارے مابین لکھنے والا انصاف سے لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے تو چاہیئے کہ وہ لکھے اور جس کے ذمہ حق ہے چاہیئے کہ وہ لکھائے اور اپنے اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے اور حق میں ذرہ برابر کمی نہ کرے پھر جس پر حق ہے اگر وہ بے وقوف یا عاجز ہو یا لکھنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس کا متولی ٹھیک ٹھیک لکھائے اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ کر لو پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہ جنھیں تم پسند کرو یہ کہ ان میں ایک عورت بھولے گی تو اس ایک کو دوسری یاد دلائے گی اور جب گواہ بلائے جائیں تو انکار نہ کریں، اور میعاد مقررہ تک لکھت سے ملال نہ کرو، معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اور یہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اور گواہی کو قائم رکھنے والی ہے اور اس سے قریب تر ہے کہ شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ کوئی سودا دست بدست ہو جو ایک دوسرے سے لین دین کرتے ہو تو اس کے نہ لکھنے کا تم پر کوئی گناہ نہیں اور جب خرید و فروخت کرو تو گواہ کر لو اور نہ کسی لکھنے والے کو نقصان دیا جائے نہ

گواہ کو، اور اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہارا فسق ہو گا اور اللہ تعالےٰ سے ڈرو، اور اللہ تعالےٰ سکھاتا ہے اور اللہ تعالےٰ سب کچھ خوب جانتا ہے اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ ملے تو رہن ہو قبضہ میں دیا ہو اگر تم میں ایک کو دوسرے پر اعتماد ہو تو وہ جسے اس نے سمجھا تھا اپنی امانت ادا کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپاتے گا تو اس کا دین گنہگار ہے اور اللہ تعالےٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۱۸)

جذبہ فرف عنایت سے ہوتا ہے وہ ما زاغ البصر وما طغیٰ سے حاصل ہوتا ہے جو سدرۃ المنتہیٰ الاوصاف شروع ہو کر جبت نفس کے انتہاء اور انوار القدس کی ابتداء تک پہنچتا ہے۔ اسی مقام کے لیے ہے ؛ من عرف نفسہ فقد عرف ربہٗ۔

حقیقی تقویٰ سے ہی حقیقت ایمان نصیب ہوتا ہے۔ اب مطلب یوں ہوا کہ واتقوا بمعنے جاھدوا ...الخ یعنے ہمارے متعلق جہد اور طاقت صرف کرتے ہیں۔ یوما ای یوم ... الخ یعنے اس دن کے لیے فیہ اس میں لنھدینھم سبلنا ہم جذبات عنایت سے ہدایت دیں گے اور ترجعون الی اللہ اس میں اشارہ ہے کہ چونکہ تمہارا آغاز وہاں سے ہوا تھا، اس لیے اب رجوع بھی اسی طرف ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو جمع ویقین کا مقام نصیب فرمائے اور تحقیق وتمکین کے لطائف سے مشرف فرماتے۔ وہی معین ومددگار ہے اور اپنے نیک بندوں میں سے جس کے لیے چاہے رحمت فرماتا ہے۔

(تفسیر آیات صفحہ نمبر ۱۱۹)

تفسیر عالمانہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ ، اے ایمان والو! جب تم کسی کو قرض دو یعنے جب تمہارا بعض کو قرض دے اور اس کے ساتھ ادھار کا معاملہ کرے اس کا محاورہ وہی ہے جو اہل عرب نے کہا، " بایعتہٗ "

یہ اس وقت بولتے ہیں جب تم کسی کے ساتھ بیع کرو یا وہ تمہارے ساتھ بیع کرے۔

سوال : جب دین کا معنے تداینتم سے حاصل ہوتا ہے پھر اسے دوبارہ لانے کی کیا ضرورت ہے ؟

جواب (۱) : تا کہ کوئی یہ وہم نہ کرے کہ تداین بمعنے مجازاۃ ہے کہ یہ ایسے قرض دے کہ دوسرا بھی اسے قرض دے بلکہ یہاں پر تداینتم تجریداً مستعمل ہے۔

۲ تاکہ تنبیہ ہو کہ قرضہ کئی قسم کا ہوتا ہے مثلاً عاجل اور آجل، میعادی اور غیر میعادی۔

۳ تاکہ معلوم ہو کہ لین دین لکھنے کا موجب یہی دین ہے۔

۴ تاکہ فکتبوہ کی ضمیر کا مرجع معین ہو جائے۔

اِلَىٰٓ اَجَلٍ۔ تداینتم کے متعلق ہے۔ مُّسَمًّى مقرر شدہ ایام تک یا مہینے یا سال وغیرہ وہ تاریخ جو علم کا فائدہ دے اور جہالت دور کرے۔

مسئلہ: قرض کی میعاد کھیتی کاٹنے یا اناج صاف کرنے یا حاجی کی واپسی وغیرہ مقرر کرنا ناجائز ہے اس لیے کہ ایسی تاریخیں جہالت کو دفع نہیں کر سکتیں۔

فَاكْتُبُوْهُ ؕ پس اسے لکھ لو یعنے قرضہ اور اس کی میعاد کو کیونکہ یہی لکھنا زیادہ معتبر اور جھگڑا مٹانے والا ہے۔

مسئلہ: جمہور کے نزدیک قرضہ کا لکھنا مستحب ہے۔

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ۔ اور چاہیے کہ تمہارے مابین لکھنے والا لکھے۔ اس میں مامور بہ کے لکھنے کی کیفیت اور جس پر امر کا اثر واضح ہوگا۔ اس کی اجمالی تعین کا بیان ہے۔

ف: بینکم میں اشارہ ہے کہ کاتب ایسا ہو کہ ہر دونوں کے درمیان بلا لحاظ احد سے تحریر کرے۔ اور دونوں کی باتیں لکھے نہ کہ ایک کی بات لکھے اور دوسرا رہ جائے۔

بِالْعَدْلِ، عدل و انصاف سے۔ یعنے کاتب عدل و انصاف سے تحریر کرے۔ مطلب یہ ہے کہ تحریر کرنے والا ہو تو اس کی ڈیوٹی یہ ہو کہ وہ برابر کی حیثیت کو مدنظر رکھ کر تحریر کرے۔ اس کا میلان قلبی صرف ایک طرف نہ ہو، نہ وہ کسی ایک کے معاملہ میں زیادتی کرے اور نہ کمی۔

مسئلہ: یہ حکم لین دین کرنے والوں کو ہے کہ وہ اپنی تحریر کے لیے ایسے آدمی کو منتخب کریں جو دینی مسائل پر پورا عبور رکھتا ہو اور اپنی تحریر شرع شریف کے حکم کے مطابق لائے اور ایسی معتمد علیہ کہ جس کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔

وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اور نہ ہی لکھنے والا انکار کرے۔ اَنْ يَّكْتُبَ کہ وہ دین کی تحریر ایسی کرے۔ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ جیسے اسے اللہ تعالے نے علم دیا ہے یعنے اس طریقے پر لکھے جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے کتب الوثائق سے علم دیا ہے۔

فَلْيَكْتُبْ ۚ پس چاہیئے کہ وہی تحریر کرے یعنے اس طرح لکھے جس کا اسے حکم دیا گیا ہے اور انکار کرنے سے روکا گیا ہے۔ یہ جملہ اس کی تاکید ہے۔

وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ۔ الاملال بمعنے الاملاء یعنے لکھنے کے لیے جو اس پر حق بنتا ہے یعنی جس نے قرضہ لیا ہے کیونکہ وہی مشہود علیہ ہے۔ پس ضروری ہے کہ تحریر میں اس کا اقرار تحریر کرے۔ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ، اور چاہیئے کہ وہ اپنے رب سے ڈرے۔

سوال: اس جملہ میں اللہ اور لفظ ربّہ کو کیوں لایا گیا ہے؟

جواب: تاکہ تحذیر میں مبالغہ ہو یعنے چاہیئے لکھنے والا ڈرے نہ کہ کاتب۔

جیساکہ قولِ باری تعالےٰ ہے:

وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ یعنی اس سے جو کاتب لکھوا رہا ہے اس میں کسی قسم کی کمی نہ کرے۔ شَيْئًا کسی شے میں اس سے وہ شے مراد ہے کہ جس میں کمی کرنے کا معنے نکل سکتا ہو اور کاتب پر زیادہ کرنے کا بھی احتمال ہے اور کمی کا بھی۔

سوال: اس میں لکھانے والے پر اتنی تاکید یا بندش کیوں، مثلاً پہلے اسے اتقاء کا حکم دیا پھر اسے بخس سے روکا گیا ہے ان دونوں امروں کو کیوں جمع کیا گیا ہے؟

جواب: اس لیے کہ اس میں منہی عنہ کے ارتکاب کے اسباب پائے جاتے ہیں اس لیے کہ انسان فطرتی طور پر چاہتا ہے کہ وہ ضرر سے بچے اور جو اس کے ذمہ ہے وہ یا تو سرے سے نہ ہو یا ہو تو بالکل کم۔

فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا پس اگر وہ کہ جس پر حق ہے وہ بے وقوف ہو یعنے ناقص العقل فضول خرچ اور حد سے زائد خرچ کرتا ہو۔ أَوْ ضَعِيفًا یا کمزور ہو مثلاً لڑکا ہو یا بوڑھا بے کار ہو۔ أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ یا وہ لکھوانے کی طاقت نہیں رکھتا یعنی وہ خود بخود لکھوانے سے عاجز ہے مثلاً گونگا ہے یا غیر واقف یا جاہل یا اسی طرح کے اور عوارض۔ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ پھر چاہیئے کہ اس کا متولی اس کی طرف سے لکھواوے۔ متولی سے وہ شخص مراد ہے جو اس کے جملہ امور کا منتظم ہے یا اس کے قائم مقام ہے مثلاً با اختیار متولی یا وکیل یا مترجم وغیرہ وغیرہ۔ بِالْعَدْلِ انصاف کے طور پر جس میں نہ کمی ہو اور نہ زیادتی۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ، اور ان سے دو گواہ طلب کرو تاکہ وہ صحیح صحیح باتیں بتا سکیں جو تمہارے درمیان لین دین کا معاملہ طے ہوا۔

سوال: ابھی تو انھیں گواہ بنایا جائے گا لیکن قبل از وقت انھیں گواہ کے نام سے کیوں موسوم کیا گیا؟

جواب: مایؤول کے اعتبار سے کہ جو شخص جس صفت سے موصوف ہوگا۔ اسے ابھی واقعتاً موصوف قرار دے کر نام رکھ دیا جاتا ہے۔

مِنْ رِجَالِكُمْ تمہارے مردوں میں سے۔ یہ اسْتَشْهِدُوا کے متعلق ہے یعنی وہ گواہ دیندار اور آزاد اور بالغ اور مسلمان ہوں اس لیے کہ کلامِ الٰہی نکے معاملات میں چل رہا ہے۔

مسئلہ: عبارۃ النص کے لحاظ سے شرعی خطابات غلاموں کو شامل بھی نہیں۔

مسئلہ: جب قرض کا لین دین کفار سے ہو یا یہ کہ جس پر حق بنتا ہے وہ کافر ہے پھر ایسی صورتوں میں ہمارے نزدیک کافروں کو گواہ بنانا جائز ہے۔

فَاِنْ لَّمْ یَکُوْنَا۔ پس اگر نہ ہوں وہ گواہ۔ یہ نفی الشمول سے ہے نہ کہ شمول النفی سے۔ رَجُلَیْنِ، دو مرد۔ یا ان کے کمیاب ہونے سے یا کسی اور سبب سے۔ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔

مسئلہ: اموال میں بالاجماع عورتوں کی گواہی مردوں کے ساتھ جائز ہے لیکن حدود و قصاص میں جائز نہیں۔ ان میں صرف مرد گواہی دیں گے۔

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ۔ ان میں سے جنہیں تم پسند کرتے ہو۔ اس کا متعلق محذوف ہے اور یہ مبتدا فرجل و امراتان کی صفت ہے۔

اصل عبارت یوں ہے:

کائنون مرضیون عندکم ...... الخ یعنی وہ تمہارے نزدیک پسندیدہ ہوں۔ پھر صرف اس صورت کی

سوال: پھر صرف اس صورت کی تخصیص کیوں؟

جواب: چونکہ اس صورت میں عورتوں کی شمولیت ہے اس لیے ان کی پسندیدگی کی شرط واضح طور پر کی گئی۔ کیونکہ اکثر ان میں گواہی کی اہلیت نہیں رکھتیں۔

مِنَ الشُّھَدَآءِ، اس کا متعلق بھی محذوف ہے اور یہ ضمیر محذوف (جو اسم موصول کی طرف راجع ہے) سے حال ہے۔ اصل عبارت یوں ہے:

کائنین من بعض الشهدآء یعنی جنہیں تم گواہ بنانا چاہتے ہو۔ ان میں بعض ایسے ہوں گے جنہیں تم گواہی کے لیے پسند کرو گے۔ اس لیے کہ تمہیں ان کی اہلیت اور ان پر تمہارا اعتماد صرف تمہیں معلوم ہے۔

سوال: شهدآء صیغہ جمع مذکر کا ہے اور گواہوں میں عورتیں بھی شامل ہیں۔ پھر اس صیغہ سے عورتیں شامل ہو گئیں؟

جواب: جمع کا صیغہ تغلیباً ہے اور یہ تغلیب عام چلتی ہے۔

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا۔ جو دو عورتیں گواہی دیتے رہی ہیں ان میں سے ایک بھول جائے گی۔ فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ط تو ان میں سے ان کی دوسری یاد دلائے گی۔ اس میں عورتوں کی گواہی میں تعدد کی علت بتانا مطلوب ہے۔

سوال: حقیقۃً اس کی تذکیر (یاد دلانا) اسے چھوڑ کر اسے ضلال کو کیوں علت قرار دیا گیا ہے؟

جواب: واقعی تذکیر ہی علت ہے لیکن اس کا سبب ضلال (بھولنا) ہے۔ چونکہ تذکیر کا سبب ضلال ہے اس لیے ضلال کو تذکیر کے قائم مقام لایا گیا ہے جیسے کہا جاتا ہے:

"اعددت السلاح ان یجیء عدو فادفعه"

اس مقولے میں ہتھیاروں کی تیاری دشمن کے دفعیہ کے لیے ہے نہ کہ اس کے آنے کے لیے لیکن چونکہ آنا سبب ہے

اس لیے مقدم کیا گیا ہے۔ ورنہ ان یہی تقدیم کا حق نہیں رکھتا۔ اب عبارت یوں ہوگی :

لاجل ان تذکر احداھما الاخری ان ضلت الشھادۃ بان نسیت ۔ یعنے گواہی میں عورتوں کی تعداد اس لیے ہے کہ دوسری کو یاد دلائے گی سبب کہ دوسری گواہی سے بھولنے لگے گی۔

ربط : اس مضمون کے بعد اب گواہوں کو گواہی دینے پر ترغیب ہے ۔ چنانچہ فرمایا :

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ إِذَا مَا دُعُوْا ؕ اور گواہوں کو انکار نہ کرنا چاہئے ۔ جب انہیں گواہی کے ادا کرنے یا گواہ بننے کے لیے بلایا جائے ۔

ف : ما اذا ما دعوا میں زائدہ ہے ۔

وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا ، اور نہ ہی اس میں ملال کرو جب کہ قرض کے معاملات بکثرت ہوں۔ اَنْ تَكْتُبُوْهُ ، اس سے تم اسے لکھو۔ یہاں ضمیر کا مرجع دین یا حق یا کتاب ہے ۔ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا ۔ یہ ان تکتبوہ کی ہ ضمیر سے حال واقع ہے یعنے وہ قرض قلیل ہو یا کثیر، مجمل ہو یا مفصل ۔ اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ اس کا متعلق محذوف ہے اور یہ بھی ان تکتبوہ کی ہ ضمیر سے حال ہے اور محذوف مستقراً ہے یعنی مقروض کے جو کچھ ذمہ ہے اسے اس کے اقرار کے مطابق میعاد مقرر کردہ لکھ لو۔ ذٰلِكُمْ ، اے مومنو! تم مقرر کردہ میعاد لکھ لینا۔ اَقْسَطُ ، زیادہ اچھا اور موزوں ہے۔ عِنْدَ اللّٰهِ ، اللہ تعالےٰ کے ہاں یعنے اس کے حکم میں۔ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ ، اور گواہی دینے اور اسے قائم رکھنے کے لیے زیادہ ثابت اور معین و مددگار ہے وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا ، اور زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم شک میں نہ رہو یعنے تمہارے شک کو دور کرنے کے لیے یہی طریقہ قریب تر ہے کہ اس میں یقین ہوگا کہ قرضہ کونسی شے ہے اور اس کی کتنی مقدار ہے اور اس کی میعاد کیا ہے اور اس کے کون کون گواہ ہیں وغیرہ وغیرہ ۔ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ ، ہاں وہ تجارت تمہارے درمیان چلتی رہتی ہے۔ یہ کتابت سے استثنا منقطع ہے یعنی ہاں تمہارا لین دین یا تجارت ایسی ہو کہ دونوں بدل (لینا دینا) حاضر موجود لین دین دست بدستی ہو۔ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اسے نہ لکھو یعنے تم پر نہ لکھنے کا گناہ نہیں کیا جب کہ نقدی سودا ہے اس میں نہ جھگڑنے کا خطرہ اور نہ بھولنے کا ۔ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ اور جب ایک دوسرے کے ساتھ بیع کا لین دین کرو تو گواہ بناؤ ۔ یہی تجارت مطلوب ہے یا ہر قسم کا لین دین اس لیے کہ گواہ بنانا احتیاط ہے ۔

ف : اس آیت میں تمام عند الجمہور ہے ۔

وَلَا يُضَآرَّ ۔ اس میں احتمال ہے کہ یہ معلوم کا صیغہ ہے یا مجہول کا۔ اگر معلوم کا ہو تو یہ نہی کاتب کے لیے ہے کہ جب اسے لکھنے کے لیے بلایا جائے تو کام بنا دے ۔ اس میں بلانے والوں کو نہ لکھ دینے سے ضرر نہ پہنچائے! اسی طرح تحریف اور زیادتی اور کمی نہ کرے لینے نہ رکے ۔

كَاتِبٌ، لکھنے والا کتابت مقصودہ سے۔ وَلَا شَهِيدٌ ؕ اور نہ رکے گواہ شہادت معلومہ کے ادا کرنے سے
اور اگر لایضار بصیغہ مجہول ہو تو پھر کاتب اور گواہ کو نقصان دینے سے روکا گیا ہے۔ جب کہ وہ کسی ضروری کام میں
مشغول ہوں، اور دوسرا بھی کام کے لیے تمھیں مل جاتا ہے تو خواہ مخواہ کتابت و گواہی کے لیے ان کا وقت ضائع کرکے
انھیں دکھ نہ پہنچائے۔

وَإِنْ تَفْعَلُوا ، اور اگر تم ارتکاب کروگے اس کا کہ جس سے تمھیں روکا گیا ہے۔ فَإِنَّهُ ، بے شک تمھارا یہی
عمل فُسُوقٌ بِكُمْ ؕ اطاعتِ الٰہی سے خروج ہوگا اور فساق سے منصور ہوگے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اور اللہ تعالے سے ڈرو، اس کے اوامر و نواہی کی مخالفت سے۔ منجملہ ان کے ایک یہی نقصان پہنچانا
بھی ہے۔ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ اور اللہ تعالے تمھیں اپنے احکام (کہ جن میں بے شمار حکمتیں ہیں) سکھاتا ہے۔ وَاللّٰهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ اور اللہ تعالے ہر شے کو جانتا ہے۔ تمھارے احوال اس سے مخفی نہیں۔ اور وہ تمھیں
ان کی جزا دے گا۔

یہ آیت قرآن مجید کی تمام آیات سے مسئلہ کی تشریح کے لحاظ سے طویل اور وجوہ کے اعتبار سے زیادہ بلیغ ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے واضح ہوا کہ حقوق العباد کی رعایت واجب ہے۔

مسئلہ: امور دینی ہوں یا دنیوی اموال پر احتیاط لازم ہے۔

نتیجہ: جو شخص حق کے لیے سعی کرتا ہے وہ نجات پاگیا ورنہ گمراہی کے گڑھے میں پھنسا۔

(ے)

کسے را کہ سعی قدم بیشتر
بدرگاہ حق منزلش بیشتر

ترجمہ: جس کے سعی کے قدم بڑھے ہوتے اس کی درگاہ حق میں منزل بھی بہت بڑی ہے۔

خلاصۃ التفسیر مع تفسیر صوفیانہ اللہ تعالے کو اپنے پر کمال رحمت ہے اسی لیے انھیں ان کے معاملات کے طریقے
بتائے تاکہ وہ ایک دوسرے پر تجاوز و ظلم نہ کریں اور نہ ہی آپس میں جھگڑیں اور لڑیں،
تاکہ ان کا آپس میں حسد، کینہ اور بغض نہ بڑھے۔ اسی لیے فرمایا کہ حقوق کو کتابت کرکے اور گواہ بنا کر معاملہ کو پختہ کرلو پھر
گواہوں کو حکم فرمایا کہ ان معاملات میں گواہی سے گریز نہ کرو۔ اسی طرح پھر جب گواہی دینے کا وقت آئے تو ایمانداری
سے گواہی دیں۔ اسی طرح کاتب کو حکم فرمایا کہ ایسے ہی لکھو جیسے تمھیں اللہ تعالے نے علم دیا ہے۔ ان امور میں کئی طرح اور
بے شمار دقائق پوشیدہ ہیں جن کا اجمالی بیان ہوا ہے کہ یہ دقائق تین احوال پر منقسم ہیں:

① حال اللہ مع عبادہ

② حال العباد مع اللہ

③ بندوں کا آپس میں معاملہ۔

① حال اللہ مع عبادہ :

اپنے الطاف کریمانہ کے آثار اپنے بندوں پر ظاہر کرتا ہے یہ اس کا کرم ہے کہ انہیں ان کے دنیوی امور اور اس کے معاملات سکھائے تاکہ دنیوی امور میں کسی قسم کا خسارہ نہ ہو اور نہ ہی ان کی آپس میں بغض و عداوت بھڑک اٹھے کہ جس سے ان کا عیش منغص ہو اور آخرت کا عذاب اٹھا۔

اس سے بندوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کے جتنے احکام شرعیہ لازم ہوئے ہیں وہ بھی بندوں کے لیے رحمت اور کمال شفقت پر مبنی ہیں۔ کہ بندوں پر لازم لائے تاکہ ان کی ادائیگی سے ان پر فیضان الٰہی کی بارش ہو۔ چنانچہ خود اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم۔ الآیۃ

② حال العباد مع اللہ :

یہ بندوں کو متنبہ کرنا ہے کہ ان دقائق کی رعایت صرف دنیوی امور کی بہبودی کے لیے ہے اور اخروی امور میں بھی بندوں اور معبود کے درمیان بے شمار دقائق ہیں۔ ان کے لیے بھی بندوں سے حساب ہوگا اور ان کے متعلق اچھی بات پر بندوں کو ذرہ ذرہ پر ثواب ملے گا اور ذرہ ذرہ کی برائی پر عذاب ہوگا بلکہ دنیوی امور کی رعایت سے اُخروی امور کی رعایت زیادہ اہم و ضروری ہے۔ جیسے اللہ تعالےٰ نے بندوں کو حکم فرمایا ہے کہ تم اپنے معاملات لکھ لیا کرو۔ اور ان پر نیک لوگوں کو گواہ بنا لیا کرو۔ اسی طرح میثاق میں جو بندوں سے معاملہ ہوا تھا اس نے بھی لکھ لیا تھا۔ چنانچہ فرمایا :

"ان اللہ اشتریٰ من انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ"

اس پر بندوں سے معاہدہ ہوا اور اس پر ملائکہ کرام کو گواہ بنایا اور اسے ایک عہدنامہ پر لکھ کر ایک بہشت کے یاقوتی پتھر (حجر اسود) میں امانت رکھ دیا۔

③ بندوں کا آپس کا معاملہ :

خیال کیجئے جب اللہ تعالےٰ بے پرواہ ہو کر ہمارے ساتھ نرمی اور لطف و کرم کا معاملہ فرمایا ہے تو ہمیں چاہیئے کہ ہم آپس میں نرمی اور رحمت و شفقت سے پیش آئیں۔ ہم اپنے مالک کے طریقوں کو اپنائیں بلکہ انہی نیک عادات کو اس بارگاہِ لایزال کا وسیلہ بنائیں۔ جب بندے آپس میں موافقت و مخالفت کا معاملہ کریں

تو انھیں چاہیئے کہ وہ حدودِ الٰہی کی پابندی کریں اور الحب فی اللہ اور المجذبۃ للہ و النصح للہ کا دامن تھامیں۔ اس طرح سے صراطِ مستقیم نصیب ہوگا اور نیک معاشرہ کی وجہ سے انھیں بہت بڑی کامیابی حاصل ہوگی۔

بہرحال ہر حالات میں اللہ تعالیٰ کے قرب میں رہنا چاہیئے۔ چنانچہ فرمایا:

واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ

اللہ تعالیٰ سے ہر حالات میں ڈرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں عبارات و اشارات سے سکھایا تم جو عمل کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ تمھارے ہر حال کو جانتا ہے قولی ہوں یا فعلی۔ علیم یعنے تمھارے دلی راز کو جانتا ہے اور مخفی اسرار کو بھی پھر تمھیں تمھارے احسن معاملہ پر تمھارے خلوص و صفائی نیت کے مطابق اور سچے ارادوں کے موافق جزا دے گا۔ مبارک باد کا مستحق ہے وہ بندہ جس نے اپنا دل برُے اخلاق سے صاف کر کے عالم سرِ اطلاق کی طرف عازم ہوا اور جمیع حالات میں اللہ تعالیٰ سے اچھا معاملہ کر کے بلند درجات کو پہنچا ؎

حقائق سرائیست آراستہ
ہوا و ہوس گرد برخاستہ
نہ بینی کہ جائے کہ برخاست گرد
نہ بیند نظر گرچہ بینا است مرد

ترجمہ: حقائق ایک آراستہ سرائے ہے ہوا و ہوس اس کے اردگرد کھڑی ہیں۔ نہیں دیکھتے ہو کہ جہاں گرد اٹھتی ہے وہاں کچھ نظر نہیں آتا اگرچہ دیکھنے والا کتنا ہی تیز نگاہ کیوں نہ ہو۔

عالمِ غیب ایک مزین گھر کی طرح ہے اور خواہشات نفسانیہ اڑتی ہوئی غبار کی طرح۔ اگر کوئی خواہشات نفسانی کو نہیں چھوڑتا وہ کبھی عالم قدس اور محبوب حقیقی کا دیدار نہ پائے گا۔ اس لیے کہ دیکھنے والے اور جسے دیکھنا چاہتے ہیں کہ درمیان حجاب حائل ہو تو روئیت نہیں ہوسکتی۔ اس لیے سالک کو چاہیئے کہ درمیان سے پردے ہٹائے تاکہ وصول العین سے مشرف ہو۔

تفسیر عالمانہ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ، اور اگر تم سفر میں ہو یعنے سفر کا ارادہ رکھتے ہو یا سفر کی طرف متوجہ ہو۔ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا، لین دین کی کتابت کے لیے کاتب نہیں ملتا یا وہ کتابت نہیں کر سکتا یا کاغذ نہیں یا دوات اور قلم نہیں وغیرہ وغیرہ۔

سوال: شاہد کا نام کیوں نہیں لیا گیا؟

جواب: اعتبار اور بھروسہ کے لحاظ سے وہ بھی کاتب کے حکم میں ہے۔

فَرِهٰنٌ۔ یہ رہن کی جمع ہے یعنے پھر اعتبار دیا جائے رہن سے۔ مَّقْبُوْضَةٌ، جو کہ مرتہن کو قبضہ دے دیا جائے

یعنے وہ رہن اس کے سپرد کر دی جائے۔
مسئلہ: رہن میں قبضہ ضروری ہے لیکن یہ بھی اگر کوئی شے رہن رکھی ہے اور وہ مرتہن کو سپرد نہیں کی تو اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔
سوال: رہن کے لیے سفر کی شرط کیوں، حالانکہ وہ ہر طرح جائز ہے سفر ہو یا حضر؟
جواب: جب سفر میں یہ معاملہ درپیش ہو تو عموماً سفر میں معتمد علیہ کاتب اور شاہد کا ملنا دشوار ہوتا ہے اس لیے اس میں رہن کی تصریح کی گئی ہے تاکہ یہ رہن کاتب اور شاہد کے قائم مقام واقع ہو تاکید بن کر تاکہ مال کی حفاظت کے لیے اعتماد حاصل ہو۔ پس کلام اعم اغلب کی حیثیت سے یہ کلام واقع ہوگا نہ کہ علی طریق شرط۔
حدیث شریف: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ طیبہ میں ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ رہن رکھ کر اپنے اہل وعیال کے لیے بیس سیر جو لئے۔
فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا، پس اگر بعض تمہارا کسی کے ہاں امانت رکھے کہ اس پر نیک گمان رکھتا ہے اور وہ اپنی امانت رکھنے میں رہن کی اشیاء کی ضرورت نہیں سمجھتا تو اس سے رہن نہ مانگے (تو کوئی حرج نہیں) فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ، پس چاہیئے کہ ادا کرے وہ کہ جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے۔
ف: الائتمان بمعنے الوثوق بامانۃ الرجل، کسی پر اعتماد کر کے امانت رکھنا۔ اسے یوں اس لیے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ امانت کی ادائیگی پر ترغیب دی گئی ہے۔
اَمَانَتَهٗ۔ اس کی امانت یعنے پس چاہیئے مطلوب امین ادا کرے وہ شے جو اس کے ذمہ ہے قرض وغیرہ جو اس نے رہن کے بغیر پاس رکھا ہے۔ اس امانت کا نام قرض اس لیے رکھا ہے کہ جس طرح قرض ذمہ میں ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ۔ اور چاہیئے کہ ڈرے اپنے رب معبود سے۔ حقوق الامانۃ کی رعایت اور بلا تاخیر ادائیگی ترک میں۔ وَلَا تَكْتُمُوا، اور اے گواہو! جب کہ تمہیں حاکم کی طرف بلایا جائے تو تم گواہی کو صحیح طریق سے ادا کرو۔ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ۔ اور جو اس گواہی کو چھپاتا ہے تو اس کا دل گنہگار ہے۔ یہ قلبہ، آثم کا فاعل ہے گویا یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہوا کہ جو شخص گواہی کو چھپائے تو اس کی کیا سزا ہے تو جواب ملا، آثم قلبہ۔
سوال: یہاں صرف آثم کہہ دینا کافی تھا قلبہ کے اضافے سے کیا فائدہ۔ علاوہ ازیں ایسے گناہ سے صرف قلب نہیں بلکہ انسان کا مجموعہ (جس میں قلب بھی شامل ہے) گنہگار ہے؟
جواب (۱) گواہی چھپانے کا یہ معنٰے ہے کہ اسے بالکل چھپا دے کہ کسی کے سامنے بیان تک نہ کرے پھر چونکہ یہ کام دل کا ہے اور جو فعل کسی عضو سے سرزد ہو تو اس کی طرف فعل کا اسناد کرنا زیادہ بلیغ ہے۔ دیکھئے تم اپنے چند افعال کی تاکید کرتے ہوئے کہتے ہو؛

البصرته عینی ، ما سمعته اذنی ، فما عرفه قلبی' یعنے اسے میری آنکھ نے دیکھا ، اسے میرے کان نے سنا ، اسے میرے دل نے پہچانا وغیرہ وغیرہ ۔

(۲) دل رئیس الاعضاء اور گوشت کا ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر وہی درست رہا تو تمام جسم درست رہتا ہے۔ اگر وہ فاسد ہو جائے تو تمام جسم فاسد ہوگا۔ گویا اس کا معنٰے یہ ہوا کہ گناہ انسان کے اصل نفس میں جاگزیں ہوا اور اس کا بہترین جگہ ہے اس پر اس نے قبضہ کر لیا ۔

(۳) اس سے اس کا ازالہ بھی مطلوب ہے کہ گواہی چھپانے کا تعلق فقط زبان کے گناہوں سے ہے بلکہ اس کا تعلق دل سے بھی ہے ۔

(۴) یہ بھی معلوم ہو کہ گناہ کا اصلی تعلق تو قلب سے ہے بالاصالۃ اس کا ارتکاب دِل کرتا ہے زبان اس کی ترجمان ہے۔

(۵) افعال القلب باقی تمام جسم کے اعضاء کے افعال سے اعظم ہیں گویا افعال اصول ہیں باقی اعضاء کے افعال ان کی فروع ہیں۔ جو انہی اصول سے یہ فروع صادر ہوئے جیسے حسنات سیئات (نیکی اور برائیاں) کا اصل "ایمان وکفر" ہیں۔ اور یہ دونوں بھی افعال قلب سے ہیں اور گواہی چھپانا افعال قلب سے ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ بہت بڑے گناہوں سے ہے ۔

مسئلہ : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما سے مروی ہے کہ یہ بہت بڑے گناہوں سے ہے۔ اللہ تعالٰی کے ساتھ شرک کرنا جیسے اللہ تعالٰے نے فرمایا :

"فقد حرم الله علیه الجنة " (تو اس پر اللہ تعالٰے بہشت حرام فرمائے گا) اور جھوٹی گواہی اور گواہی چھپانا یہ سب بڑے گناہوں سے ہیں ۔

مسئلہ : گواہی چھپانا اور جھوٹی گواہی دینا ہر دونوں ایسے فعل ہیں کہ جن کا مرتکب مستحق نار ہے۔ یہ دونوں عمل قلب کے کھوٹ کا سبب ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا : فانه اٰثم قلبه ۔

یہاں پر اثم سے مراد مسخ القلب ہے (نعوذ باللہ من ذالک) اور یہ دونوں لوگوں میں عموماً واقع ہوتے ہیں اور اس سے بے شمار برائیاں اُٹھ کھڑی ہوتی ہیں مثلاً لڑائی جھگڑا وغیرہ وغیرہ ۔

تفسیر صوفیانہ : اہل دین کے دو گروہ ہیں :

① الواقفون

② السائرون

واقف وہ ہے جو صرف صورت تک محدود ہو اور عالم معنٰے تک اس کی رسائی نہ ہو۔ اس کی مثال اس چوزے کی ہے جو ابھی انڈے کے اندر محبوس ہے ۔ ایسے شخص کا مشرب معاملات تذبذب پر مبنی رہتے ہیں۔ اسے عالم قلب سے کسی قسم کا سروکار نہیں ہوتا۔ وہ جسد کے قید خانہ میں پھنسا رہتا ہے۔ اس کے دو فرشتے کراماً کاتبین مقرر ہوتے ہیں جو اس کے ہر چھوٹے بڑے

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ
یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ
شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ
اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۫ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۫ وَ
قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ٭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ۝ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا
اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِیْنَاۤ اَوْ
اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا
تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ٭ وَاغْفِرْ لَنَا ٭ وَارْحَمْنَا ٭ اَنْتَ مَوْلٰىنَا
فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ۝ ع

ترجمہ: اللہ تعالٰے کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور تم ظاہر کرو وہ جو تمھارے جی میں ہے یا چھپاؤ اللہ تعالٰے تم سے اس کا حساب لے گا۔ پھر جسے چاہے بخش دے جسے چاہے سزا دے اور اللہ تعالٰے ہر چیز پہ قادر ہے۔ رسول ایمان لایا اس پر جو اللہ تعالٰے کی طرف سے نازل ہوا اور ایماندار وں نے بھی سب کے سب نے مانا اللہ تعالٰے اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو۔ اور قائل ہیں کہ ہم اس کے رسولوں کو ماننے میں کوئی فرق نہیں کرتے اور کہا کہ ہم تیری بخشش مانگتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے اللہ تعالٰے کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی وسعت کے مطابق۔ اس کا فائدہ ہے جو اس نے نیکی کمائی اور اس کا نقصان ہے جو اس نے برائی کمائی۔ اے ہمارے پروردگار! گرفت نہ فرما اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں۔ اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا کہ تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر رکھا تھا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم پر بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہمیں معاف فرما دے اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہمارا کارساز ہے اور کافروں پر تُو ہماری مدد فرما۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۲۹)

ظاہری اعمال کہتے ہیں۔

سائر وہ ہوتا ہے جو کسی مقام پہ نہیں ٹھہرتا اور نہ ہی کسی منزل پہ اترتا ہے بلکہ دائماً آگے بڑھتا رہتا ہے وہ عالم صورت کا سفر کرتے ہوئے عالم معنے میں جانے کی سعی کرتا ہے۔ اجساد کی تاریک و تنگ گلیوں سے نکل کر ارواح کے میدان

کودنے کی کوشش کرتا ہے۔
سائر کی دو قسمیں ہیں :

① سیّار (پیدل چلنے والا)
② طیّار (اڑنے والا)

سیّار وہ ہے جو طریقت کے راستہ پر شریعت و عقل کے قدموں سے چلے۔ اور طیار وہ ہے جو حقیقت کی فضاء میں عشق و ہمت کے پردوں سے اڑے لیکن ان کے پاؤں میں شریعت کی جھانجھر لگی ہو۔

(وان کنتم علی سفر ولم تجدوا کاتبا) میں اسی سیار کی طرف اشارہ ہے جو جسم اور حواس کی قید اور زحمت التوکیل سے فارغ ہو جائے تو پھر اس کا کاتب کوئی اس کا عمل نہ لکھے۔

حکایت (۱) ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ بیس ۲۰ سال تک ان کے بائیں طرف والا فرشتہ ان کا کوئی برا عمل نہ لکھ سکا۔

(۲) ایک دوسرا واقعہ ہے وہ فرماتے ہیں : میرے دائیں جانب والے فرشتے نے کہا کہ حضرت مجھے اپنے قلبی واردات سے کچھ بتائیے تاکہ میں انھیں آپ کے اعمال نامے میں درج کروں۔ اس سے مجھے یہ فائدہ ہوگا کہ میں اس طرح سے قرب الٰہی کی دولت سے نوازا جاؤں گا۔ بزرگ نے فرمایا کہ میں نے یہ جواب دیا تاکہ تیرے لیے میرے فرائض کی عبادت لکھنے کے لیے کافی ہے۔

ف : حبس و قید اور توکیل یعنی فرشتوں (کراماً کاتبین) کا تعین ہر اس شخص کے لیے ہے جو صاحب حق کا حق ادا نہ کرے یا اس سے گریزاں ہو تو اس کے ساتھ قید و حبس اور توکیل کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اور ہر وہ شخص جو شب و روز اپنے قرض خواہ کی تلاش میں ہو اور حق کی ادائیگی میں سرگرداں ہو تو اس کے لیے نہ توکیل کی ضرورت ہے اور نہ قید و بند کی۔

ولم تجدوا کاتبا فرھٰن مقبوضۃ اس میں اس سیّار کی طرف اشارہ ہے جو اپنے قلب کو بارگاہ کا نذرانہ کر دے۔ رھان سے مُراد وہ قلوب ہیں جن میں غیر اللہ کی بو نہ رہے۔ ایسے قلوب اللہ تعالٰے کے قبضہ میں ہوتے ہیں۔ اور طیّار اس عشق کو کہا جاتا ہے جو مفقود القلب مسلوب العقل مجذوب السیر ہو۔ اس سے کسی قسم کی رہن کا مطالبہ نہیں ہوتا۔ یہ عشق کی سخت گرفت میں ہوتا ہے اور ایسا فریفتہ کہ جس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور ایسے معشوق کے عشق کا ہر معاملہ عجیب و غریب ہوتا ہے۔ اس سے نجات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آسمان و زمین اور نہ ہی دنیا و آخرت میں ایسا امین کوئی نہ ملا جو بارِ امانت کو اٹھا سکے۔ ایک یہی عاشق مسکین ہے جو بار امانت اٹھانے کے لیے میدان میں نکلا۔

(تفسیر آیات صفحہ نمبر ۱۳۰)

تفسیر عالمانہ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ، جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ

سب اللہ تعالیٰ کا ہے۔ آسمان اور زمین کی حقیقت میں امور داخلہ ہوں یا خارجہ جو انہی سے حاصل ہونے والے ہیں۔ وہ ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ پیدائش و ملک و تصرف کے لحاظ سے کسی وجہ سے بھی کوئی اس کا شریک نہیں فلہٰذا سوائے اس کے کسی کی بھی عبادت نہ کرو۔

وَاِنْ تُبْدُوْا، اور اگر ظاہر کرو۔ مَافِیْٓ اَنْفُسِکُمْ، وہ جو تمہارے دلوں میں ہے برائی میں سے اور اس کا عزم قولاً یا فعلاً۔ اَوْتُخْفُوْہُ، یا اسے چھپاؤ یعنے لوگوں سے ایسا پوشیدہ کرو کہ کسی کو بھی اس کی اطلاع نہ ہو سکے۔ ہر وجہ سے ان سے مخفی کیوں نہ ہو جیسے گواہی چھپانا اور مشرکین سے دوستی کرنا یا دیگر مناہی۔

مسئلہ؛ اس میں وہ اعمال داخل نہیں جو وساوس انسان کے دل پر آتے ہیں۔ ایسے وہ خیالی باتیں جن پر کسی قسم کا دلی ارادہ نہیں اور نہ ہی اس پر دل جمتا ہے اس لیے کہ تکلیف اعمال و وسعت انسان کے مطابق ہوتی ہے اور ان وساوس وغیرہ کا دفیعہ قوت بشریہ سے باہر ہے۔

یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ، اس کا تم سے اللہ تعالیٰ حساب لے گا یعنے قیامت میں ان پر تمہیں جزا دے گا۔

مسئلہ؛ آیت میں منکرین حساب (جیسے معتزلہ و رافض) کا رد ہے۔

فَیَغْفِرُ پس وہ اپنے فضل سے بخشتا ہے۔ لِمَنْ یَّشَآءُ، جس کے لیے چاہتا ہے۔ اگرچہ گناہ کبیرہ ہوں تب بھی چاہے تو بخش دیتا ہے۔ وَیُعَذِّبُ اور عذاب دیتا ہے یعنے عذاب تیار ہے۔ مَنْ یَّشَآءُ، جس کے لیے چاہتا ہے کہ اسے عذاب میں مبتلا کرے۔ اگرچہ وہ معمولی گناہ ہو، مبنی بر حکمت و مصلحت جیسے اس کی مشیت کا تقاضا ہوتا ہے۔

مسئلہ؛ کفار کو یقیناً عذاب ہوگا۔

نکتہ؛ عذاب پر مغفرت کی تقدیم اس لیے ہے کہ رحمت کو غضب پر تقدم حاصل ہے۔

وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پہ قادر ہے جب ہر شے پر کمال قدرت ہے تو پھر اسے محاسبہ اور اس کی تفریعات جیسے مغفرت و تعذیب پر بھی قدرت ہے۔

مسئلہ؛ تیسیر میں ہے کہ اوتخفوہ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ جو وساوس قلب پہ وارد ہوتے ہیں۔ ان پر بھی مواخذہ ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ کفر پر عزم بالجزم ہو تو کفر ہے ورنہ نہیں۔

مسئلہ؛ گناہ کرنے کا ارادہ نہیں صرف دل پر خیال گزرتا ہے تو بھی کوئی گناہ نہیں۔

مسئلہ؛ گناہ کرنے کا پختہ ارادہ تو ہو گیا لیکن اس پہ ندامت کر کے اس ارادہ سے باز آگیا اور استغفار کی تو وہ بھی گناہ نہیں ہے۔

مسئلہ؛ گناہ کرنے کا خیال ہوا لیکن کوئی ایسا مانع درپیش ہوا جو اس کے اختیار سے باہر نہیں لیکن وہ اپنے خیال پر قائم ہے تو اس کے فعل کے ارتکاب کی سزا نہیں ملے گی مثلاً کسی کو زنا کرنے کا خیال ہوا تو اسے زنا کی سزا نہیں۔

مسئلہ: پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا اسے اس خیال کی بھی سزا ہے یا نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ خیالی بات معاف ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

"میری امت سے اللہ تعالٰے نے وہ گناہ معاف فرمائے ہیں جو ان کے دل میں خیالی طور پر آتے ہیں جب تک کہ انہیں عمل میں نہ لائے یا زبان پر جاری نہ کرے"

مسئلہ: تحقیق یہ ہے کہ انسانی خیالات پر اس وقت مواخذہ ہوگا جب کہ اس گناہ کے کرنے کا عزم بالجزم کرے۔ اگر عزم بالجزم نہیں تو کوئی مواخذہ نہیں۔ اس لیے کہ مواخذہ عزم بالجزم پر ہے۔ (امام ابو منصورؒ)

مسئلہ: بہت سے ایسے مواقع ہوتے ہیں جن میں انسان دوسرے انسان کے گناہ میں شریک سمجھا جاتا ہے اگرچہ وہ اس کا ارتکاب بھی نہ کرے مثلاً کسی نے قتل اور زنا کا ارتکاب کیا لیکن دوسرا اس کے ارتکاب پر راضی ہے اور چاہتا ہے کہ کاش! میں بھی یہ فعل کرتا۔ تو یہ نہ کرنے والا کرنے والے کے گناہ میں برابر کا شریک ہے

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی قوم سے ان کے اعمال کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو قیامت میں وہ انہی کے ساتھ اٹھے گا یعنی اس جماعت میں شمار ہوگا اور انہی کے ساتھ حساب میں شامل ہوگا۔ اگرچہ ان جیسا عمل بھی نہ کرے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ دل سے غلط خیالات دور کرے اور فاسقوں کے ساتھ نشست و برخاست نہ رکھے تاکہ قیامت میں ان کے ساتھ نہ اٹھایا جائے۔

گر نشیند فرشتہ با دیو
وحشت آموزد و خیانت وریو
از بداں نیکوئی میا موزی
نہ کند گرگ پوستیں دوزی

ترجمہ: اگر فرشتہ دیو کے ساتھ اٹھے گا تو وحشت، خیانت اور مکر سیکھے گا پھر نیکوں سے نیکی نہ سیکھ سکے گا اس لیے بھیڑیا پوستین دوزی نہیں کرتا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالٰے بندوں سے دائمی مراقبہ اور ہمیشہ کا محاسبہ طلب کرتا ہے تاکہ وہ حرکات ظاہرہ کے حفظ اور خطرات باطن کے ضبط سے غافل نہ ہو جائیں کہ جس سے عبودیت کے آداب میں کسی ایک میں کوتاہی نہ کر بیٹھیں۔ اگر ہوا تو پھر سطوات الوہیت سے ہلاکت کے گڑھے میں جا پڑیں گے۔

جان اے جان من: انسان کی ترکیب عالم خلق اور عالم امر سے ہوئی ہے۔ روح نورانی امر سے ہے اور ملکوت اعلیٰ اسی عالم امر کو کہتے ہیں۔ اور نفس ظلمانیہ سفلیہ سے ہے جو عالم خلق سے ہے۔ ان ہر دونوں کو اپنے اپنے عالم کی طرف میلان ہے یعنی

روح کو عالم امر کی طرف اور نفس کو عالم خلق کی طرف۔ روح کی تمنا ہوتی ہے کہ رب العالمین کے قرب و جوار میں جگہ ملے اور نفس کا ارادہ ہوتا ہے کہ حق سے دُوری اور اسفل السافلین میں جگہ ملے، اسی لیے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تاکہ نفوس کو گندے اوصاف سے پاک و صاف کر کے قرب و جوارِ حق کا مستحق بنا دیں۔

نفوس کا تزکیہ یہ ہے کہ نفس کے گندے اوصاف مٹا کر اخلاق روح کے انوار سے مزین کریں اور انھیں انوار سے نفوس کو سنواریں۔

یہ مقام اولیاء اللہ کا ہے جو انھیں اللہ تعالےٰ ظلمات سے نکال کر نور کی طرف پہنچاتا ہے اور شیاطین کو بھیجتا کہ وہ اپنے دوستوں (جو کہ وہ اللہ تعالےٰ کے دشمن ہیں) کے ارواح کو نورِ روحانی سے نکال کر ظلمات نفسانیہ کی طرف پہنچائیں بایں طور کہ جو ان کے ارواح کے انوار ہیں انھیں کے گندے اخلاق سے چھپا ڈالے تاکہ وہ شیطان کے دوست اسفل السافلین کے گڑھے میں گرنے کے مستحق ہو جائیں۔ اب محققین کے نزدیک آیت کا معنےٰ یوں ہوا: ان تبدوا ما فی انفسکم۔ اگر وہ جو تمھارے نفوس میں اوصاف ظاہری ظلمات اوصاف نفسانیہ امانت رکھے گئے ہیں۔ ساتھ مخالفات شرع سے اور باطنی طور پر موافقات طبیعہ سے ظاہر کرو گے یا موافقت شریعت و مخالفت طبیعہ میں تصرفات طریقت کے ساتھ چھپاؤ گے تو اللہ تعالےٰ تمھارا محاسبہ کرے گا۔ نفس کو پاک کر کے انوار روح اور اس کے اخلاق کو قبول کرنے کے لیے یا روح کو ملوث کرے گا۔ ظلماتِ نفس اور اس کے اخلاق کے ظلمات سے۔

فیغفر لمن یشآء یعنے اس کے نفس کو انوار روح سے اور رُوح کو انوارِ حق سے منور کرے گا۔ و یعذب من یشآء یعنے اس کے نفس کو جہنم کے شعلوں سے اور اس کے روح کو علی کبیر یعنے ذات قدر کی جدائی کی نار میں مبتلا کرے گا۔ واللہ علی کل شیء قدیر اور اظہار لطف اور عالم خلق و امر کی ترکیب کے قہر پر قادر ہے۔ (کذا فی التاویلات الکامل نجم الدین دایہؒ)

تفسیر عالمانہ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ رسول پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تصدیق فرمائی۔ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ، ان کی طرف ان کے رب تعالےٰ کی طرف سے اس سے تفصیلی ایمان مراد ہے کہ جتنا قرآن میں شرائع و احکام آیات قرآنی ہوں گی، قصص و مواعظ اور احوال الرسل والکتب وغیرہ وغیرہ موجود ہیں بایں حیثیت کہ وہ اللہ تعالیٰ سے نازل کردہ ہیں۔

مسئلہ: قرآن مجید کے احکام کی حقیقت پر ایمان لانا اور اس کی خبروں کو سچا ماننا وغیرہ ایمان بالقرآن بحیثیت مذکور ایمان کے شعبوں سے ہیں۔

مسئلہ: نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایمان لانے کا یہ معنے نہیں کہ آپ کو پہلے قرآن پر ایمان نہیں تھا۔ اب انھوں نے ایمان لایا (معاذ اللہ) بلکہ یہ معنے ہے کہ آپ رسالت سے پہلے ہی قرآن پر ایمان لائے۔ اس لیئے کہ آپ رسالت سے قبل بھی اللہ تعالےٰ اور اس کی الوہیت پر ایمان رکھتے تھے۔ اس کے سوا اور کوئی مطلب بیان نہیں کیا جا سکتا اور یہاں پر

بھی ایمان بالقرآن مراد ہے۔ اس لیے کہ قبل از نزول حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر ایمان لانے کے مکلف نہیں یہی مطلب ہے اس آیت کا "ما کنت تدری ما الکتب ولا الایمان" اس لیے کہ اللہ تعالے نے اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

"وما کنت ترجوا ان یلقی الیک الکتاب"

وَالْمُؤْمِنُوْنَ۔ مومنین یعنی وہ گروہ جو ایمان کی صفت سے موصوف ہیں۔ اور یہ مبتدا ہے۔ كُلٌّ۔ یہ دوسرا مبتدا ہے اٰمَنَ۔ دونوں کی خبر ہے۔ دراصل یہ مبتدا اول کی خبر ہے اور ان کے مابین ربط پیدا کرنے والا تنوین ہے۔ جو کل میں واقع ہے۔ وہی ضمیر کا نائب یعنی قائم مقام ہے۔

سوال: آمن واحد کا صیغہ ہے اس کی ضمیر کل المؤمنون کی طرف راجع ہے یہاں جمع کی ضمیر ہونی چاہیئے تھی؟

جواب (۱) ضمیر واحد کی دلالت کرے گی کہ ان میں ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ ایمان معتبر ہے، بلا اعتبار الاجتماع۔

(۲) اس طرح سے ماقبل کا نظم ونسق (عبارت) بھی بحال رہتا ہے۔

(۳) تاکہ معلوم ہو جائے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسروں کے ایمان میں بہت زیادہ فرق ہے۔ بلکہ من کل الوجوہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ہیئت کہ ان کے ایمان پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں بھی مختلف ہیں۔

بِاللّٰهِ، اللہ تعالے واحد پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ الوہیت ومعبودیت میں لاشریک ہے اسے اثباتی وتوحیدی ایمان کہتے ہیں۔ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ، اس کے فرشتوں کو مانتے ہیں۔ اس حیثیت سے کہ وہ اللہ تعالے کے مکرم بندے ہیں۔ وہی اللہ تعالے اور رسولوں کے درمیان وسیلہ ہیں کہ اللہ تعالے سے کتابیں لے کر انبیاء علیہم السلام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالے سے وحی لے کر حضرات انبیاء علیہم السلام کے حضور میں لاتے ہیں۔ اور اس کا نام تصدیقی ایمان ہے بایں معنی کہ دونوں یعنے کتاب و وحی اللہ تعالے کی طرف سے ہیں اور تصدیق کرنا کہ اللہ تعالے نے جن چیزوں کو حلال فرمایا ہے وہ حلال ہیں اور جنھیں حرام فرمایا ہے وہ حرام ہیں۔

وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ تف اور اللہ تعالے کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا بحیثیت مذکورہ اس کا نام ایمان الاتباع والطاعۃ ہے۔

سوال: ایمان بالیوم الآخر کا ذکر کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: یوم آخرت کا حکم کتابوں پر ایمان لانے میں داخل ہے اور یہ اس وقت ہے جب کہ من ربہ پر وقف کیا جائے اور المومنون کو جدید کلام قرار دیا جائے اور اس کا عطف الرسول پر ہو اور اس پر بھی وقف کیا جائے اور وہ ضمیر جس کا عوض كُلٌّ کا تنوین ہے وہ دونوں معطوف ومعطوف علیہ کی طرف بیک وقت راجع ہوگا۔ اب عبارت یوں ہوگی:

امن الرسول والمومنون بما انزل الیہ من ربہ ۔

اس کے بعد باقی تفصیل ہوگی ۔

بعض حضرات نے کہا کہ دراصل عبارت یوں تھی :

کل واحد من الرسول المومنون امن باللہ ۔

سوال : اگر یہی ترکیب صحیح مانی جائے تو نحوی قاعدہ کے لحاظ سے ترکیب غلط ہوتی ہے وہ اس طرح کہ مؤمن بہٖ (جس پر ایمان لایا جائے گا) یعنے بما انزل الیہ من ربہٖ معطوف پر تقدیم لازم آتی ہے ؟

جواب[1]**:** جس شے میں اہتمام مقصود ہو اسے ہر طرح سے مقدم کرنا جائز ہوتا ہے ۔

(۲) حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان اقدس کا اظہار مطلوب ہے کہ ایمان کے متعلق اصل آپ کی ذات ہے باقی ایمان لانے والے آپ کی فرع ہیں ۔

یہ دوسری وجہ کواشی رحمہ اللہ تعالےٰ نے اختیار فرمائی ۔ اس لیے انہوں نے المومنون پر وقف جائز فرمایا ہے ، اور یہی وجہ احسن ہے تاکہ مومن بھی اس ایمان میں داخل ہو جائیں اور یہ عطف و وقف کے لحاظ سے احسن سمجھا جائے گا ۔

لَا نُفَرِّقُ ، ہم کسی قسم کا فرق نہیں کرتے یعنے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مومن کہتے ہیں کہ ہم کسی قسم کا امتیاز نہیں کرتے ۔ **بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ** کسی ایک کو رسولوں میں سے کہ ہم بعض پر ایمان لائیں اور بعض کے ساتھ کفر کریں جیسے یہود و نصاریٰ کرتے ہیں ۔

ف : واحدؔ یہاں پر جمع کے معنے میں ہے یعنی واحد بمعنے آحاد ۔ اس لیے اس کا مضاف لفظ بین ہے اور بین متعدد کی طرف مضاف ہوا کرتا ہے ۔

ف : احد وہ ہے جو اپنے ساتھ ہر عدد کی نفی کرتا ہے اور واحدؔ وہ ہے جس پر گنتی کی ابتدا ہوتی ہے ۔ نیز احد وہ ہے جس کا کوئی ثانی نہ ہو اور وحید وہ ہے کہ جس کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا ۔

وَقَالُوْا ، اور کہا ۔ اس کا عطف اٰمن پر ہے ۔

سوال : اٰمن واحد ہے اور قالوا جمع ، جمع کا واحد پر عطف کیسے جائز ہو سکتا ہے ؟

جواب : اٰمن معناً جمع ہے باعتبار من کے اس لیے کہ اٰمن حکایت ہے ، ان کے اوامر و انہی کے ماننے کی یہی حکایت ان کے ایمان کی نشانی ہے بنا بریں قالوا کا عطف اٰمن پر جائز ہے ۔

سَمِعْنَا ، ہم نے سنا یعنے وہ حکم جو حق سے ہمارے ہاں آیا ۔ اسے ہم نے سمجھا اور اس کی صحت پر ہمیں یقین ہے ۔

وَاَطَعْنَا ، اور جو اس کے اندر اوامر و نواہی ہیں ہم نے ان کی اطاعت کی ۔

شان نزول : جب یہ آیت اتری تو حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ

نے آپ کی اور آپ کی امت کی تعریف (تحسین) کی ہے۔ آپ جو مانگیں گے پائیں گے۔ اس پر حضور سرور عالم صلے اللہ تعالٰے علیہ وآلہٖ وسلم نے کہا:

غُفْرَانَكَ رَبَّنَا، اے اللہ! ہم تیری بخشش چاہتے ہیں۔ غفرانک کا عامل محذوف ہے۔ یہ دراصل اغفرلنا غفرانك تھا جیسے فضرب الرقاب میں عامل محذوف ہے کہ دراصل فاضربوا تھا یا یہ غفرانك کا مفعول بہ ہے اس کا عامل بھی محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے:

نسئالك غفرانك ذنوبنا المتقدامة .... الخ یعنے ہم تجھ سے ان گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں جو ہم سے قبل ازیں سرزد ہوئے۔ یا ان غلطیوں کی بخشش مانگتے ہیں جو کہ عموماً بشر سے بحیثیت بشر کے تیرے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں۔

ف: تاکہ اغفرلنا کا تکرار لازم نہ آئے جو کہ اسی سورت کے آخر میں واقع ہوا ہے۔ (واغفرلنا)

سوال: سمع وطاعت کو غفرانک پر مقدم کیوں کیا گیا ہے؟

جواب: سمع وطاعت غفران کا وسیلہ ہے اور وسائل مقاصد سے مقدم ہوا کرتے ہیں اور پھر ہر وہ دعا جس سے پہلے کوئی وسیلہ ہو وہ قبولیت واجابت کے قریب تر ہوتی ہے۔

وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ۝ اور صرف تیری ہی طرف پھرنا ہے۔ موت سے اور قیامت میں۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت امام قاشانی رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا:

اٰمن الرسول ..... الخ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرآن پاک کو قبول کر کے تصدیق کی اور اسی پر اپنی سیرت کو ڈھالا۔ جیسے بی بی عائشہ رضی اللہ تعالٰے عنہا نے فرمایا: کان خلقه القرآن یعنے حضور علیہ السلام کا خلق قرآن ہی ہے۔

مسئلہ: بلا عمل خالی تلاوتِ قرآن کا کوئی فائدہ نہیں۔

تمثیل: تفسیر الحنفی میں اس کی پوری مثال یوں دی ہے کہ وقت کا بادشاہ اپنے کسی خادم کو اپنی شاہی کا کچھ حصہ اور ریاستِ حکومت عنایت فرما کر اپنا نائب مقرر فرمائے اور اسے اس کا عہدنامہ بھی لکھ دے تاکہ دکھا کر وہاں کی رعیت کو اپنے حکم کے تابع فرماں بنا سکے۔ چنانچہ وہ عہدنامہ لے کر اس علاقہ میں پہنچ کر حکمرانی شروع کر دے اور رعیت اس کے فرمان کے مطابق سرِ تسلیم خم کر دے۔ اس کے بعد وہی بادشاہ اسے خط لکھ کر فرمائے کہ میں چند روز تک تیرے علاقہ میں آرہا ہوں، شایانِ شان کوئی ایسا محل تیار کریں کہ جس میں آ کر آرام کروں۔ جب اس کے پاس بادشاہ کا خط پہنچے تو اس کے حکم کے مطابق وہ محل تو نہ بنوائے لیکن بادشاہ کے خط کو روزانہ صرف پڑھ لیا کرے۔ اس کے بعد جب حسبِ وعدہ بادشاہ تشریف لائے۔ اب بتایئے! وہ شخص اپنے بادشاہ سے خلعت پائے گا یا نہیں۔ بظاہر تو ایسے ہے کہ بادشاہ اسے

جوتے لگائے گا یا کم از کم گالیاں تو ضرور دے گا یا نیابت و سلطنت چھین کر قید میں محبوس کرے گا۔ بعینہٖ یہی کیفیت قرآن کی ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالٰے کا حکم ہوا: اے میرے بندو! دین کے ارکان کو مضبوط کرو۔ چنانچہ اللہ تعالٰے نے حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمایا: اے داؤد! (علیہ السلام) میرے لیے ایک گھر بنائیے کہ جس میں قیام کروں۔

ف: بندوں کو دین کی تعمیر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ۔

اور فرمایا:

کتب علیکم الصیام... الخ

اور فرمایا:

وللہ علی الناس حج البیت۔

ف: قرآن کا پڑھنا اس بادشاہ کے حکم کی طرح ہوگا جیسے ہم نے تمثیل میں بیان کیا ہے۔

مسئلہ: بلا عمل تلاوت سے اسے بہشت نصیب نہ ہوگی کیونکہ فرمان تو ہے:

جزآء بما کانوا یعملون (اچھے اعمال پر جزائے خیر نصیب ہوگی)۔ (یہ صرف مثال کی حیثیت سے بیان فرمایا' ورنہ تلاوتِ قرآن مجید کا بھی ثواب ملے گا۔ "مترجم")۔

چنانچہ کہا گیا ہے ؎ مراد از نزول قرآن تحصیل سیرت خوب است
نہ ترتیل سورہ بمکتوب بتجوید

ترجمہ: قرآنِ پاک کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ بندے اپنی سیرت سنواریں نہ کہ صرف لکھی ہوئی عبارت کو بہتر ترتیل سے پڑھیں۔

تفسیر صوفیانہ

غفرانک میں ایمان کے نتائج اور آثار المعبودیۃ کی طرف اشارہ ہے کہ بندے اپنے آپ کو ہر برائی کا مستحق سمجھے اور اپنے مولیٰ کریم کو ہر بھلائی کا مالک۔ پھر ہر اس عمل کو بجالانے کی کوشش کرے جس سے اس کا مولیٰ خوش ہو۔ اور ہر وقت اس کے حضور میں باادب رہنے کی کوشش کرے اور اس کی ہر چھوٹی بڑی مہربانی پر اور اپنی ہر کوتاہی پر استغفار و شکر گزاری میں وقت بسر کرے۔ (وہ اپنے بندوں پر بہت زیادہ فضل و کرم فرماتا ہے) اور ہر برائی سے اس کی طاقت اور قوت سے بری ہونے کی جد وجہد کرے۔ ہر حکم کو بجالانے کی عادت کو اپنائے اور ہر وقت یہ ذکر کرتا پھرے:

الحمد للہ۔ استغفر اللہ۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

یہ ذکر وہ ہے جو انسان کو دنیا و آخرت کے عذاب سے نجات بخشتا ہے اور اس ذکر پر مداومت کرے۔ اس سے

فتوحاتِ کثیرہ نصیب ہوتے ہیں۔

معرفتِ الٰہی کے اسباب: معرفتِ الٰہی چند امور سے حاصل ہو سکتی ہے:

① ہر وقت گناہوں سے توبہ و استغفار کرے اور طاعات کی توفیق پر شکرِ الٰہی بجا لائے۔

② نیک نیتی کے ساتھ رضائے الٰہی کو مدنظر رکھے۔

③ نعمتوں پر شکرانہ ادا کرے۔

یہ امور اس وقت نصیب ہوں گے جب کہ اصلاح قلب کا خیال دل میں جاگزیں ہو اور تصور رہے کہ نفس کی شرارت سے نقصان پہنچتا ہے۔ فلہٰذا نفسانی خواہشات دل سے نکال کر باہر پھینک مارے۔

ایضاً: معرفتِ الٰہی چار چیزوں سے نصیب ہوتا ہے:

① بلاواسطہ نورِ الٰہی دل میں حاصل ہو۔

② عقلِ کامل میں وافر علم کی دولت نصیب ہو۔

③ دنیوی مشاغل سے فکر سالم محفوظ ہو جائے۔

④ کسی شیخ کامل یا سالکِ راہ کی صحبت حاصل ہو۔

شیخ کامل کے علامات شیخ ابومدین قدس سرہٗ نے فرمایا کہ شیخ کامل وہ ہے جو سالک کو سیرتِ حسن کی تصویر بنا دے اور ہر قدم راہِ راست پر پہنچا دے اور معرفتِ الٰہی کے انوار سے قلب کو منور فرما دے غیبوبت سے ہٹا کر مشاہدہ میں لگا دے۔

اے سالک! ایسی جد و جہد کیجئے کہ جسم کو عالم جسمانیات سے نکال لئے۔ یہاں تک کہ اس رسمی دائرہ سے نکل جائے اور پھر تحقیق علم و فہم کے دریا میں غوطہ زن ہو جائے۔

از ہستی خویش تا تو غافل مشوی

ہرگز بمراد خویش واصل نشوی

از بحرِ ظہور تا بساحل نشوی!

در مذہب اہل عشق کامل نشوی

ترجمہ: اپنی ہستی سے جب تک فارغ نہ ہو گے اس وقت تک واصل نہ ہو گے۔ ظہور کے دریا سے جب تک کنارہ نہ کرو گے اہل عشق کے مذہب میں نہیں پہنچ سکو گے۔

تفسیرِ عالمانہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط اللہ تعالےٰ ہر نفس کو اس کی طاقت کے مطابق ہی مکلف بناتا ہے۔ یہ کلام اللہ تعالےٰ کے اخبار سے ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ جب آیت وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر شاق گزرا اور وہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر باادب ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالےٰ نے آپ پر نماز روزہ اور حج وجہاد کا حکم نازل فرمایا۔ ان کی ادائیگی میں ہمیں کسی قسم کی تکلیف نہیں البتہ یہ حکم جو آپ پر اترا ہے اس کے متعلق ہمیں طاقت کہاں۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم وہی کہتے ہو جو یہود ونصاریٰ نے کہا جب کہ ان پر احکام الٰہی نازل ہوئے تو کہنے لگے: سمعنا وعصینا۔ ہم نے حکم تو سن پایا ہے لیکن ہم انہیں مانتے نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: نہیں، حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم تو عرض کرتے ہیں: سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سرِتسلیم خم کیا تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا: اٰمن الرسول الی والیک المصیر۔

ف: ان کا سوال مغفرت کا تھا جو مشیتِ ایزدی سے معلق تھی جو کہ فیغفر لمن یشآء میں مذکور ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے فرمایا: لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا۔ اس خطرہ سے کہ کہیں ہمارا یہ مطالبہ وبال جان نہ بن جائے۔ اور کہا کہ ہم اس عرض گذاشت پر عزم بالجزم نہیں رکھتے۔ اس لیے اللہ تعالےٰ نے ان کے خوف کو زائل کرنے کے لیے یہ حکم نازل فرمایا تا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلی ہو پھر اگر ان کا کسی برائی کا پختہ ارادہ ہو جائے تو گناہ لکھا جائے اگر صرف خیالی تصورات ہوں تو گناہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ ایسے تصورات ہیں کہ جن سے انسان کسی لحاظ سے بھی نہیں بچ سکتا۔

حل لغات: التکلیف کسی پر ایسا امر لازم کرنا کہ جس میں مشقت وکلفت ہو۔ الوسع ہر وہ امر جو انسانی طاقت کے مطابق ہو کہ اس پر عمل کرنے سے تنگی محسوس نہ ہو۔

خلاصۂ تفسیر: اللہ تعالےٰ کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ایسے امر میں مبتلا نہیں کرتا جو اُن کے بس سے باہر ہو بلکہ وہ حکم فرماتا ہے جو ان کی وسعت میں ہو جسے وہ اسے بآسانی ادا کر سکتے ہوں۔ یہ بھی امت محمدیہ (علی صاحبہا التحیہ والثناء) پر فضل وکرم ہوا جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ تکلیف مالایطاق کا وقوع نہیں ہوتا۔ نہ یہ کہ تکلیف مالایطاق سرے سے ہے اس کے وقوع کی دلیل اتنی کافی ہے کہ اگر ہم اسے مان لیں تو باری تعالےٰ کے کلام میں کذب لازم آتا ہے اور وہ اس سے پاک اور منزہ ومبرا ہے۔ اور اس کے ممتنع نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تکلیف مالایطاق کی مطلقاً نفی فرمائی ہے اور مطلق نفی سے نفی مقید ثابت نہیں ہوتی اور نفی مقید سے تکلیف مالایطاق امتناعی مراد ہے۔

قاعدہ: بہر وجہ خاص ثابت نہیں ہوتا۔

لَهَا ۔ نفس کے لیے ثواب ہے۔ مَا کَسَبَتْ ۔ وہ جو عمل کرے ۔ اس نیکی میں سے جس کا اسے مکلف بنایا گیا ہے نہ کہ اس کے غیر کو استقلالاً اور نہ ہی اشتراکاً، کیونکہ کلمہ ما کا عموم نفس کے تمام اعمال کو شامل ہو جاتا ہے ۔ وَعَلَيْهَا ۔ اور اس پر (نہ کہ غیر پر نہ استقلالاً اور نہ اشتراکاً) عذاب ہوگا ۔ مَا اكْتَسَبَتْ ۔ جو اس نے عمل کیا ۔ اس برائی میں سے کہ جس کی رکاوٹ پر اسے مکلف بنایا ۔

سوال : شر (برائی) کی باری میں اکتساب باب افتعال لانے میں کیا فائدہ ہے ؟

جواب : برائی میں نفس کو خواہش ہوتی ہے پھر اس پر اس نے جد وجہد کی ہے اور افتعال میں تکلیف کو بھی دخل ہے اس لیے باب الافتعال لایا گیا ہے ۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۔ اے ہمارے رب ! ہم سے مواخذہ نہ فرمانا اگر ہم بھول جائیں یا خطا کے طور پر کوئی برائی کر لیں ۔

ربط : تکلیف کے اظہار کے بعد اب ان کی بقایا دعا کو بیان فرمایا جا رہا ہے یعنے وہ یہ کہتے تھے : اے ہمارے رب ! ہم سے وہ امور جو سرزد ہوئے جو ہمیں نسیان وخطاء کی طرف لے گئے کہ ان کی وجہ سے ہم تیرے ارشادات کی تعمیل میں کوتاہی کر بیٹھے یا ان کی طرف خصوصی اہتمام نہ کر سکے حالانکہ وہ امور تکلیفیہ میں سے تھے کہ جن کا ادا کرنا ہمارے لیے فرض تھا، ان کی وجہ سے مواخذہ نہ فرما ۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ جو عمل نسیاناً یا خطاً کسی سے سرزد ہو اس پر بھی مواخذہ ہے اس لیے کہ ان سے بچنا انسان کے بس میں ہے ورنہ اس کا سوال کرنا عبث ہے ۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰے عنہم کا فعل (جیسے اللہ تعالٰے حکایۃً بھی اپنے سچے کلام میں بیان فرماتا ہے) عبث نہیں ہو سکتا۔ لیکن اللہ تعالٰے نے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت سے نسیان وخطا پر مواخذہ معاف دیا ہے ۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : ’’ میری امت سے خطا ٔ ونسیان اور ہر وہ عمل جو انھیں گراں محسوس ہوتا ہے اسے اللہ تعالٰے نے معاف فرما دیا ہے ‘‘

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ خطاء ونسیان پر مواخذہ نہ کرنا ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کا خاصہ ہے ورنہ پہلی امتوں سے اس پر بھی مواخذہ ہوتا تھا ۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا ، اے ہمارے رب ! ہمارے اوپر کوئی بوجھ نہ ڈال ۔ اس کا ماقبل پر عطف ہے ۔

سوال : جب ماقبل پر عطف ہے تو پھر حرف ندا کے تکرار سے کیا فائدہ ؟

جواب : تاکہ مزید عجز و زاری کا اظہار ہو۔

ف : اصراً یعنے ہر وہ بوجھ جو اٹھانے والے کو اپنی جگہ سے ہلنے نہ دے۔ اس سے تکلیف شاقہ (جو امم سابقہ کو دی گئیں) مراد ہیں۔

كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ‘‘ جیسے تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ یعنے ہم سے پہلے گزرنے والوں کی طرح ہمارے اوپر بوجھ نہ ڈال۔

بنی اسرائیل کی تکالیف شاقہ کا بیان

بنی اسرائیل کو جن تکالیفِ شاقہ کا مکلف بنایا گیا ہے ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے :

۱ ـــــ توبہ تب قبول ہوتی ہے جب اپنے گلے پر چھرا پھیرتے ہیں۔

۲ ـــــ جس عضو سے خطا (نافرمانی) سرزد ہوتی اسے کاٹ ڈالنا پڑتا۔

۳ ـــــ جس جگہ نجاست لگ جاتے اس جگہ کو بھی کاٹ دینا پڑتا۔

۴ ـــــ پانی کے بغیر انھیں کسی شئے کو پاک کرنے کی اجازت نہ تھی۔

۵ ـــــ ان پر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض تھیں۔

۶ ـــــ ان کی مسجد کے بغیر اور کہیں نماز جائز نہ تھی۔

۷ ـــــ روزے دار مغرب کے بعد روزہ رکھ کر اگر سو جائے اور نیند طاری ہو جائے تو اس کے بعد انھیں کھانا حرام تھا۔

۸ ـــــ گناہوں کی شامت سے چند طیب اور پاکیزہ اشیاء ان پر حرام کر دی گئی تھیں۔

۹ ـــــ ان کے مال پر چوتھا حصہ زکوٰۃ فرض تھی۔

۱۰ ـــــ جو رات کو گناہ کرتے وہ صبح کو ان کے دروازوں پر لکھا ہوتا وغیرہ۔

بہرحال ان پر بہت سخت احکام فرض تھے جو اللہ تعالےٰ نے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقے آپ کی امت سے اٹھا لیے اور ان پر رحم فرمایا کہ ایسے تکالیف شاقہ میں انھیں مبتلا نہیں فرمایا۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں دین حنیف پر مبعوث ہوا جو بالکل آسان ہی آسان ہے اور میری امت سے وہ سزائیں بھی اٹھا لی گئی ہیں جو سابقہ امتوں کو سزا کے طور پر مسخ اور مسخ (شکلیں تبدیل ہو جانا اور زمین میں دھنس جانا) میں مبتلا کیا جانا وغیرہ وغیرہ۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں خسف ومسخ اور غرق (دریا اور طوفان میں غرق کرکے عذاب دینا) اٹھا لیا گیا ہے۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ اے ہمارے رب! ہمارے اوپر وہ بوجھ نہ ڈال کہ جس کے اٹھانے کی ہمیں طاقت نہ ہو۔ اس کا عطف بھی ماقبل پر ہے۔

ربط: پہلے ان تکالیف شاقہ سے معافی طلب کی جارہی ہے کہ ہماری شامتِ اعمال سے کوئی جدید امور شاقہ نازل نہ ہوجائیں۔ گویا یوں عرض کیا گیا ہے کہ اے ہمارے رب نہ ہی ہمیں سابقہ امم کی تکالیف میں مبتلا فرما۔ اور نہ ہی ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے ہمارے لیے جدید تکالیف کے ذریعہ سزا دے۔

سوال: ان امور کو "انزال" کے باب سے بیان کرنا مناسب تھا؟

جواب: چونکہ انزال کے بعد بوجھ اٹھانے پر ہی انجام ہوگا اس لیے ما یودی الیہ کے اعتبار سے تحمیل کے باب کو لایا گیا ہے۔

ف: تفسیر تیسیر میں ہے کہ اس کا معنٰے یہ ہے کہ اے اللہ تعالےٰ! ہمیں دائمی تکالیف شاقہ کا مکلف نہ بنا۔ کیونکہ اس پر بہرے سے عدم طاقت مراد نہیں۔ اس لیے کہ نہ وہ ہے اور نہ ہی سوال پیدا ہوتا ہے۔

وَاعْفُ عَنَّا وقفہ اور ہم سے معاف فرمایئے ہمارے گناہوں کے آثار بھی مٹا دے۔ وَاغْفِرْ لَنَا وقف اور ہمیں بخش دے اور ہمارے عیوب ڈھانپ لے اور لوگوں کے سامنے ہمیں سرمشار نہ کر۔

سوال: پھر واعف عنا اور واغفر لنا کا ایک ہی مفہوم ہے اس طرح سے کلام الٰہی میں تکرار لازم آگیا؟

جواب: تفسیر تیسیر میں ہے کہ اس سے تکرار لازم نہیں آتا اس لیے کہ واعف عنا میں عرض کی گئی ہے کہ ہماری کوتاہیوں کو ایسے نظر انداز فرمایئے کہ گویا وہ تھیں ہی نہیں۔ اور واغفر لنا میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہمارے گناہوں پر پردہ ڈالئے تاکہ دوسروں کو ہمارے گناہ نظر نہ آئیں۔ اور یہ اصولی بات ہے کہ کسی غلطی سے درگذر تو کیا جاتا ہے لیکن کبھی کبھی اس کا ذکر کر دیا جاتا ہے جس سے غلطی ظاہر ہوجاتی ہے۔ اسی لیے بندوں کو حکم ہوا کہ وہ دعا اس طرح مانگیں کہ اے ہمارے مولا! ہمارے گناہوں سے درگذر فرمایئے اور انہیں ایسا چھپائیے کہ کسی کے سامنے ہمارے گناہ ظاہر نہ ہوں تاکہ ہمیں شرمساری نہ اٹھانی پڑے۔

وَارْحَمْنَا وقفہ اور ہمارے حال پر رحم وکرم اور لطف وفضل فرمایئے؟

سوال: واعف عنا وغیرہ کو وارحمنا پر مقدم کیوں کیا گیا ہے۔

جواب: پہلے شے کو صاف کیا جاتا ہے اس کے بعد سنوارا جاتا ہے۔ بعینہٖ یہی حال بندے کا ہے کہ پہلے سوال سکھایا گیا کہ اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر صفائی کرے۔ پھر رحم کی درخواست کرکے سنور جاتے۔

اَنْتَ مَوْلٰنَا ، تو ہی ہمارا آقا و مولیٰ ہے اور ہم تیرے بندے ہیں یا یہ معنے ہے کہ تو ہمارا مددگار اور جملہ امور کا کفیل کار ہے ۔ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۞ تو کفار پر ہماری مدد فرمائیے اور ان کی شرارتوں کو ہم سے دُور فرمائیے ۔ اس لیے کہ مولیٰ کا حق ہے کہ وہ اپنے بندوں کی مدد فرماتے اور ان کے جملہ امور کی کفالت کرے اور دشمنوں کی تمام شرارتوں سے انھیں بچاتے اور کفار پر مدد کبھی فتمندی سے اور کبھی دلائل کے غلبہ سے اور کبھی ان کی شرارتوں سے حفاظت فرما کر ہوتی ہے ۔

ف : یہ دعا شیاطین کی شرارتوں سے حفاظت کے لیے بھی ہو سکتی ہے ۔ اس لیے کہ یہ بھی انھیں میں سے ہیں ۔

سورہ بقر کی آخری آیات کے فضائل

حدیث شریف : مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم جب شب معراج سدرۃ المنتہیٰ پہ پہنچے تو مندرجہ ذیل چیزیں عطا فرمائی گئیں ۔

ف : سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان پر ہے ۔ اور اسے اس لئے سدرۃ المنتہیٰ کہتے ہیں کہ جب زمین والے اوپر کو اڑ کر جاتے ہیں تو پھر اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے ۔ بس یہیں تک ان کی رسائی ہوتی ہے ۔ اسی طرح جو اوپر والی نوری مخلوق نیچے اترتی ہے تو وہ بھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی وہ بھی یہیں تک پہنچتے ہیں ۔ انھیں اس سے نیچے آنے کی اجازت نہیں ۔ اس لیے اللہ تعالےٰ نے فرمایا : اذ یغشی السدرۃ ما یغشی ۔

ف : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا : اس کا فرش سونے کا ہے ۔

ف : سدرۃ المنتہیٰ پر حضور علیہ السلام کو یہ تین چیزیں عطا ہوئیں :

(۱) پانچ نمازیں ۔
(۲) سورہ بقرہ کی آخری آیاتِ مبارکہ ۔
(۳) آپ کی تمام امت (سوائے مشرکین کے) کی بخشش ۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "معراج کی رات میرے اللہ تعالےٰ نے مجھے اپنے قریب کیا یہاں تک کہ میں عرش معلیٰ کے پایہ تک پہنچا تو میرے دل میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے القا ہوا کہ میں کہوں :

امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنین کل امن باللہ والملئکتہ وکتبہ ورسلہ لانفرق بین احد من رسلہ ۔

یعنے یہود و نصاریٰ کی طرح رسل کرام کے مابین تفرقہ نہیں کرتے ۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ یہودیوں اور نصرانیوں نے

کیا کہا، میں نے جواب دیا کہ انھوں نے کہا: سمعنا وعصینا۔ لیکن مومنوں نے کہا: سمعنا واطعنا۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا: برسچ کہتے ہو اے محبوب! صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم، اب آپ منہ مانگی مانگیں کہ میں آپ کو عنایت کروں۔

میں نے کہا: ربنا لاتواخذنا ان نسینا او اخطانا۔

اللہ تعالےٰ نے پھر فرمایا: میں نے آپ سے اور آپ کی امت سے خطا ونسیان اٹھالیا۔ بلکہ جو عمل ان کی طبع کو شاق گزرتا ہے وہ بھی

اس کے بعد میں نے کہا: ربنا ولاتحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا۔ یعنے اے اللہ! ہمیں یہود ونصاریٰ کی طرح مشقت میں نہ ڈالنا۔

اللہ تعالےٰ فرمایا: اے میرے محبوب! (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں نے آپ کی امت کے لیے یہ بات مان لی ہے۔

اس کے بعد میں نے کہا: ربنا ولاتحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا: میں نے ایسا ہی کر دیا۔

اس کے بعد میں نے کہا: واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکٰفرین۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا: میں نے یہ بھی کر دیا۔

حدیث شریف حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالےٰ نے مجھے دو آیتیں ایسی عطا فرمائی ہیں جو جنت کے خزانوں میں سے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی پیدائش سے پہلے دو ہزار سال خود اپنے دست قدرت سے لکھا۔"

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں نماز عشاء کے بعد پڑھتا ہے۔ اسے ساری رات سے کفایت کریں گی یا قیامت کے حساب سے کفایت کریں گی۔"

مسئلہ: اس میں رد ہے ہر اس شخص کا جو اسے سورہ بقرہ کہنے سے کراہت کرتا ہے یا وہ کہتا ہے کہ اسے سورہ بقرہ نہ کہا جائے بلکہ کہا جائے ہر وہ سورہ کہ جس میں بقرہ کا قصہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وہ سورۃ کہ جس میں بقرہ کا قصہ ہے وہ فسطاط القرآن ہے یعنے سورہ بقرہ ایک جامع سورۃ ہے۔ پس اے میرے امتیو! اسے پڑھو! اس لیے کہ اس کا پڑھنا برکت اور اس کا ترک حسرت ہے۔ اور بہت بڑا فائدہ

یہ ہے کہ اس کے پڑھنے والے پر بطلہ بھی غلبہ نہیں پاسکیں گے۔

عرض کی گئی یارسول اللہ! صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بطلہ سے کون مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ بطلہ سے جادوگر مراد ہیں، یعنے جادوگروں کو کوئی طاقت نہیں کہ وہ اس کے پڑھنے والوں پر جادو کر سکیں۔ جب گھر یا دار میں تین راتیں یہ سورہ بقرہ پڑھی جائے تو شیطان اس گھر کے قریب بھی نہیں بھٹکتے۔

مسئلہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب بھی سورہ بقرہ ختم کرتے تو کہتے: آمین۔

حکایت: حضرت ابو اسلم دیلمی سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالے عنہ نے مجھے شیطان کا ایک واقعہ سنایا۔ وہ واقعہ یہ ہے:

مجھے مسلمانوں کے صدقہ (مالِ غنیمت) کا نگران مقرر فرمایا گیا۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ کھجوریں کھڑکی میں پڑی ہیں۔ مجھے مالِ غنیمت میں کمی محسوس ہوئی گویا کہ کوئی چور اسے اٹھا کے لے جاتا رہا ہے۔

میں نے یہ واقعہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شیطان کی کارروائی ہے، وہی چوری کر کے لے جاتا ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کھڑکی سے داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر دیا۔ میں نے اس کے بعد دیکھا کہ دروازے پر سخت تاریکی چھا گئی ہے اور دروازے کے قریب آکر شکل وصورت بھی تبدیل کر لی ہے اور دروازے کے سوراخ سے گھسنے لگا ہے۔ میں بھی اس کے پکڑنے پر خوب تیار ہو گیا۔ اور وہ اندر آتے ہی کھجوریں کھانے لگا۔ میں نے چھلانگ لگا کر اسے پکڑ لیا اور دونوں ہاتھوں سے اسے مضبوط پکڑ کر کہا: اے عدو اللہ! تو کہاں سے آگیا؟ اس نے کہا: مجھے چھوڑ دے، میں بوڑھا، کثیر العیال اور سب سے زیادہ مفلس ہوں۔ تمہارے نبی (سرورِ عالم صلے اللہ تعالے علیہ وآلہ وسلم) کے مبعوث ہونے سے پہلے ہم اسی دیہات میں زندگی گذارتے تھے۔ جب وہ تشریف لائے تو انھوں نے ہمیں یہاں سے نکال دیا، فلہٰذا میری حالتِ زار پر رحم کھا مجھے چھوڑ دیجئے اور یقین کیجئے کہ میں پھر آؤں گا بھی نہیں۔ میں نے چھوڑ دیا۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام ماجرا سنا دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر مجھے بلایا، اور فرمایا:

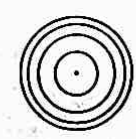
. ما فعل اسیرك (تیرے قیدی نے کیا کیا)

میں نے تمام ماجرا سنا دیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: آپ یقین کیجئے کہ وہ دوبارہ ضرور آئے گا، تم جلد واپس چلے جاؤ۔ میں واپس چلا آیا اور پہلے کی طرح دریچہ سے گھسا اور دروازہ بند کر لیا۔ وہ بھی حسبِ دستور دروازے کے سوراخ سے اندر داخل ہو گیا اور کھجوریں کھانے لگا۔ میں نے اسی طرح پکڑ لیا۔ اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دیجئے میں ہرگز ہرگز

نہیں آؤں گا. اس کی نشانی یہ ہے کہ جو شخص بھی سورہ بقرہ کی آخری آیات پڑھ لیتا ہے ہم (شیاطین) اس کے گھر میں اس رات ہرگز نہیں گھستے۔

تمت سورة بقرة بفضله من تعالیٰ یوم الثلثه السادس عشر من جمادی الاخری من شهور السنة الثالثة وتسعین بعد اثمائة الثالثة المنسلکه فی سمط الالف الثانی من هجرة سید الانبیاء صلی الله علیه وسلم. وتلیه سورة آل عمران انشاالله تعالیٰ۔

سورہ بقرہ کا ترجمہ ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۹۳ھ کو ختم ہوا۔ (مترجم، اویسی غفرلہ)



سورۃ آلِ عمران

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ۞ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۞ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۞ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۞ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰى عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ۞ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۞ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۞ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۞ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۞

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:- اللہ کے نام سے شروع وہ بڑا مہربان رحیم ہے

الٓمّٓ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، خود زندہ اوروں کا قائم رکھنے والا ہے

اس نے تم پر یہ سچی کتاب نازل فرمائی وہ گذشتہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس نے اس سے پہلے تورات اور انجیل فرمائی لوگوں کی ہدایت کے لیے اور فیصلہ کن (معجزات) اتارے۔ بے شک جو لوگ آیاتِ الٰہی کے منکر ہوئے ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالےٰ غالب بدلہ لینے والا ہے۔ بے شک اللہ تعالےٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں زمین میں نہ آسمان میں، وہی ہے جو ماں کے پیٹ میں تمھاری صورتیں بناتا ہے جیسے چاہتا ہے۔ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے، غلبہ والا حکمت والا ہے وہی ہے جس نے تم پر کتاب نازل فرمائی اس کی بعض آیتیں صاف معنے والی ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں اور دوسری متشابہات ہیں سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے تو وہ متشابہات کے درپے ہوتے ہیں فتنہ پھیلانے کی غرض سے اور اس کی تاویل تلاش کرنے کے لیے اور ان کی اصلی تاویل سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا اور پختہ (ایمان) والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ یہ تمام ہمارے پروردگار سے ہے اور نصیحت کو صرف عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ فرما بعد اس کے تو نے ہمیں ہدایت بخشی اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما بے شک تو بہت بڑا دینے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! بے شک تو تمام لوگوں کو اس دن کے لیے جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں، بے شک اللہ تعالےٰ وعدہ کا خلاف نہیں فرماتا۔

تفسیر عالمانہ

سورہ آلِ عمران مدنیہ ہے۔ اس کی دو سو آیتیں اور بیس رکوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

اللہ تعالےٰ کے نام سے شروع وہ بڑا مہربان رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ○ میں الف سے اللہ تعالےٰ کی طرف اشارہ ہے اور لام سے لطیف کی طرف اور میم سے مجید کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اَللّٰہُ، مبتدا۔ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ اس کی خبر ہے یعنی معبودیہ کا مستحق صرف وہی اللہ تعالےٰ ہے نہ کہ کوئی غیر۔

اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ○ اس کی دوسری خبر ہے یعنی وہ ایسا باقی رہنے والا ہے کہ اس پر موت و فنا کو کوئی چارہ کار نہیں، اور اپنی مخلوق کی تدبیر و حفظ پر دائم القیام ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے مروی ہے، فرمایا کہ اسم اعظم ان تین سورتوں میں ہے:

(۱) سورہ بقرہ، آیت: اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم۔

(۲) سورہ آل عمران، آیت: الٓمٓ اللہ لا الٰہ ھو الحی القیوم۔

③ سورہ طٰہٰ ، آیت : وعنت الوجوہ للحی القیوم ۔

شانِ نزول یہ آیات ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں جو کہ یہ گمان رکھتے تھے کہ سیدنا عیسےٰ علیہ السلام خدا تھے ۔ (معاذ اللہ تعالےٰ)

چنانچہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں نجران کا ایک وفد حاضر ہوا ۔ اس کی تعداد ساٹھ تھی ، ان میں چودہ سوار تھے جو ان سب کے نمائندے تھے ۔ ان سب میں سے تین بزرگ ایسے تھے جن پر ان کے کاروبار کا دار و مدار تھا ۔

① امیر اور صاحبِ مشورہ جس کا نام عبد المسیح تھا
② وزیر جس کا نام الایہم تھا ۔
③ علامہ جس کا نام ابو حارثہ بن علقمہ تھا ۔

شاہانِ روم ان کے علم و اجتہاد کی وجہ سے ان کی بہت زیادہ عزت و تعظیم کیا کرتے تھے ۔ اسی لیے مال و دولت سے انھیں بھرپور کر دیا تھا بلکہ بڑی بڑی عالی شان عبادت گاہیں ان کے لیے تیار کرا دی تھیں ۔
جب نجران سے روانگی ہوئی تو ابو حارثہ خچر پر سوار تھا اس کا بھائی کرز اس کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا ۔ راستے میں خچر دوڑا تو پاؤں پھسلا کہ جس سے یہ دونوں گرنے کے قریب تھے کہ کرز کے منہ سے نکلا : تعس للبعید (خرابی ہو ہمارے بعید کے لیے) اس سے اس کی مُراد رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تھے ۔
کرز کی بات سن کر ابو حارثہ کہنے لگا : بل تعست امك (بلکہ تیری ماں کے لیے ہلاکت ہو) کرز نے کہا : کیوں بھائی ؟ ابو حارثہ نے کہا کہ وہ تو برحق نبی موعود ہیں ۔ ہم ان کا عرصہ سے انتظار کر رہے ہیں ۔ کرز نے کہا کہ جب ان کی یہ شان ہے تو پھر ان پر ایمان لانے میں کونسی رکاوٹ ہے ۔ ابو حارثہ نے کہا کہ وجہ دراصل یہ ہے کہ شاہانِ روم کی بے پناہ خدمات اور ان کی لامحدود عزت و تعظیم سے خطرہ ہے کہ اگر ہم اس رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائیں تو یہ سب کی سب چیزیں ہم سے چھن جائیں گی ۔ اس سے کرز کے دل پر بہت گہرا اثر ہوا ۔ چنانچہ اس وجہ سے اس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا ۔
خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب یہ لوگ مدینہ میں پہنچے تو سیدھے مسجد الرسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں چلے گئے ، عصر کی نماز کے بعد مسجد شریف میں آئے ۔ ان کے بہت بڑے بڑے جبتے اور شاندار چادریں تھیں ۔ جن صحابہ کرام نے انھیں دیکھا وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس جیسا وفد کبھی نہیں دیکھا ۔ نماز کا وقت تھا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے شروع ہوئے ۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے فرمایا کہ ان پر طعن و تشنیع نہ کرنا ۔ جس طرح پڑھتے ہیں پڑھنے دو ۔ انھوں نے مشرق یعنے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی ۔

مناظرہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مع نصاریٰ

تقریر نصاریٰ بعد از فراغ نماز وہی تین حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہنے لگے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تھے (معاذ اللہ) کیونکہ وہ مردوں کو زندہ اور بیماروں کو تندرست کرتے تھے اور غیب کی خبریں دیتے تھے اور مٹی سے پرندے کی شکل تیار کرکے اس میں کچھ پھونکتے تو وہ اڑجاتا تھا۔ اور کبھی کہتے تھے کہ نہیں وہ تو اللہ تعالے کے بیٹے تھے (نعوذ باللہ من ذالک) کیونکہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ ان کا کوئی باپ نہیں ہے۔ اور کبھی کہتے کہ نہیں، وہ تو تیسرا خدا ہے قرآن مجید میں جہاں جہاں اللہ تبارک و تعالے نے اپنا ذکر فرمایا تو جمع متکلم کے صیغہ کے ساتھ۔ اگر واحد ہوتا تو واحد کا صیغہ بیان فرماتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مناظرہ کا نمونہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان : حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔

نصاریٰ کا بیان : ہم تو مسلمان ہیں۔

رسول خدا : تم جھوٹ بولتے ہو کیونکہ اسلام روکتا ہے کہ خدا تعالے کے لیے اولاد ثابت کی جائے۔

نصاریٰ : اگر عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالے کا بیٹا نہیں تو فرمائیے کہ ان کا باپ کون ہے؟

رسول خدا : کیا تمھیں معلوم نہیں کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔

نصاریٰ : ہاں!

رسول خدا : کیا یہ تمھیں یقین نہیں کہ اللہ تعالے حی لایموت ہے؟

نصاریٰ : کہا، واقعی وہ حی لایموت ہے۔

رسول خدا : یہ بات مسلمات سے ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایک دن فنا آنے والی ہے؟

نصاریٰ : واقعی۔

رسول خدا : پھر تم کو یقین ہے کہ اللہ ہر شے پر قائم ہے اور ہر ایک کا محافظ ہے اور ہر ایک کو روزی دیتا ہے؟

نصاریٰ : واقعی اسی طرح ہے۔

رسول خدا : عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ان اوصاف میں سے کوئی صفت حاصل ہے؟

نصاریٰ : نہیں۔

رسول خدا : تمہیں یقین نہیں کہ اللہ تعالٰے سے آسمان وزمین کی کوئی چیز مخفی نہیں ؟

نصاریٰ : واقعی ایسے ہی ہمارا عقیدہ ہے ۔

رسول خدا : عیسٰی علیہ السلام سوائے چند معلومات کے علاوہ اتنے وسیع علوم کے عالم تھے ؟

نصاریٰ : نہیں ۔

رسولِ خدا : کیا تمھیں معلوم نہیں کہ عیسٰی علیہ السلام کی جس طرح چاہا ان کی ماں کے رحم میں ان کی صورت تیار فرمائی اور یہ بھی تمھیں معلوم ہے کہ ہمارا رب نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے اور نہ قضائے حاجت پھرتا ہے ؟

نصاریٰ : واقعی اسی طرح ہے ۔

رسولِ خدا : عیسٰی علیہ السلام کے متعلق یقین ہے کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ میں رہے، پھر ان کو ماں نے جنا جیسے عام عورتیں اپنے بچوں کو جنتی ہیں پھر ان کی ماں سے غذا ملی جیسے عام کو غذا ملتی ہے ، پھر وہ طعام کھاتے اور پانی پیتے اور قضائے حاجت پھرتے ؟

نصاریٰ : واقعی اسی طرح ہے ۔

رسولِ خدا : جب ان کے متعلق یہ باتیں تم مانتے ہو تو پھر وہ خدا یا خدا کے بیٹے کیسے ہو سکتے ہیں ؟

نتیجہ : ان دلائل سے وہ تمام لاجواب ہو گئے ۔ اللہ تعالٰے نے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دلائل مختصر مگر جامع الفاظ میں اس سورت کے اول سے اسّی آیات نازل فرمائیں اور ساتھ ساتھ خود بھی ان کے شکوک کے ازالہ کے لیے اضافہ فرما کر حق کا اثبات فرمایا۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ ، اسے اسم جنس سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اس کا باقی کتب پر کمالات کے لحاظ سے رتبہ بلند فرمایا ہے گویا کہ کتاب علی الاطلاق کہنے کی مستحق صرف یہی ہے ۔

سوال : قرآن پاک کے لیے نزل الکتاب اور تورات وانجیل کے لیے انزل التوراۃ و الانجیل کہنے کی وجہ کیا ہے ؟

جواب : لفظ تنزیل تکثیر کے لیے ہوتا ہے اور قرآن پاک بھی رفتہ رفتہ نازل ہوا اور تورات وانجیل یکبارگی نازل ہوئیں ۔ اور پھر آخر آیت میں الانزال سے اس لیے تعبیر کیا کہ قرآن پاک لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف رمضان شریف کی لیلۃ القدر میں یکبارگی نازل کیا گیا ۔ اور یہاں پر آسمان سے زمین کی طرف نازل کرنا مقصود ہے اور قرآن پاک میں دو جہتیں ہیں انزال کی بھی اور تنزیل کی بھی ۔

بِالْحَقِّ یعنے وہ کتاب احکام میں عدل سے ملتبس ہے یا صدق سے اپنی خبروں میں منجملہ ان کے خبر توحید اور اس کے

متعلقات ہیں یا اپنے وعدہ اور وعید میں۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۔ اس حال میں کہ وہ اپنے سے پہلی کتابوں توحید اور مسائل نبوات اور خبروں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ اسی طرح جو اس سے پہلے شریعتیں گزری ہیں ان کے بعض مسائل کی۔ وَأَنزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ ۞ اور نازل فرمایا ہے تورات وانجیل کو۔ تورات وانجیل عجمی الفاظ ہیں۔ پہلا عبرانی اور دوسرا سریانی ہے۔

مِن قَبْلُ ، اس کتاب سے پہلے انہیں حضرت موسٰے وحضرت عیسٰی علی نبینا علیہم السلام پر کیا گیا نازل فرمایا۔

سوال: تورات وانجیل کے نام کی تصریح سے کیا فائدہ باوجودیکہ ان کا منزل من اللہ ہونا ظاہر ہے؟

جواب: مبالغہ مطلوب ہے۔

هُدًى لِّلنَّاسِ ، لوگوں کو ہدایت کرنے والی۔ یہ انزال کی علت ہے یعنے تورات وانجیل کو لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا۔ اور اس میں بغیر نشر کے لف ہے اور یہ جائز ہے اس لیے کہ اس میں التباس نہیں کیونکہ تورات حضرت موسٰی علیہ السلام کے زمانہ کے لوگوں کے لیے ہدایت تھی اور انجیل حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ کے لوگوں کے لیے ہدایت تھی چونکہ یہ سب کو معلوم ہے اس لیے بطور اختصار فرمایا۔ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ ۗ اور فرقان کو نازل فرمایا۔ فرقان سے جنس کتب سماویہ مراد ہے اس لیے کہ وہ سب کی سب حق وباطل میں فرق بتانے والی ہیں یا اس سے صرف قرآن مجید مراد ہے۔

سوال: اس طرح تکرار لازم آئے گا؟

جواب: جب تکرار سے تعظیم اور اظہار فضل مقصود ہو تو جائز ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ ، بے شک جنھوں نے اللہ تعالٰی کی آیات سے کفر کیا۔ آیات اللہ سے قرآن مجید اور معجزات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں۔ لَهُمْ ، ان کے لیے۔ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۗ سخت عذاب ہے کہ جس کا کسی کو اندازہ نہیں ہو سکتا۔ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ، اور اللہ تعالٰے سب پر غالب ہے۔ اس پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس طرح حکم کرتا ہے ہوتا ہے۔ ذُو انتِقَامٍ ۞ صاحب انتقام ہے اس جیسا کوئی انتقام نہیں لیتا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۞ بے شک اللہ تعالٰے پر کوئی شے مخفی نہیں نہ زمین میں نہ آسمان میں یعنے تمام اشیاء اس کے علم میں ہیں یعنے وہ کافر کے کفر کو اور مومن کے ایمان کو اور ان کے تمام اعمال کو جانتا ہے۔ اس پر انہیں قیامت میں جزا دے گا۔

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ اللہ تعالٰے وہ ہے جو ارحام میں تمھاری تصویریں بناتا ہے جیسے چاہتا ہے یعنے تمھاری ماؤں کے ارحام میں تمھاری مخصوص صورتیں بناتا ہے۔ مرد وعورت، سیاہ وسفید، کامل وناقص۔ لمبا وچوڑا، حسین وقبیح۔

ف : اس آیت میں ان عیسائیوں کا رد ہے جو عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام خدا ہیں یا خدا کا بیٹا ہیں۔ اس لیے کہ جس کی رحم میں تصویر کھینچی جاتے وہ خدا یا خدا کا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہ وہ مرکب ہوتا ہے یا مرکب میں حلول کرنیوالا اور معرضِ فنا و زوال میں ہوتا ہے۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی تنزیہ بیان فرمائی کہ عیسٰی علیہ السلام اس کا بیٹا نہیں ہے۔ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ غلبہ اور حکمت والا ہے۔ المتناہی فی القدرۃ والحکمۃ ہے۔ پس تمہیں عجیب و غریب طریق سے پیدا کرتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"نطفہ پیٹ میں پڑنے کے بعد اسے ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک جمع کیا جاتا ہے پھر وہ چالیس دن تک خون کا لوتھڑا رہتا ہے اس کے بعد جو وہ چالیس دن گوشت کا ٹکڑا رہتا ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ اس کی طرف فرشتہ کو چار کلمات دے کر بھیجتا ہے جو اس کا رزق و عمل اور اجل بدبخت یا نیک بخت لکھتا ہے۔ اور فرمایا تمہارا ایک بہشتیوں کا عمل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور بہشت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ بچ رہتا ہے۔ پھر اس کی تقدیر کی کتاب اس پر سبقت کر جاتی ہے۔ پھر وہ دوزخیوں کے عمل شروع کر دیتا ہے، بالآخر وہ جہنم میں داخل ہوتا ہے۔"

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

"جب انسان کا نطفہ ماں کے پیٹ میں چالیس یا پینتالیس روز ٹھہرتا ہے تو اس کے بعد ایک فرشتے کو اس پر مقرر کیا جاتا ہے تو وہ فرشتہ اللہ تعالےٰ سے عرض کرتا ہے کہ یا اللہ! اسے بدبخت لکھوں یا نیک بخت؟ جو کچھ لکھنا ہوتا ہے اللہ تعالےٰ حکم فرماتا ہے۔ پھر وہ پوچھتا ہے یا اللہ! اسے نر لکھوں یا مادہ؟ جو کچھ لکھنا ہوتا ہے اللہ تعالےٰ حکم فرماتا ہے۔ اس کے بعد وہ فرشتہ اس بندہ کے اعمال اور زندگی کا بسر اوقات اور اس کا رزق اور اجل لکھتا ہے۔ وہ لکھا ہوا صحیفہ لپیٹ لیا جاتا ہے۔ ان امور میں نہ اضافہ ہوگا اور نہ کمی۔ پھر فرشتہ عرض کرتا ہے: اے الہ العالمین اب اس صحیفہ کو میں کیا کروں: اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ صحیفہ اسی کے گلے میں ڈال دے۔ جب تک اس پر موت نہیں آئے گی یہ صحیفہ اس کے گلے میں لٹکا رہے گا۔ اسی لیے اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

"والزمناہ طائرہ فی عنقہ" یعنے ان کے اعمال نیکی یا برائی (جو اس کے مقدر میں ہیں جو اس نے اپنے اختیار سے کی ہوں گی) اس کے گلے میں لٹکائے جائیں گے۔ گویا اس کا وہ صحیفہ آشیانہ غیب اور تقدیر کے گنجینہ سے اڑ کر اس کے گلے میں پڑ جائے گا۔"

ف : حضرت قاضی مفسر (بیضاوی) رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ان اشیاء کے لکھ لینے سے ان کا وہ اظہار مراد ہے

جو اس فرشتے کے سامنے کی جاتی ہیں ۔ ورنہ اللہ تعالے کی تقدیر تو اس سے پہلے سبقت کر چکی تھی۔

مسئلہ : ہر ایک کو اس عمل کی توفیق ہوتی ہے جو اس کے لیے مقدر ہے ۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ ہر حال میں اعمال صالحہ میں کوتاہی نہ کرے اور شب و روز کی فرصت کی گھڑیوں کو ضائع نہ کرے ؎

خبر داری اے استخوانی قفس
کہ جان تو مرغیست نامس نفس
چوں مرغ از قفس رفت و بگست قید
دگر رہ نگردد بسعی تو صید
نگہدار فرصت کہ عالم دمست
دمی پیش دانا بہ از عالمست

ترجمہ : اے ہڈیوں کے ڈھانچے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تیری روح ایک پرندہ ہے جسے نفس سے تعبیر کیا جا رہا ہے ۔ جب یہ پرندہ اڑ گیا اور قیدیں ٹوٹیں تو پھر تیری ہزار کوشش کے باوجود یہ تیرا شکار نہ ہو سکے گا ۔ فرصت کو غنیمت جان ! کیونکہ یہ عالم چند لمحات ہے سمجھ دار کی نظروں میں ایک لمحہ تمام عالم سے بہتر ہے ۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے انسان کے نطفہ کی اربعین تک صورت کشی کی جاتی ہے ، اسی طرح جب اولیاء سے کسی مرید صادق کے لیے ولایت مقدر کی جاتی ہے اور مرید سر تسلیم خم کر کے ولایت شیخ کے تصرفات قبول کرتا ہے ۔ یہ بھی بمنزلہ ملک الارحام کے ہے تو وہ اپنے شیخ کے امر سے اپنے ظاہر و باطن کو صحیح کرتا ہے پھر وہ خلوت و عزلت کو اختیار کرتا ہے ۔ اس خطرہ سے کہ کہیں غلط حرکت نہ صادر ہو جائے یا کوئی گندی بو دماغ میں نہ پہنچے تاکہ ولایت کے اسباب زائل نہ ہو جائیں ۔ اسے چاہیئے کہ اپنے شیخ کے حکم اور ان کی تدبیر کے مطابق اپنی نشست و برخاست رکھے ۔ پھر اللہ تعالے ہر اربعین پر اسے ولایت کے مراتب (اس کے شرائط کے مطابق) سے نوازتا ہے ۔ اور ایک حال سے ترقی دے کر دوسرے حال میں پہنچاتا ہے یعنے ایک مقام سے ترقی دے کر دوسرے مقام پر فائز المرام کر دیتا ہے ۔ یہاں تک کہ اسے حظیرۃ القدس و ریاض الانس (جو کہ عالم انس سے صادر ہوا ہے) تک انہی اربعینات کے پہلے چلّہ سے پہنچا دیا جاتا ہے ۔ پھر جب وہ مقام اول میں واصل ہوتا ہے (انہی اربعینات کے مطابق) (جیسے ترتیب حدیث شریف میں مذکور ہوئی) اس کے بعد اس کے قلب میں اسی ولایت کا جنین (بچہ) مکمل ہو جاتا ہے ۔ اس کے بعد اس کے لیے زمین میں خلافت الٰہیہ مقرر ہو جاتی ہے ۔ اب وہ اس کا مستحق ہے کہ اولیاء اللہ کے روحانی ولایت کے ارواح سے اس کے اندر روح پھونکی جائے ۔ دراصل روح القدس یہی ہوتا ہے ۔ جو اسے اب نصیب ہوگا ۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

ویلقی الروح من امرہٖ علی من یشآء من عبادہٖ -

اور فرمایا :

کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ -

اس فائدہ عظیمہ کے لیے اعلیٰ علیین کے قرب سے ارواح کو اسفل سافلین کے بُعد تک پہنچایا جاتا ہے - چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

اھبطوا منھا جمیعا فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون -

جب اس کے اندر ایسی روح پھونکی جاتی ہے تو وہ اپنے وقت کا آدم ہوتا ہے اس پر اس کی خلافت کو ملائکہ کرام سب کے سب سجدہ کرتے ہیں -

- اس تقریر کو پورے طور پر یاد کرو انشا اللہ تعالےٰ مطلب کو پہنچ جاؤ گے - (کذا فی تاویلات الشیخ الکامل نجم الدین الکبریٰ (افاض اللہ علینا من سجال معارفہ وحقائقہ ولطائفہ) قدس سرہٗ - (آمین)

تفسیر عالمانہ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ ، اللہ وہ ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری - مِنْهُ اس کتاب سے - اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ ، آیات محکمات یعنی وہ آیات جو کہ معنےٰ مراد پر قطعی طور پر دلالت کرتی ہیں - عبارت کے لحاظ سے مضبوط اور احتمال واشتباہ کے اعتبار سے محفوظ ہیں - هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ ، وہی اصل ہیں کتاب سے یعنے وہی قرآن کی اصولی آیات ہیں - اور ایسی عمدہ ہیں کہ باقی آیات کی تاویل کر کے انہی کی طرف راجع کی جاتی ہیں - یہاں پر کتاب سے مراد تمام کتب ہیں اور اضافت بمعنے فِیْ ہے - وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ اور دوسری متشابہات ہیں یعنے وہ ایسی آیات ہیں کہ ان میں چند معانی کا احتمال ہے جو استحقاق ارادہ میں ایک دوسری سے ممتاز نہیں - نظر دقیق تامل انیق کے بغیر کوئی معنےٰ واضح نہیں ہوا -

سوال : متشابہات معانی کی وصف ہے یہاں پر وہی قاعدہ جاری ہوا ہے کہ آیات کو کیوں موصوف کیا گیا ہے ؟

جواب : دال کو موصوف کر کے مدلول مراد لیا جاتا ہے - یہاں پر وہی قاعدہ جاری ہوا ہے کہ آیات دال ہیں اور معانی مدلول اس بنا پر متشابہات کو آیات کا وصف بنانا جائز ہے -

خلاصۂ تفسیر : لفظ دو قسم کا ہوتا ہے :

(۱) کسی دوسرے کا اس میں احتمال بھی نہ ہو -

(۲) اس میں کسی دوسرے کا بھی احتمال ہو -

پہلی قسم کو نص کہا جاتا ہے جیسے والھکم الٰہ واحد۔ دوسری کی دو اقسام ہیں:

① وہ دو معنوں پر دلالت کرے۔

② کئی معانی پر دلالت کرے۔

پھر وہ معانی متساویۃ الدلالۃ ہوں گے یا نہ پہلی قسم یعنے جس میں دو معنوں کا احتمال ہے اسے عرف میں مجمل کہا جاتا ہے جیسے: ثلاثۃ قروء۔ دوسری قسم یعنے جس میں کئی معانی کا احتمال ہے۔ اگر اسے راجح کی طرف نسبت ہو اسے ظاہر کہا جاتا ہے جیسے: ولا تنکحوا ما نکح اٰبائکم من النساء۔ اگر اس کی نسبت رجوع کی طرف ہو اسے مؤول کہا جاتا ہے جیسے: ید اللہ فوق ایدیھم۔ نص اور ظاہر ہر دونوں محکم اور مجمل و مؤول "متشابہ" ہیں۔ جیسے فاینما تولوا فثم وجہ اللہ اسے خود اللہ تعالٰے نے دوسرے مضمون کی طرف منسوب فرمایا: وحیثما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ۔

سوال: یہاں پر آیات دو قسم کی بنائیں محکمات و متشابہات۔ دوسری آیت الٓر کتاب احکمت ایاتہ میں تمام آیات کو محکم بنایا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اس دوسری آیت میں محکم کا معنٰے یہ ہے کہ قرآن کی تمام آیات مضبوط اور پختہ ہیں۔ ان میں کسی قسم کا شک نہیں اور نہ ہی ان کو آپس میں تناقض ہے اور خلل اندازی سے بالکل پاک اور محفوظ ہیں یا مطلب یہ ہے کہ اب آیاتِ قرآنی منسوخ ہونے سے محفوظ ہیں۔ ایسے ہی دوسری آیت میں تمام قرآنی آیات کو متشابہات کہا گیا ہے۔ متشابھًا مثانی یعنے قرآنی آیات ایک دوسرے سے مشابہ ہیں یعنے صحیح المعنٰے اور بہترین نظم ونسق اور حقیقۃ المدلول ہیں۔

ف: بعض کو محکم اور بعض کو متشابہ کہنے کا مطلب ہم نے اوپر عرض کر دیا ہے۔

سوال: تمام آیات کو محکم کیوں نہ بنایا تاکہ اتنے جھگڑے اور تنازع ہی پیدا نہ ہوں؟

جواب(۱): متشابہ آیات امت محمدیہ علی صاحبہا السلام کا امتحان ہیں تاکہ اہلِ حق و باطل کے مابین امتیاز ہو اور ظاہر ہو جائے کہ کون ایمان پر پختہ اور مضبوط ہے اور کون ضعیف الایمان، جیسے بنی اسرائیل کا نہر کے پانی سے امتحان لیا گیا تھا۔

جواب(۲): تاکہ متشابہ آیات کے اندر حق کی تلاش کے لیے غور و خوض کرنے پر اجر و ثواب اور ترقیٔ درجات نصیب ہو۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ، پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کھوٹ ہے یعنے ان کے دل حق سے منہ موڑ کر خواہشاتِ نفس کی طرف لگ جائیں۔ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ۔ پس پیچھے لگتے ہیں اس کے جو قرآنی آیات کے متشابہات ہیں یعنے محکمات سے منہ موڑنے والے لوگ۔

اب معنٰے یہ ہوا کہ قرآنی آیات کے متشابہات کے ظاہر کے پیچھے لگ جاتے ہیں یا باطل تاویل کرتے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ ایمان کے بعد وہ حق کے متلاشی ہیں اور یوں ایمان رکھتے ہیں کہ یہ آیات اللہ تعالٰے کی طرف سے ہیں۔

ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ، بلکہ فتنہ کی تلاش میں پڑ کر یعنے اس تلاش میں رہتے ہیں کہ کوئی آیت مل جائے کہ جس سے

لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے کا موقعہ مل جائے اور انھیں شک میں ڈال سکیں اور التباس پیدا کرکے لوگوں کو اکسائیں کہ آیاتِ محکمات اور متشابہات میں تناقص ہے۔ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ اور قرآنی آیات میں اپنی خواہش کے مطابق تاویل کرنے کی طلب میں رہتے ہیں۔ اور ایسی ٹیڑھی تاویلات کرتے ہیں جو قرآنی مراد کے بالکل خلاف ہے اور نہ ہی وہ اس کے اہل ہیں کہ وہ ان آیات متشابہات کی صحیح تعبیر کرسکیں۔ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ ۔ اور ان آیاتِ متشابہات کی تاویل کو کوئی نہیں جانتا۔ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ ، اللہ تعالٰے اور راسخ العلم کے ماسوا یعنے اس کی تاویل کی طرف راہ نہیں پاتا یعنے وہ حق تاویل کہ جس پر ان آیات متشابہات کو محمول کیا جاسکے۔ انھیں اللہ تعالٰے اور اس کے وہ بندے جو راسخ فی العلم ہیں کے ماسوا کوئی نہیں جانتا۔

ف : راسخ العلم وہ بندے جو علم پر ثابت قدم اور مضبوط ہیں۔ اور آیات کے مضامین کو نص قاطع کی طرف راجع کرتے ہیں۔

ف : بعض لوگ الا اللہ پر وقف اور مضمون کا ابتدا والرسخون فی العلم یقولون امنابہ سے کرتے ہیں۔ اور بعض کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان علوم سے ہیں کہ جنھیں اللہ تعالٰے نے اپنے لیے مخفی رکھا ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ متشابہ سے کلامِ الٰہی کے آیات کی حکمت معلوم کرنا مراد ہے جیسے علیھا تسعۃ عشر میں زبانیہ کی گنتی اور بقائے دنیا کی مدت اور قیام قیامت کا وقت اور روزوں کی گنتی اور پانچ نمازوں میں رکعات کی تعداد وغیرہ وغیرہ کو مخفی رکھنا مراد ہے۔ قول اوّل صحیح ہے۔

ردِ منکرین وہابیہ دیوبندیہ بعض لوگ جو کہا کرتے ہیں کہ متشابہات کا علم کسی نبی ولی کو نہیں۔ ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالٰے نے قرآن پاک اس لیے اتارا ہے کہ اس کے بندوں کو نفع ہو اور اسے پڑھ کر اس کی مراد کو پہنچیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ متشابہات اللہ تعالٰے کے سوا کوئی اور نہیں جانتا تو منکرین اسلام کا اعتراض ہوگا کہ (خدا تعالٰے کا کلام عبث اور فضول ہے) (معاذ اللہ) کہ جس سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا وغیرہ وغیرہ۔

سوال : کیا یہ کہنا جائز ہے کہ کہا جائے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم متشابہات کو جانتے ہیں ؟

جواب (۱) : یہ مسلّم ہے کہ متشابہات کو آپ بھی اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اور علمائے ربانی جانتے ہیں۔

(۲) اگر یہ بات مان لی جائے کہ متشابہات کو نہ آپ جانتے ہیں اور نہ صحابہ کرام اور نہ ہی علماء ربانیین بلکہ صرف اللہ تعالٰے ہی جانتا ہے تو پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور عام امتی میں کیا فرق رہا جب کہ وہ بھی کہتے ہیں : لا علم لنا۔

(۳) علاوہ ازیں قرن اول سے لے کر تا ہنوز تمام مفسرین ہر آیت کی تفسیر اور اس کی کوئی نہ کوئی تاویل ذکر کرتے چلے آرہے ہیں۔ ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ انھوں نے لکھا اور کہا ہو : ھذا متشابہ لا یعلم تاویلہ الا اللہ (یہ متشابہ ہے اس کا علم اللہ تعالٰے ہی جانتا ہے) بلکہ وہ ہر آیت محکم ہو یا متشابہ کوئی نہ کوئی تفسیر یا تاویل لکھ یا کہہ دیتے ہیں یہاں تک

حروف تہجی الٓمّٓ ۔ حٰمٓ ۔ قٓ ۔ صٓ وغیرہ وغیرہ، کی بھی تفسیر وتاویل بیان فرمائی۔

یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ ' وہ کہتے ہیں کہ ہم متشابہات پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ جملہ پہلی تقریر کے مطابق جملہ مستانفہ ہے اور راسخین کے حال کی توضیح کے لیے واقع ہوا ہے۔ اور دوسری تقریر کے مطابق "والراسخون..الخ" کی خبر ہے۔ کُلٌّ ہر ایک محکم ہو یا متشابہ۔ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا ہمارے رب کی طرف سے ہے یعنی اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے ان کے یعنی محکم و متشابہ کے درمیان کسی قسم کی مخالفت نہیں۔ وَمَا یَذَّکَّرُ حقیقی نصیحت صرف پاتے ہیں۔ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ جو عقل والے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جن کے عقول غلط خواہشات کی طرف جھکے ہوئے نہیں۔ اس میں راسخین فی العلم کے جودۃ ذہن اور حسن النظر کی تعریف ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ انھوں نے آیات متشابہات کی صحیح تاویل کو کس ذریعہ سے پایا یعنے انھوں نے اس عقل کے ذریعہ سے تاویل حق کو پایا جب کہ اس عقل سے حس کے پردے ہٹ گئے (نور ایمانی سے پر ہوگیا)۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا، اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے قلوب کو حق کے راستہ سے ہٹا کر متشابہات کی ایسی تاویل کرنے کے شوق میں نہ لگا کہ جس سے تو راضی نہ ہو۔ بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا، بعد اس کے کہ تو نے ہمیں حق یا تاویل صحیح یا ایمان کی طرف ہدایت بخشی۔ وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ، اور ہمیں اپنی طرف سے عطا فرما۔ رَحْمَۃً، رحمت وسیع جو ہمیں تیرے قریب کر دے اور ہم اس کے ذریعے تیرے قرب حقیقی سے کامیابی حاصل کریں۔ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ بے شک تو ہی عطا کرنے والا ہے۔

مسئلہ: وھاب مطلق طور پر کہنے میں اشارہ ہے کہ ہر عطا اسی سے ہے۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ہدایت اور گمراہی اسی سے ہے اور اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اس پر کوئی شے واجب نہیں۔

رَبَّنَآ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ، اے ہمارے رب! بے شک تو ہی تمام لوگوں کو جمع کرنے والا ہے بعد موت کے۔ لِیَوْمٍ، حساب اور جزا کے دن کے لیے۔ اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔ لَا رَیْبَ فِیْہِ اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے یعنے اس کے وقوع اور جو اس کے اندر واقعات ہوں گے جیسے حشر و نشر اور حساب و جزا۔ اس سے ان کا مقصود صرف اتنا ہے کہ وہ اس کی رحمت کی محتاج ہیں اور ان کا یہی اصل مقصد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ع بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

المیعاد بمعنے الوعد یعنے الوہیت خلف وعدہ کے منافی ہے یعنے جب وہ وعدہ ہوگیا کہ قیامت میں ان سب کو اٹھانا ہے اور ان کی دعا قبول کرنی ہے۔ یہ ہو کر رہے گا۔ اور یہی حال دعا کے متعلق راسخین فی العلم کا ہے کہ وہ دعا کے مطابق ہی اپنے وعدہ پر اترتے ہیں۔

سبق : ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے کہ اپنے بُرے خاتمہ سے بے خوف ہو کر پھرتے ہیں۔ انہیں نہ خوف ہے اور نہ خطرہ۔ وہ صرف امید و رجا کے نشہ میں رہتے ہیں۔ اے سالک! تمہیں خواہشات نفسانیہ اور شہوات شیطانیہ میں پھنس کر راہ مستقیم سے پھر جانے کے خطرہ میں رہنا چاہیئے کہ کہیں راہ حق سے بھٹک نہ جاؤ۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت کی دو انگلیوں سے بندھا ہوا ہے جس کے لیے سیدھا رکھنا چاہتا ہے تو اسے سیدھا رکھتا ہے اور جسے ٹیڑھا کرنا چاہتا ہے اسے ٹیڑھا کر دیتا ہے۔

شرح الحدیث : یعنی انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی توفیق و خذلان کے مابین واقع ہے۔

نکتہ : من اصابع الرحمٰن کی بجائے من اصابع اللّٰہ نہ کہنے میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ صرف اس کو ہی بندوں کے قلوب پر تمکن و تصرف ہے جیسے چاہے جس طرح اپنی رحمت سے کرتا ہے جو کچھ کرتا ہے۔ اس میں کسی کو دخل نہیں نہ فرشتوں کو نہ کسی اور کو یہ بھی اس کا فضل و کرم ہے کہ اسے صفت رحمٰن سے متعلق رکھا (ورنہ صفت الوہیت میں لا پرواہی و استغناء ہے) تاکہ بندوں کے اسرار پر صرف آپ ہی مطلع ہو۔

دعائے نبوی : حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا مانگتے تھے :

اللھم یا مقلب القلوب والابصار ثبت قلوبنا علی دینك۔ — اے قلوب و ابصار کے بدلنے والے ہمارے قلوب کو اپنے دین کی طرف بدل دے۔

بقایا الحدیث : میزان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے بہتوں کو بلند قدر بنا دیتا ہے اور بہتوں کو ذلیل و خوار کرتا ہے اور یہ قیامت تک ہوتا رہے گا۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
"مومن کا دل ایک ریشہ کی طرح ہے جو ویران زمین کے چٹیل میدان میں پڑا ہو، اسے ہوا کے جھونکے کبھی زمین کے اوپر لے جاتے ہیں اور کبھی زمین کی تہ میں۔"

روحانی نسخہ کیمیا سیدنا جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص چاہے کہ میرا دین صحیح اور قلب و بدن چین سے ہو تو اسے چاہیئے کہ لوگوں سے علیحدگی اختیار کرے۔ اس لیے کہ یہ وحشت کا زمانہ ہے اور دراصل دانا وہی ہے جو وحدت (گوشہ نشینی) اختیار کرتا ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ دانہ کہاں اگتا ہے؟ سب نے عرض کیا زمین میں۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۶۲ پر)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ
هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۝ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ
فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ قُلْ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ
وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ
الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ
الْعَيْنِ ۚ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۝
زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ
وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ
وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ۝ قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذَٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ
رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَ
رِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا
فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ
وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ۝ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو
الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ
وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَنْ
يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ
وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُلْ لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ
اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝

ترجمہ: بے شک جو لوگ کافر ہیں انھیں ان کے مال اور اولاد ہرگز کام نہیں آسکتے۔ اللہ تعالیٰ سے ذرہ برابر اور وہی دوزخ کے ایندھن ہیں جیسے فرعون والوں اور ان سے گذشتہ لوگوں کا طریقہ۔ انھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو اللہ تعالےٰ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کی گرفت کی، اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ کافروں کو فرمائیے کہ تم عنقریب مغلوب ہوگے اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ بہت برا بچھونا ہے، بے شک تمھارے لیے دو گروہوں میں نشانی تھی جو آپس میں لڑ پڑے، ایک گروہ اللہ تعالےٰ کی راہ میں لڑتا تھا اور دوسرا کافر تھا وہ اپنے کو مسلمانوں سے دوگنا دیکھتے تھے کھلے آنکھوں دیکھنا اور اللہ تعالےٰ اپنی مدد سے جسے چاہتا ہے قوت دیتا ہے بے شک

اس میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے۔ لوگوں کے لیے سنگاری گئی ہے ان کی خواہشات کی محبت عورتوں سے اور بیٹوں سے اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مواشی اور کھیتیاں یہ دنیوی زندگی کی پونجی ہے اور اللہ تعالٰی کے ہاں ہے انجام کار کی خوبی۔ فرمائیے کیا تمھیں اس سے بہتر چیزیں بتاؤں پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے ہاں باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں اور اللہ تعالٰی کی طرف سے رضامندی، اور اللہ تعالٰی بندوں کو دیکھتا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا صبر والے اور سچے اور عجز دنیار والے اور راہ خدا میں خرچ کرنیوالے اور پچھلی رات اٹھ کر معافی مانگنے والے ہیں۔ اللہ تعالٰی نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور علم والوں نے انصاف قائم کیا کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہی غلبہ والا حکمت والا ہے۔ بے شک اللہ تعالٰی کے ہاں اسلام ہی پسندیدہ دین ہے اور مختلف نہ ہوئے اہل کتاب مگر بعد اس کے کہ انھیں علم آچکا اپنے دلوں کی جلن سے اور جو اللہ تعالٰی کی آیات کا انکار کرے تو بے شک اللہ تعالٰی جلد حساب لینے والا ہے۔ پھر اے محبوب! (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑیں تو فرمائیے میں نے اپنا چہرہ اللہ تعالٰی کی طرف جھکا دیا ہے اور وہ جو میرے پیروکار ہیں اور اہل کتاب اور ان پڑھوں کو فرما دیجئے کہ کیا تم نے بھی مانا پس اگر وہ مانیں تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ منہ پھیریں تو تمھارے ذمہ تو حکم پہنچانا ہے اور اللہ تعالٰی بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۶۰)

شرح الحدیث: آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اسی طرح اللہ تعالٰی کی حکمت مؤمن کے قلب میں ایسے ہی اگتی ہے جیسے دانہ زمین میں اگتا ہے۔ اسی طرح چاہیئے کہ فواد وجود کا دانہ خمول کی زمین میں دفن کیا جائے کہ جس سے دانے اور پھل اگیں اور پھر وہ پکیں جب تک دانہ زمین میں دفن نہیں کیا جائے گا اس وقت تک دانہ پیدا نہیں ہوگا جب اس کا نور اور پک جانا ظاہر ہو جاتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے سیلاب کے بعد سبزہ زار اگتا ہے۔

سبق: اے سالک! تیرے لیے لازم ہے کہ تم تزکیہ نفس اور اصلاح الوجود میں جد وجہد کرو تاکہ تمھیں نور شہود نصیب ہو اور تم پر استقامت کا باب مفتوح ہو اور جمیع الاحوال میں زیغ وضلال سے نجات حاصل ہو۔

تجربہ: بہت سے لوگ بظاہر تو راہ مستقیم پر چلتے نظر آتے ہیں لیکن بہت زیادہ ٹیڑھی راہ پر ہوتے ہیں۔ اسی طرح بہت

سے حضرات بظاہر تو وہ غیر مستقیم معلوم ہوتے ہیں لیکن درحقیقت جادۂ حق پر گامزن ہوتے ہیں۔
کہتے ہیں ؎

بس قامت خاشاک کہ بر جا باشد
چوں باد بر آنہا بوزدنا باشد

ترجمہ: بہت سے سرو قامت مضبوط نظر آتے ہیں لیکن اتنے کمزور ہوتے ہیں کہ جب ہوا چلتی ہے تو نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔

مسئلہ: نگاہِ حق کا مطمح نظر قلب ہے نہ ظاہری صورت۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالٰے تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے قلوب و اعمال کو دیکھتا ہے۔

سبق: اے سالک! قلب کو حق سے پھیر کر اسے ٹیڑھا رکھنے کا کیا فائدہ!

(تفسیر آیات صفحہ نمبر ۱۶۱)

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ، بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا انھیں ہرگز نہیں بچا سکیں گے یعنے انھیں ہرگز نفع نہیں دیں گے۔ اَمْوَالُهُمْ، ان کے وہ مال جو حصول منافع اور نقصانات کو دفع کرنے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔

سوال: اموال کو اولاد پر کیوں مقدم کیا گیا؟

جواب: جب بھی انسان کو حادثہ پیش آتا ہے تو سب سے پہلے مال کو خرچ کرتا ہے۔ اسی لیے وہی تقدیم کے لیے اہم ہے۔

وَلَآ اَوْلَادُهُمْ، اور نہ ہی ان کی اولاد جو ان سے بوقت تکلیف و مصیبت مدد لی جاتی ہے بلکہ انھیں اپنے ہر دکھ اور درد کے وقت صرف اپنی اولاد پر بھروسہ ہوتا ہے۔

سوال: اموال و اولاد کے درمیان صرف نفی کے لانے کا کیا فائدہ؟

جواب: چونکہ کشف و کروب میں صرف اولاد ہی کام آتی ہے اور اموال کو طفیلی طور پر تعاون میں لایا جاتا ہے اسی لیے اُن کے مابین فرق بتانے کے لیے حرفِ نفی لایا گیا ہے۔

مِّنَ اللّٰهِ، اللہ تعالٰے سے یعنے اس کے عذاب سے۔ شَيْـًٔا، کسی شے سے۔ اب آیت کا معنٰی یوں ہوا کہ انھیں اللہ تعالٰے کے عذاب سے نہ مال کی کثرت بچا سکے گی اور نہ ہی اولاد کی وفرت۔

شانِ نزول: کفار و مشرکین کہتے تھے کہ ہم چونکہ مالدار ہیں اور ہماری اولاد بھی بہت ہے فلہٰذا ہمیں کسی قسم کا عذاب نہیں ہو گا۔ اللہ تعالٰے نے ان کے رد میں فرمایا:

" وما اموالکم ولا اولادکم بالتی تقربکم عندنا زلفیٰ الا من امن وعمل صالحا۔"

وَ اُولٰٓئِكَ ، اور وہ لوگ جو کفر سے موصوف ہیں۔ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ○ وہی جہنم کے ایندھن ہیں یعنی آگ کا وہ ایندھن جس سے آگ کو بھڑکایا جاتے۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ :

حل لغات الداب۔ دأب فی العمل کا مصدر ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کوئی اسے دکھ تکلیف اٹھا کر کرے۔ اب اس کا غلبہ استعمال شان وحال و عادت کے لیے ہو گیا ہے اور اس کا کاف رفع کے مرفوع ہے یعنے مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

اصل عبارت یوں ہے :

دأب هٰؤلاء فی الکفر ، یعنے کفر وعدم نجات اور اللہ تعالے کی گرفت اور عذاب میں ان کا وہی حال ہے جو حال آلِ فرعون کا تھا۔

وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اور ان لوگوں کی طرح جو اُن سے پہلے گزرے ہیں یعنی فرعون وہ کفار جو گزرے ہیں جیسے قوم ثمود، قوم نوح اور قوم لوط وغیرہ۔ اس کا عطف ما قبل پر ہے۔ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ یہ ان کے حال اور طریقے کی تفسیر و بیان ہے کہ اُن کا کیا طریقہ تھا، ان کے کردار کیا تھے۔ اگر اسے جملہ مستانفہ بنایا جائے اور کہا جائے کہ یہ سوال مقدر کا جواب ہے تو سوال کی تقریر یہ ہے کہ فرعون والوں اور پہلے کافروں کا کیا طریقہ تھا، اس کے جواب میں فرمایا کہ انھوں نے ہماری آیات یعنے ہماری کتابوں اور پیغمبروں کو جھٹلایا۔ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۔ یہ بھی اس مضمون کی تفسیر ہے۔ گویا کسی نے پوچھا کہ کفار کو کردار کا کیا صلہ ملے گا؟ جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالے نے ان کی گرفت فرمائی اور ایسی سخت سزا دی کہ انھیں عذاب سے کسی قسم کی نجات کی امید بھی نہ رہی اور نہ ہی اس سے بچنے کا کوئی چارہ کار نظر آیا۔ اور ان کافروں کا حال بھی انھیں کی طرح ہے۔

بِذُنُوْبِهِمْ ؕ الذنب دراصل کسی کے پیچھے ہونے والے اور تابع کو کہا جاتا ہے اور جرم کو اس لیے ذنب کہا جاتا ہے کہ اس کے مرتکب کو عذاب وعتاب الٰہی لاحق ہوتا ہے۔ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ اور اللہ تعالے کا عذاب اس شخص کو بہت سخت اور زیادہ ہوگا جو اس کی آیات اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرتا ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ، اسے پیارے حبیب! (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کافروں سے فرمایئے۔ یہاں پر کافروں سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔

شان نزول : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ جب مدینہ شریف کے یہودیوں نے بدر کے دن کفار و مشرکین پر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا غلبہ مشاہدہ کیا تو کہنے لگے :

واللہ انہ النبی الامی الذی بشرنا بہ   اللہ تعالے کی قسم یہ وہی نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں جن

موسیٰ و فی التوراۃ نعتہ ۔ کی خوشخبری ہمیں موسےٰ علیہ السلام نے سنائی اور تورات میں ان کی تعریف موجود ہے ۔

اس پر بہت سے یہود حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تابعداری پر آمادہ ہو گئے ۔ لیکن ان کے بعض شر پسندوں نے کہا کہ عجلت نہ کرو ۔ ان کی دوسری نشانی دیکھ لیں پھر دیکھی جائے گی ۔

جنگ احد میں جب اہلِ اسلام کو شکست ہوئی تو اس سے یہودیوں نے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت میں شک کیا اور کہا کہ اگر سچے نبی ہوتے تو انھیں شکست نہ ہوتی ۔ اس سے قبل ان کا حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ معاہدہ تھا وہ بھی توڑ دیا ۔ بلکہ کعب بن اشرف ساٹھ سوار لے کر اہلِ مکہ کے ہاں پہنچا ۔ اس کے بعد سب نے مل کر حضور علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کا اتفاق کیا تو یہ آیت نازل ہوئی ۔

سَتُغْلَبُوْنَ ، دنیا میں عنقریب تم مغلوب ہو جاؤ گے ۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے یہ وعدہ پورا کر دیا کہ بنو قریظہ مارے گئے اور بنو نضیر جلاوطن ہوئے اور خیبر مفتوح ہوا ۔ ان کے ماسوا دوسرے اہل کتاب پر جزیہ مقرر کیا گیا ۔ یہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بیّن اور واضح معجزات میں سے ہے ۔ وَتُحْشَرُوْنَ ، اور آخرت میں اٹھائے جاؤ گے ۔ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ دوزخ کی طرف ۔

حلِ لغات : الحشر بمعنے السوق (ہانکنا) والجمع یعنے دنیا میں مغلوب ہو جاؤ گے اور آخرت میں جمع کر کے تمہیں جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا ۔

وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ اور بڑا ٹھکانا اور گندی قرار گاہ جہنم ہے ۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ ، یہ آیت قسم محذوف کا جواب ہے اور یہ مامور بہ کے قول کی تکمیل ہے ۔

دراصل عبارت یوں تھی :

واللہ قد کان لکم ایھا الیھود ..... الخ اللہ تعالےٰ کی قسم اے یہودیو ! تم اپنی اور کفار کی گنتی کو دیکھ کر دھوکہ کھانے والے ہو ۔

اٰيَةٌ ، بڑی واضح دلیل ہے اوپر اس کے جو میں تمھیں کہتا ہوں کہ ستغلبون تم عنقریب مغلوب ہو گے ۔ فِىْ فِئَتَيْنِ دو گروہوں میں یعنے دو جماعتیں کہ ان میں مغلوب جماعت (جب کہ وہ اپنی کثرت پہ نازاں تھے اور اپنے غلبہ کا انھیں یقین تھا) پھر انھوں نے منہ کی کھائی اور تمھیں بھی نقصان اٹھانا پڑا ۔ الْتَقَتَا ؕ بدر میں جنگ کے لیے آپس میں ملے ۔ فِئَةٌ ، خبر ، اس کا مبتدا محذوف ہے ۔ (ای احداھا فِئَةٌ تُقَاتِلُ) جہاد کرتا ہے ۔ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ، اللہ تعالےٰ کے راستے میں ۔ یہ وہ تھے کہ جن کی نہ کثرت تھی اور نہ ہی ساز و سامان یعنے حضرت امام الانبیاء سیدنا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کرام ؓ ،

وَاُخْرٰی، اور وہ دوسرا گروہ۔ کَافِرَۃٌ، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کفر کرنے والوں کا تھا۔ یَرَوْنَہُمْ، انہیں وہ نظر آتے تھے یعنے دوسرا گروہ کافروں کا دیکھتا تھا پہلے گروہ کو جو مومن تھے یہ جملہ فئۃ اخیرہ کی صفت ہے۔ مِّثْلَیْہِمْ، اپنے سے دوہرے یعنے دیکھنے والوں کو وہ اپنے سے دوگنا نظر آتے۔ جب کہ وہ اس وقت تقریباً ایک ہزار تھے۔ ان میں نوصد پچاس (۹۵۰) جنگی پہلوان تھے۔ ان کا جرنیل عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس تھا۔ انہیں میں ابوسفیان (جو اس وقت کافر تھے) اور ابوجہل بھی تھا۔ ان میں سامان کی کیفیت یہ تھی کہ اونٹ اور گھوڑے جیسی سواریاں ان کے پاس نہیں۔ سو گھوڑے اور سات سو اونٹ اور اسلحہ تو شمار سے باہر تھا۔

واقعہ عجیبہ: حضرت سعد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مشرکین نے کسی ایک مسلمان کو قید کر لیا۔ اس نے اُن سے پوچھا کہ اس وقت تم کتنے جنگی جمع ہوئے ہو۔ اس نے صاف کہہ دیا کہ ہم اس وقت کل تین سو تیرہ کے لگ بھگ ہیں۔ کافروں نے کہا کہ ہم تو تمہیں اپنے سے دوگناہ سمجھتے رہے،

یا مثلیہم کی ضمیر دیکھے ہوؤں یعنی مسلمانوں کی طرف لوٹتی ہے یعنی کفار مسلمانوں کو ان کی تعداد سے دوگنا زائد محسوس کر رہے تھے مثلاً اس وقت تین سو تیرہ تھے تو وہ کفار کو چھ سو چھبیس محسوس ہوئے۔

تفصیل لشکر اسلام غزوہ بدر میں مسلمانوں کی گنتی صرف تین سو تیرہ تھی۔ ان میں ستانوے مہاجر اور دو سو سولہ انصار تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مہاجرین کا جھنڈا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں، انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ خزاجی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ مسلمانوں کے پاس صرف نوّے اونٹ اور دو گھوڑے تھے۔ ان میں ایک گھوڑا حضرت مقداد بن عمرو کا اور دوسرا حضرت مرثد ابن ابی مرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تھا۔ ان کے صرف چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ غزوۂ بدر میں صرف چودہ (۱۴) مسلمان شہید ہوئے چھ مہاجر اور آٹھ انصار (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

[حفیظ جالندھری نے اپنے شاہنامہ میں اس مضمون کو یوں گرہ کیا ہے ؎

تھے ان کے پاس دو گھوڑے چھ زرہیں آٹھ شمشیریں

پلٹنے آئے تھے یہ لوگ دنیا بھر کی تقدیریں

نہ تیغ و تیر پہ تکیہ نہ خنجر پہ نہ بھالے پر

بھروسہ تھا فقط سادی سی کالی کملی والے پر[1]

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے کفار کی نگاہوں میں اہلِ اسلام کی تعداد بہت زیادہ اس لیے دکھائی تاکہ وہ مسلمانوں سے

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی۔

ہیبت کھا کر گھبرا جائیں اور ان سے جنگ نہ کر سکیں ۔ یہ بھی منجملہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد ہے جیسے اس نے ملائکہ کرام کو بھیج کر ان کی مدد فرمائی ۔

سوال : یہ دیقللکم فی اعینہم اس میں بتایا گیا ہے کہ تم انھیں قلیل نظر آتے تھے اور اب فرمایا کہ تم انھیں دوہرے محسوس ہوئے ؟

جواب : ابتدائے جنگ میں کفار کو اہل اسلام معمولی اور چند گنتی کے محسوس ہوئے ۔ اس پر مسلمانوں سے لڑائی کے لیے ان کے دل بندھ گئے بلکہ اپنی کثرت وقوت کے غرور سے ان کی جرأت میں اضافہ ہوا لیکن جب جنگ کے میدان میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے تو مسلمانوں کی تعداد انھیں دوگنی محسوس ہوئی یہاں تک کہ وہ مغلوب بھی ہو گئے ۔

ف : خلاصہ یہ کہ کثرت وقلت مختلف اوقات میں دکھائی گئی ۔ ان کا گاہے قلیل اور گاہے کثیر نظر آنا قدرت کاملہ کے آثار اور معجزہ نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے اظہار کے لیے زیادہ بلیغ ہے ۔

رَأْيَ الْعَيْنِ ؕ اس کا منصوب ہونا علی المصدریۃ ہے یعنے کفار کا دیکھنا کھلا اور واضح تھا کہ اس میں کسی قسم کے التباس کا احتمال نہ تھا ۔ جیسے دوسری اشیاء آنکھوں سے دیکھی جاتی ہیں ، یہ بھی ایسے ہی تھا ۔

وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ ، اللہ تعالیٰ قوت اور فتح ونصرت عنایت فرماتا ہے ۔ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ما اپنی مدد جسے چاہتا ہے یعنے بلا اسباب عادیہ کے مدد فرماتا ہے جیسے اس جماعت کی مدد فرمائی جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جنگ کے لیے حاضر ہوئی کہ انھیں منجانب اللہ بہت بڑی فتح ونصرت ہوئی ۔ جیسے ابھی مذکور ہوا ۔ یہ ما مور بہ کے قول کا تتمہ ہے ۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ ۔ یہ اشارہ مضمون مذکور کی طرف ہے کہ کفار کو اہل اسلام کثیر نظر آئے اگرچہ وہ بالکل قلیل تھے ۔ پھر یہ اپنی قلت کے باوجود بے سروسامان تھے اور ان کافروں پر جو ہتھیاروں سے لیس اور سروسامان سے بھرپور تھے لیکن اہل اسلام سے مغلوب ہو گئے ۔ لَعِبْرَةً :

حل لغات : عبرۃ ۔ العبور سے ماخوذ ہے جیسے الجلسۃ ، الجلوس سے ہے ۔ اس سے مراد وعظ ونصیحت حاصل کرنا مراد ہے اس لیے کہ نصیحت حاصل کرنا بھی العبور کے انواع میں سے ہے یعنے بہت بڑی عبرت جو ہونے والی ہے ۔

لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ عقل مندوں اور دانش مندوں کے لیے ۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے آیات سے عبرت پکڑے ۔ اپنی کثرت اعداد اموال واولاد پر غرور نہ کرے بلکہ اپنی آخرت کے لیے زیادہ سے زیادہ جدوجہد کرنی چاہیئے ۔

تفسیر صوفیانہ : کفر میں مبتلا ہونے والا پہلا وہ بدبخت ہے جس کی شقاوت پر ازل میں مہر ثبت ہوئی اس کے

بعدہ وہ جو شہوات نفسانیہ اور خواہشات حیوانیہ میں مبتلا ہے وہ شیطان کے قابو میں آگیا ہے اور لذت دنیا پر فریفتہ ہے اور یہ مسلّم قاعدہ ہے کہ خواہشات حیوانیہ وشہوات نفسانیہ انسان کو طبعی طور پر اسفل السافلین کی طرف دھکیل کرلے جاتی ہیں۔ پھر وہ اسی میں زندگی بسر کرتا ہے اسی پر اسے موت آتی ہے اور اسی پر ہی قیامت میں اٹھے گا لیکن قعرِ جہنم میں بسیرا ہوگا اور جہنم کے بچھونے کی گندگی اور خرابی سب کو معلوم ہے۔ اور بئس المھاد سے اس کی وہ گندی معاش مراد ہے جس پر وہ گزار رہا ہے اور نار دو قسم کی ہے:

۱۔ نار اللہ

۲۔ نار الجحیم

نار اللہ سے وہ دائمی جدائی مراد ہے جو انسان کو دائمی طور پر اللہ تعالیٰ سے ایسا محجوب رکھا جائے گا جیسے اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محروم رکھ کر دوسرے مجولوں کو عذاب دیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ۔

نار الجحیم سے مراد شہوات ومعاملات کی نار ہے جس سے شریعت کی مخالفت کی وجہ سے غافل لوگوں کو جلایا جائے گا۔ یہ وہی آگ ہے جو کھال کو جلا کر راکھ بنا دے گی۔ چنانچہ فرمایا:

"کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلوداً غیرھا لیذوقوا العذاب" یعنے جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو پھر مکمل کر لی جائیں گی تاکہ وہ اپنی بدکرداریوں کا مزہ چکھیں۔ اور جہنم سے صرف صحیح العقل اور سچے دل والے نجات پا سکتے ہیں۔ پھر جسمانی اور روحانی عذاب کے درمیان وہ نسبت ہے جیسے نسیم الحیاۃ وسموم المماۃ کو ہے یعنے عذاب روحانی (قلب) کے عذاب کے مقابلہ میں ذرّہ برابر بھی اس سے نسبت نہیں رکھتا۔ یعنے روحانی (قلب) کا عذاب جسمانی لحاظ سے بہت زیادہ ہوگا۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ تزکیۂ نفس میں لگا رہے کیونکہ یہی دائمی فرقت کے عذاب دلانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

ف: کسی بزرگ سے سوال ہوا کہ انسان نفس کی شرارتوں سے کس طرح چھوٹ سکتا ہے۔ انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے یعنے وہی بچائے تو زہے نصیب ورنہ مشکل ہے۔

ف: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی مدد کرنا چاہتا ہے کہ اسے مطلوب حقیقی کا حصول جلد نہ ہو جائے تو انوار کے لشکروں سے اس کی مدد فرماتا ہے۔ جب بھی اسے تاریکی گھیرتی ہے تو وہی نور اسے دفع کرنے کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے اور اس سے ظلمات کے تمام مواد مٹا کر رکھ دیتا ہے یہاں تک کہ اس کے اندر خواہش وشہوت کا نام ونشان تک نہیں رہتا۔ بلکہ اخلاقِ ذمیمہ کی اس کے قلب سے جڑ کٹ جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نورِ قلب کا لشکر ہے جیسے نفس کا لشکر ظلمت (شہوت) ہے۔

ف: اسماء و صفات سے جو معانی کے حقائق نصیب ہوتے ہیں اسے نور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جو شہوات و خواہشات اور گندے اخلاق سے جو مطالب حاصل ہوتے ہیں اسے ظلمت کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمایا:

"ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها۔" جن دیہاتوں میں ایسے بادشاہ داخل ہوتے ہیں تو وہ انھیں خراب کر ڈالتے ہیں۔

یعنے جس حال پر وہ ہیں اس سے اسے تبدیل کر دیتے ہیں اسی طرح واردات ربانیہ جب بھی کسی دل پر وارد ہوتے ہیں تو اس سے گندے اخلاق کو باہر پھینک مارتے ہیں بلکہ انھیں اچھے اخلاق کے لباس سے مزین کرتے ہیں لیکن یہ دولت ایسے ہی نصیب نہیں ہوتی جب تک کہ انسان دنیا و عقبیٰ کے خیالات کو ترک نہ کرے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ادھر دل اغیار سے بھرا ہوا اور یار کا بھی وہاں بسیرا ہو جائے۔

ع   ایں خیال است و محال است و جنوں

(یہ خیال محال بلکہ جنوں ہے)۔

اسی طرح وہ بندہ بھی ایسے نور کو حاصل نہیں کر سکتا جو مال و اولاد کی محبت میں مبتلا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہو۔

حکایت حضرت الاستاذ ابو علی دقاق رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک فقیر صاحب تشریف لائے تو ان کے سر پر ٹاٹ اور ٹوپی تھی۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ نے یہ ٹاٹ کتنے کا خریدا۔ وہ شخص ان سے مذاق کے طور پر پوچھتا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے اسے دنیا دے کر یعنے ترک دنیا کر کے یہ لباس اختیار کیا۔ اب اس نے مجھ سے آخرت دے کر خریدنا چاہا ہے لیکن میں نے نہیں دیا۔

یعنے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ترک دنیا کا صلہ آخرت کی نعمتیں ہیں۔ میں نے نہیں خریدا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ترکِ دنیا آخرت کی نعمتوں کے طمع و لالچ میں نہیں کیا بلکہ میں نے ترک دنیا صرف اور صرف تیری رضا و خوشنودی کے پیش نظر کیا۔ فلہٰذا اب نہ مجھے دنیا سے لگاؤ ہے اور نہ آخرت کا طمع و لالچ۔

اس پر حضرت ابو علی دقاق نے فرمایا: "فقراء کو مبارک ہو کہ وہ ہم سے دنیا و آخرت میں بازی جیت گئے۔" پوچھا گیا کہ وہ کیسے؟ فرمایا: وہ اس لیے کہ دنیا میں ان سے بادشاہ محصول کا طلب گار نہیں اور آخرت ان سے اللہ قہار و جبار کا حساب و کتاب نہیں۔

قناعت سرافراز دارے مرد ہوش
سر پر طمع برنیاید ز دوش

اگر آزادہ بر زمین خسپ و بس
مکن بہر مالے زمین بوس کس

ترجمہ: ہوش مند کو قناعت سرفراز فرماتی ہے۔ طمع کا دو ہتہ مونڈھے پر نہیں لاتا۔ اگر تم آزاد ہو تو زمین پر سو جاؤ لیکن مال کی خاطر کسی کی زمین بوسی نہ کرو۔

اللہ تعالے ہم سب کو حقائق توحید سے نوازے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ زُيِّنَ لِلنَّاسِ، لوگوں کے لیے زینت دی گئی ہے یعنے انہیں حسین بنا کر دکھایا گیا ہے اور ان کا زینت دینے والا اللہ تعالے خود ہے جیسا کہ دوسرے مقام پہ فرمایا ہے:

زینا لھم اعمالھم۔

سوال: جب اس نے انھیں خود زینت دی تو پھر ناراضگی کے اظہار کا کیا معنے؟

جواب: ان اشیاء کو صرف آزمائش کے طور پر زینت دی گئی ہے۔ یا زین کا فاعل شیطان ہے جیسا کہ دوسری آیت مبارکہ میں ہے:

"وزین لھم الشیطان اعمالھم" اور اس کی زینت دینے کا معنے یہ ہے کہ وہ ان اشیائ کے ذریعے وسوسہ ڈالتا ہے۔

حُبُّ الشَّهَوٰتِ، شہوات کی محبت یعنے نفس کی مرادوں کی محبت۔

حل لغات: شہوۃ نفس کا اس طرف پر کھیچ جانا جس کا وہ ارادہ رکھتا ہے۔ یہ مصدر بمعنے اسم مفعول ہے یعنے مشتہات (چاہی ہوئی اشیاء)۔

سوال: مصدر کو بمعنے اسم مفعول لانے کا کیا فائدہ؟

جواب: اس لیے کہ جتنی اشیا یہاں مذکور ہوئیں وہ تمام چاہی ہوئی ہیں۔

سوال: پھر ان کو مصدر سے تعبیر کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب (۱): بطور مبالغہ کے ایسا ہوا ہے کہ یہ اشیاء نفس کو اتنا مرغوب ہیں کہ گویا کہ وہ خود شہوات کا عین ہیں۔

جواب: ایک وجہ اور بھی ہے وہ یہ کہ انھیں شہوت سے تعبیر کرکے ان کے خسیس ہونے کی تصریح فرمائی ہے اس لیے کہ حکماء شہوۃ ایک رذیل شئے کو کہتے ہیں اور جو اس کے درپے ہو تو حکماء اس کی سخت مذمت کرتے بلکہ ایسے انسان کو جانور سے بھی بدترین سمجھتے ہیں۔

نکتہ: حکماء کہتے ہیں کہ ملائکہ کرام کو اللہ تعالے نے بلا شہوت پیدا فرمایا لیکن انھیں عقل سے محروم رکھا اور حضرت انسان کو ہر دونوں کا حامل بنایا۔ پس جب انسان کی عقل شہوت پر غالب ہو جاتی ہے تو وہ ملائکہ سے افضل قرار پاتا ہے اور جس کی عقل پر

شہوت غالب ہوجاتی ہے تو وہ بہائم سے ذلیل ترین ہوتا ہے۔

مِنَ النِّسَآءِ، یہ الشہوات سے حال ہے۔ ای حال کونہا من طائفۃ النساء۔

سوال: شہوات میں سب سے پہلے عورتوں کا ذکر کیوں؟

جواب: شہوات کے معنے میں بھی سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ اس لیے کہ یہ شیطان کی رسیاں ہیں یعنے شیطان انھیں کے ذریعے بہت جلد پھانستا ہے۔

وَالْبَنِيْنَ، اور اولاد کے ذریعے انسان کا فتنہ میں پڑنا اس لیے کہ انہی کی وجہ سے انسان حریص ہوتا ہے کہ مال و دولت جمع کرلے۔ پھر حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں اکثر و بیشتر انہی کی وجہ سے حدود اللہ تعالےٰ کی حفاظت نہیں ہوسکتی۔

نکتہ: بزرگوں کا ارشاد ہے کہ "اولاد عظیم ترین فتنہ ہے"۔ اگر زندہ رہیں تو آزمائش میں ڈالتے ہیں اور اگر مرجائیں تو غمگین کرتے ہیں۔

سوال: بنین کا نام لیا گیا ہے اور بنات کا ذکر نہیں کیا وہ فتنہ نہیں؟

جواب: عموماً ان سے ایسی محبت کا واسطہ نہیں پڑتا اور نہ ہی وہ مذکورہ وجوہ کا سبب بنتی ہیں۔

وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ:

حل لغات: القناطر قنطرۃ کی جمع ہے۔ مال کثیر کو کہتے ہیں یعنے مال کثیر جو بہت جمع ہو۔

ف: بعض کہتے ہیں کہ "قنطار" لاکھ دینار کی جمعیت کا نام ہے۔ بعض کے نزدیک بیل کے برابر مشک ہو تو وہ قنطار ہے۔ بعض کے نزدیک ستر یا چالیس ہزار مثقال۔ بعض کے نزدیک اسی ہزار یا سو رطل۔ بعض کہتے ہیں ایک ہزار دو سو مثقال۔ بعض کے نزدیک ایک سو سیر اور ایک رطل اور ایک سو مثقال اور ایک سو درہم۔ بعض کے نزدیک دیۃ النفس کے برابر قنطار ہوتا ہے۔

ف: کشاف میں ہے کہ المقنطرۃ کو قنطار کے لیے محض تاکید کے لیے لایا گیا ہے جیسے کہتے ہیں: الوف مولفۃ و بدرمبدرۃ۔

مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ۔ یہ القناطیر المقنطرۃ کا بیان ہے یعنی کثیر مال سونا اور چاندی۔ ذھب کو اس لیے ذھب کہتے ہیں کہ وہ خرچ ہونے اور باقی نہ رہنے والی شے ہے۔ اور فضۃ کو اس لیے فضۃ کہتے ہیں کہ وہ متفرق اور منتشر ہوجاتی ہے۔ وَالْخَيْلِ۔ اس کا عطف القناطیر المقنطرۃ پر ہے۔ الخیل ایسی جمع ہے کہ جس کا اس کے لفظ سے کوئی واحد نہیں۔ اس کا واحد فرس آتا ہے یہ الخیلاء سے مشتق ہے کہ وہ چلتے وقت غرور میں ہوتا ہے یا تخیل سے اس لیے کہ اس کے قلب میں سوائے اس کے مالک کے اور کوئی معزز و مکرم نہیں ہوتا صرف مالک کو ہی معظم ترین دیکھتا ہے اور بس۔ الْمُسَوَّمَةِ، داغدار یعنے یا رنگ یا داغنے یا چرانے کی وجہ سے اس میں نشان لگایا جائے سامت

السائمۃ سے ماخوذ ہے بمعنے رعت۔ وَالْاَنْعَامِ اس سے اونٹ گائے اور بکریاں مراد ہیں۔ نعم کی جمع ہے۔ وَالْحَرْثِ ط اور کھیتی۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ تمام اشیاء لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والی ہیں مثلاً عورتیں اور بچے سب کے لیے، سونا اور چاندی تاجروں کے لیے، گھوڑے بادشاہوں کے لیے اور جانور دیہاتوں کے لیے اور کھیتی کسانوں کے لیے فتنہ ہیں۔

ذٰلِكَ۔ تمام مذکورہ اشیاء۔ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ حیاتِ دنیا کے اسباب ہیں۔ متاع ہر اس شے کو کہا جاتا ہے کہ جس سے دنیا میں نفع اٹھایا جائے اور پھر وہ جلد ترفنا پایا جائے۔ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ اور اللہ تعالٰے کے ہاں احسن انجام ہے اور وہ بہشت ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان اشیاء میں کسی قسم کی اچھی عافیت نہیں۔ آیت میں دنیا فانی کی چیزوں سے نفرت اور اللہ تعالیٰ کی دائمی نعمتوں کی طرف رغبت دی گئی ہے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ دنیا میں سے اتنا فائدہ اٹھائے جتنی اسے ضرورت ہے۔ زاید از ضرورت سے نفع کی امید وبال ہی وبال ہے۔ دنیا کے مشاغل میں ایسا نہ پھنسے کہ پھر اس گڑھے سے نکلنا مشکل ہو جائے بلکہ جو بھی اس میں پھنسا پھر وہ ہزار پریشانیوں میں مبتلا ہوگا۔

قُلْ، اے پیارے حبیب! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیے، اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ط کیا میں تمہیں ان سے بہتر شئے کی خبر نہ دوں۔ یہ ہمزہ استفہام تقریر کے لیے ہے یعنے تمہیں ان دنیا کی لذیذ اشیائے سے بہتر و اعلیٰ شئے کا پتہ نہ دوں۔ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا۔ یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا جنات ... الخ ہے ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں۔ یہاں پر تقویٰ سے مراد رجوع الی اللہ اور اعراض عن ماسوی اللہ ہے۔ چنانچہ آئندہ کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ منصوب علی الحالیۃ ہے۔ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا۔ یہ حال مقدرہ ہے یعنے ان کے لیے رب تعالٰے کے ہاں باغات ہیں کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ، اور ان کے لیے پاکیزہ عورتیں ہیں یعنے وہ عورتیں جو کہ عیوب ظاہرہ سے مبرا اور پاک ہیں یعنے حیض اور ناک کے گندے پانی اور تنہائی میں برائی کرنے سے اور باطنی بیماریوں (حسد و غضب اور اپنے ازواج سے غیروں کی طرف دیکھنے) سے پاک ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت کی ایک بالشت دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

وَّرِضْوَانٌ، اور ایسی رضامندی کہ جس کا اندازہ کرنا محال ترین ہے۔ مِّنَ اللّٰهِ ط جو اللہ تبارک و تعالیٰ سے عطا ہوگی۔

ف: حکماء فرماتے ہیں اس جنات و مافیہا میں جسمانیات اور رضوان میں جنت روحانیہ کی طرف اشارہ ہے اور جنت روحانیہ سے روح میں تجلی نور جلال الٰہی مراد ہے جب بندہ معرفت الٰہی میں مستغرق ہو جاتا ہے تو اس کا پہلا مقام

یہی ہوتا ہے کہ وہ راضی من اللہ ہوتا ہے اور آخری مقام مرضیۃ عند اللہ تعالےٰ ہوتا ہے یعنے اللہ تعالےٰ کا پسندیدہ بندہ۔ (اسی کی طرف راضیۃ مرضیۃ میں اشارہ ہے)۔

وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ○ اور اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے۔ اور ان کے اعمال کو بھی۔ اس وجہ سے انھیں نیکیوں پر ثواب دے گا اور برائیوں پر سزا (جس کے وہ لائق ہیں)۔

اَلَّذِیْنَ۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسے لوگ کون ہیں جو اللہ تعالےٰ کا ڈر رکھتے ہیں پھر ان کو بہترین کرامات عطا ہوتے ہیں۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ وہ لوگ یہ ہیں؛ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا، جو کہتے ہیں، اے ہمارے رب! بے شک ہم ایمان لائے ہم تیری اور تیرے نبی علیہ السلام کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس پر ان کی دعا مرتب ہے؛ فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ پس ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ صرف ایمان سے بھی بندوں کی مغفرت ہو سکے گی اور عذاب نار سے نجات بھی۔

اَلصّٰبِرِیْنَ۔ یہ اعنی محذوف ہونے کی وجہ سے علی وجہ المدح منصوب ہے۔ یہاں یہ طاعات کی تکالیف اور دکھ درد اور جنگ کے خطرات کے وقت صبر کرنے والے۔ وَالصّٰدِقِیْنَ، اپنے اقوال و نیات و عزائم کے سچے۔ وَالْقٰنِتِیْنَ، طاعات و مداومت اور عبادات پر مواظبت کرنے والے۔ وَالْمُنْفِقِیْنَ، اور اپنے اموال اللہ تعالےٰ کے راستے پر خرچ کرنے والے۔ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ○ سحر کے وقت اٹھ کر بخشش مانگنے والے۔ ان میں ہر ایک صفت کے درمیان واؤ عاطفہ میں اشارہ ہے کہ ممدوح و ثنا کے لحاظ سے ہر مستقل صفت ہے اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ان میں کوئی صابر ہے اور کوئی صادق وغیرہ وغیرہ۔

صبر کے فضائل و تحقیق: صبر شریعت میں نفس کو شہوات ممنوعہ سے باز رکھنے کو کہا جاتا ہے۔ یہ جمیع اجناس صبر کے تین (۳) اقسام ہیں:

(۱) صبر علی الطاعۃ
(۲) صبر علی المعصیۃ
(۳) صبر علی المکروہ (دکھ اور درد کے وقت)

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
.. جو شخص کسی مصیبت میں صبر کرتا ہے تو اسے بہشت میں تین درجات نصیب ہوں گے۔ ہر دو درجہ میں درمیان کا فاصلہ اتنا ہو گا جتنا آسمان و زمین کے درمیان اور جو شخص گناہ سے بچنے پر صبر کرتا ہے نو سو ۹۰۰ درجات نصیب ہوں گے۔ ہر دو درجوں کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہے جتنا عرش و کرسی کے درمیان کا فاصلہ۔

صدق کی تحقیق: صدق جیسے اقوال میں ہوتا ہے یعنے جھوٹ سے کنارہ کشی ایسے ہی افعال میں بھی ہوتا ہے جیسے سچی بات کہنا۔ جب تک اس کی تکمیل نہ ہو اس سے نہ ہٹنا۔ ایسے ہی نیت میں بھی ہوتا ہے وہ یہ کہ سچی بات عزم بالجزم کر لینا جب تک مکمل نہ ہو جائے اس عزم سے نہ ہٹنا۔

انفاق کے مسائل

مسئلہ: اپنی ذات پر خرچ کرنا جب کہ اطاعتِ الٰہی بجا لانے کی نیت ہو تو بھی اس پر ثواب ملتا ہے۔ جیسے اہل و عیال اور اقارب پر بہ نیت صلہ رحمی اور جہاد میں اسی طرح تمام نیکیوں کے مصارف۔

استغفار اسحار کے مسائل وفضائل

اللہ تعالٰی سے مغفرت کے سوال کو استغفار کہا جاتا ہے۔

سوال: استغفار کو اسحار سے کیوں مخصوص کیا گیا ہے؟

جواب: اس لیے کہ یہ وقت اقرب الی الاجابۃ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی تخصیص کی گئی ہے۔

سوال: اس وقت کو اقربیت الی الاجابۃ کیوں؟

جواب: یہ وقت نفس پر سخت مشقت ڈالنے والا ہے اور پھر اس وقت جدید غلطیوں کے ارتکاب سے محفوظ ہو کر زیادہ مصفّٰی ہوتا ہے اور اس وقت روح کو جمعیت نصیب ہوتی ہے خصوصاً مجتہدین کے لیے تو یہ وقت نہایت شاندار ہوتا ہے۔

حکایت: حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا یعقوب علی نبینا علیہ السلام نے اپنے صاحبزادوں سے وعدہ فرمایا: سأستغفر ربی۔ (میں تمہارے لیے اپنے رب تعالٰی سے بخشش کی دعا کروں گا)۔ اس وعدہ کے ایفاء پران کے لیے دعا سحر کے وقت مانگی تھی۔ اس لیے کہ یہی وقت قبولیت واجابت کا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ اللہ تعالٰی کو سماعِ دعا سے کوئی شے مانع نہیں۔

چونکہ یہ وقتِ سحر خلوت کی گھڑی ہے۔ اس لیے اسی وقت کو وقت اجابت کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ وقت ریا اور شہرت سے بعید تر ہے۔ اس لیے اقرب الی الاجابۃ ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"پہلے آسمان پر ہر رات اللہ تعالٰی نزول اجلال فرماتا ہے یہاں تک کہ جب رات کا تہائی حصہ بچ جاتا ہے تو فرماتا ہے کہ میں ہی ساری خدائی کا مالک ہوں۔ کون ہے تم میں سے جو مجھ سے سوال کرنے اور میں اس کا سوال پورا کروں اور کون ہے تم میں سے جو مجھ سے دعا مانگے۔ میں دعا قبول کروں اور تم میں ہے کوئی جو مجھ سے گناہوں کی

بخشش مانگے اور میں اس کے گناہ بخش دوں۔

حدیث شریف (حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا):
اللہ تعالےٰ کے نزول اجلال کا معنے یہ ہے کہ اس کا خاص فرشتہ پہلے آسمان پر اترتا ہے یا بطور استعارہ کے ہے کہ وہ خصوصی توجہ اور اجابت کا ارادہ کرکے دُعا مانگنے والوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اسی لیے الی السما الدنیا فرمایا۔ الدنیا بمعنے معتربی۔

ف: اس میں بندوں کو ان کی غفلت پر زجر وتوبیخ کی ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ سے دعا مانگنے اور استغفار سے کیوں غافل ہیں۔

حکایت: حضرت لقمان علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا: اے پیارے بیٹے! اس مرغ سے پیچھے نہ رہنا جب کہ وہ صبح اٹھ کر خدا کو یاد کرے اور تم سوتے رہو ؎

دلا برخیز و طاعت کن کہ طاعت بہ زہر کار است

سعادت آں کسے دارد کہ وقت صبح بیدار است

خروسان در سحر گویند کہ قـم یا ایھا الغافل

تو از مستی نمی دانی کسے داند کہ ہشیار است

ترجمہ: (۱) اے دل اٹھ اور عبادت کر اس لیے کہ عبادت ہر کام سے بہتر ہے اسے سعادت نصیب ہوتی ہے جو سحر کے وقت بیدار ہوتا ہے۔

(۲) صبح مرغا بولتا ہے، اے غافل! اٹھ اسے وہی جانتا ہے جو ہوشیار ہے اور تجھے کیا خبر جب کہ تو غفلت میں ہے۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:
"جب ہم شب معراج کو گئے تو آسمانوں میں اللہ تعالےٰ کے عجائبات دیکھے منجملہ ان کے ایک یہ کہ آسمانِ دنیا میں ایک مرغ کو دیکھا اس کی چونچ سبز اور اس کے بال و پر سپید تھے۔ اور ان کی سفیدی ہمارے جھنڈے کی سپیدی سے بھی تیز تھی اور اس کی چونچ کی سبزی بھی تیز تر تھی۔ اس کے پاؤں ساتویں زمین کی تہ تک پہنچے تھے اور اس کا سر عرش معلیٰ کو مس کر رہا تھا اور اس کی گردن کا موڑ عرش الٰہی کے نیچے تھا۔ اس کے دونوں مونڈھوں پر دو پر تھے۔ جب وہ اپنے پروں کو پھیلاتا تو مشرق ومغرب سے پار نکل جاتے۔ جب رات کا کچھ حصہ گزرتا ہے تو وہ اللہ تعالےٰ کی تسبیح یوں پڑھتا ہے:

سبحٰن اللہ العلی العظیم۔ سبحان العزیز القھار۔ سبحان اللہ رب العرش الرفیع۔

جب وہ یہ پڑھتا ہے تو زمین کے تمام مرغے اس کی طرح پر ہلاتے ہوئے وہی تسبیح زور سے پکارتے ہیں جب وہ آرام کرجاتا ہے تو زمین کے مرغے بھی خاموش ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب وہ حرکت میں آتا ہے تو زمین کے تمام مرغے

حرکت میں آجاتے ہیں اور اس کی تسبیح کا جواب دینے لگ جاتے ہیں۔

سبق: مقصود یہ ہے کہ جب و آسمان و زمین کے مکینوں اور وہ بھی بظاہر نہ بولنے والے بلکہ تمام نباتات اللہ تعالیٰ کی کی تسبیح پڑھتے ہیں:

دان من شیئ الا یسبح بحمدہ۔ تو انسان کے لیے بطریق اولیٰ ضروری ہے کہ وہ دعا و تسبیح میں مشغول رہے بالخصوص خلوات اور سحر کے اوقات میں۔

تفسیر صوفیانہ امام قشیری رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ صابرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالےٰ کے احکام بجا لاتے ہیں اور صادقین وہ ہیں جو اللہ تعالےٰ سے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کرتے ہیں۔ اور قانتین وہ ہیں جو اللہ تعالےٰ کی محبت میں استقامت کرتے ہیں اور منفقین وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال لٹاتے ہیں۔ اور مستغفرین وہ جو اپنی کوتاہی کا احسان کرتے ہوئے۔ اللہ تعالےٰ سے بخشش مانگتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ، اللہ تعالےٰ نے گواہی دی کہ بے شک، لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی اور عبادت کا مستحق نہیں۔

شان نزول: یہ آیت اس وقت اتری جب علاقہ شام کے احبار میں سے دو مرد حاضر ہوئے اور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: "انت محمد" کیا محبوب خدا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہیں؟ آپ نے فرمایا: "نعم" ہاں جی۔ پھر انھوں نے کہا: انت احمد؟ کیا آپ ہی احمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں؟۔ آپ نے فرمایا: میں ہی احمد و محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں۔ انھوں نے کہا: ہمیں کتاب اللہ کی اعظم شہادت سے خبر دیجئے۔ آپ نے انھیں یہی خبر دی یعنے وہ حجت قاطعہ سے ثابت کرتا ہے اور اپنی مصنوعات کے ذریعے اپنی توحید کا علم دیتا ہے کہ وہی واحد ہے وہ اشیاء کے پیدا کرنے میں لاشریک ہے کوئی ایسا نہیں کہ مخلوق کی کوئی شے پیدا کر سکے۔

حدیث شریف سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے اجسام کی پیدائش سے چار ہزار سال قبل ارواح کو پیدا فرمایا اور ارواح کی پیدائش سے پہلے چار ہزار سال رزق کو پیدا فرمایا جبکہ ابھی مخلوق پیدا نہیں کی گئی۔[1] وہ موجود تھا جب نہ آسمان تھے اور نہ زمین اور نہ جنگل تھے نہ دریا۔ تو خود اپنے لیے یوں گواہی

---

[1] حضرت پیر مہرعلی شاہ قادری قدس سرہٗ اس حدیث شریف کو اپنی کافی شریف میں یوں فرماتے ہیں۔

او واحد اک اکلا سی
نہ ظاہر کوئی تجلی سی
نہ رب رسول نہ اللہ سی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

دی : شہد اللہ . . . . الخ۔

وَالْمَلٰٓئِکَۃُ، اور فرشتوں نے بھی گواہی دی۔ اس کا عطف اللہ پر ہے۔ شہادت کو مجازی معنے پر محمول کر کے بطریق عموم المجاز کے اقرار و ایمان ہر دونوں کو شامل کرنے کی وجہ سے یعنی ملائکہ نے اس کا اقرار کیا جب کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی قدرت کو دیکھا۔ وَاُولُوا الْعِلْمِ، اور علم والے بھی ایمان لائے۔ اور اس سے ادلہ تکوینیہ و تشریعیہ سے حجت پکڑی۔ اس سے انبیاء علیہم السلام اور وہ مومن مراد ہیں جنھیں توحید کا علم نصیب ہوا۔ اور اعتقاد صحیح پر مقرر ہوئے۔ اللہ تعالے نے اپنی شہادت کو اپنے ان افعال خاصہ سے تشبیہ دی ہے۔ ان پر سوائے اس کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا[1] اور ملائکہ و اولوا العلم کا اقرار ایسا ہے جیسے گواہ اپنی گواہی کو واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ، اس کا منصوب ہونا حال کی وجہ سے ہے اور یہ حال مؤکدہ ہے۔ اس کا ذوالحال لفظ اللہ ہے نہ کہ الملائکہ و اولوا العلم اس طرح جائز ہے جب کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

یعنے یہ صفاتی نام کہنے والے نہ تھے گویا مخلوق بنی تو ان ناموں سے پکارا گیا۔ ؎

نہ ستار نہ غفار ہن گونوں گوں ہزار

جس دے حسن دا گرم بازار

ہُن میں لکھیا سوہنا یار

(لکھیا، زبر کے ساتھ یعنے سمجھنا، جاننا، معلوم کرنا، محسوس کرنا)۔ یعنے میں نے اس کو اس کی صفات کے ذریعے پہچانا اور معلوم کیا۔ (مترجم)

[1] : شاہد، مشہود اور شہادت کی نفی و اثبات کی بحث بہت طویل ہے اس پر یہاں تفصیلاً نہیں لکھا جاسکتا تاہم اجمالاً عرض ہے کہ اللہ تعالے کے ہونے کی شہادت اللہ تعالے کی اپنی شہادت ہی ہے جو تمام شہادتوں کی بنیاد ہے اگر وہ نہ ہو تو باقی تمام مخلوق کی شہادتیں غیر معتبر ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالے تو باقی ہے اور مخلوق فانی۔ فانی باقی کی بابت شہادت کیا دے سکتا ہے ؎

حادث کیا قدیموں جانے جے لکھ اڈے ہوائیں

وچے ڈُب مرینداں عقلاں حیرت دے دریائیں

اسی لیے اللہ تعالے نے اپنی شہادت کا ذکر پہلے فرمایا۔ کیونکہ دیگر شہادتوں کا اسی پر مدار ہے مثال کے طور پر یوں سمجھیں کہ عدالت میں ڈاکٹر یا پولیس آفیسر اور مقتول کو اٹھانے والے شہادت دیتے ہیں کہ اس مقتول کا فلاں قاتل ہے تو معترض جب کہ پوچھتا ہے کہ تمہارے بیان کی کیا حقیقت ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے مقتول کو یہی کہتے ہوا سنا تھا۔ تو گویا ان کی گواہی کا دارومدار مقتول کے بیان پر ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی گواہی سب گواہیوں کی گویا جان ہے۔

التباس کا خطرہ نہ ہو۔

سوال : اسے لفظ اللہ سے حال بنانے کی کیا خصوصیت ہے ؟

جواب : "قیام بالقسط" ان صفات سے جو کہ اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات میں سے ہے۔

سوال : نحوی قواعد سے اس ترکیب کی مطابقت نہیں پھر یہ کیسے جائز ہوگیا۔

جواب : نحو میں تغلیباً ایسی مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں :

جاء زید وھندا راکبا۔

یہ اس لیے جائز ہے کہ راکبا سے تذکیر کا صیغہ واضح طور پر تغلیب پر دلالت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جاء زید وعمرو راکباً ناجائز ہے کہ اس میں التباس ہے کہ نہ معلوم حال زید ہے یا عمرو۔

ف : قائما بالقسط بمعنے مقیما بالعدل یعنے وہ رزق و اجل اور جزا و سزا دینے میں اپنے بندوں سے عدل و انصاف فرماتا ہے بلکہ انھیں عدل کا حکم فرماتا ہے یا جن امور سے روکتا ہے ان میں بھی عدل و انصاف ہوتا ہے تاکہ ان میں برابری رہے اور ایک دوسرے پر ظلم نہ کر سکیں۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ اللہ تبارک وتعالیٰ عزیز و حکیم ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

سوال : اس مضمون کو ایک ہی آیت میں تکرار کا کیا فائدہ ؟

جواب : توحید کی تاکید کی وجہ سے تاکہ وہ بندے اللہ تعالیٰ کی توحید کا حق ادا کریں اور شرک سے بچیں۔ اس لیے کہ توحید کے منکر پر اتنی زیادہ سخت سزا ہے کہ اس جیسی اور کوئی سزا نہیں اور اپنی مخلوق پر جس طرح چاہتا ہے حکم دیتا ہے، لیکن ایسا نہیں کہ وہ اپنے غلبۂ قدرت کی وجہ سے کسی سے ناانصافی کرے۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ قف یہ جملہ مستانفہ اور پہلے جملہ کے لیے موکدہ ہے یعنے اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین صرف اسلام ہے وہی جو توحید اور شریعت شریفہ پر مشتمل ہے۔ وہی دین حق ہے اس کے ماسوا باقی تمام ادیان باطل ہیں۔

ف : ہمارے شیخ علامہ مرحوم نے اپنی بعض تحریرات میں لکھا ہے کہ کلام کو نازل کرنے کا واحد مقصد مطلق دعوت الی الدین الحق ہے اور دین حق آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہی دین اسلام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

"ان الدین عند اللہ الاسلام"

دین اسلام کی حقیقت توحید ہے۔ اور اس کی صورت مختلف شریعتوں میں پائی گئی جو ہر ایک شریعت کی اپنی شرائط میں اور

درحقیقت یہی ایک ہی دین ہے جو ازل سے لے کر تا قیامت باقی رہے گا۔ جو حقیقی طور پر سب سے برابر لیکن لحسب الصورۃ والشرائط مختلف ہے اور ظاہری اختلاف اتحاد اصلی اور وحدت حقیقیہ کے منافی نہیں۔

مسئلہ: حضرت قتادہ رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام کلمہ طیبہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی سچے دل سے گواہی اور ان تمام احکام (جو اللہ تعالٰے کی طرف سے بندوں کے لیے آئے) کے اقرار کا نام ہے۔

حکایت: حضرت غالب القطان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تجارت کے لیے کوفہ میں گیا تو حضرت اعمش رضی اللہ عنہ کے جوار میں قیامگاہ منتخب کی۔ پھر مختلف اوقات میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا۔ ایک رات حاضر ہو کر ارادہ کیا کہ کل کوفہ کو چھوڑ کر بصرہ کو چلا جاؤں۔ اسی شب حضرت اعمش رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ تہجد کے لیے اٹھے ہیں اور نماز شروع کی۔ قرات پڑھی جب شهد الله انه لا اله الا هو والملئكة واولوا العلم قائما بالقسط لا اله الا هو العزيز الحكيم تک پہنچے تو کہنے لگے:

"انا اشهد بما شهد الله به ... الخ" یعنے میں بھی گواہی دیتا ہوں جس کی اللہ تعالٰے نے گواہی دی اور میں اسے اللہ تعالٰے کے ہاں امانت رکھتا ہوں۔ یہی میری امانت اللہ تعالٰے کے ہاں محفوظ رہے گی بے شک دین پسندیدہ اللہ تعالٰے کے ہاں دین اسلام ہے۔ اسے آپ نے بار بار پڑھا مجھے محسوس ہوا کہ اس کے جواب میں آپ نے کچھ (بارگاہِ ایزدی سے) جواب بھی سنا۔ مجھے خیال گزرا کہ میں بھی آپ کے ساتھ مل کر نماز پڑھوں اور میں بھی اپنی اس امانت کو اللہ تعالٰے کے سپرد کر دوں۔ جب وہ فارغ ہوئے تو میں نے انھیں عرض کی کہ یا حضرت! میں نے آپ سے اس آیت کو بار بار پڑھتے سنا۔ فرمائیے آپ کو اس کے متعلق کوئی روایت پہنچی ہے۔ انھوں نے فرمایا: میں تجھے اس کے متعلق ایک سال کے بعد بتاؤں گا۔

چنانچہ میں اس روایت کے سننے کے طمع میں ان کے دروازے پر مکمل ایک سال تک پڑا رہا۔ پھر میں نے انھیں عرض کیا کہ يا ابا محمد قد مضت السنه۔ (اے ابو محمد (کنیت اعمش) سال تو گزر گیا ہے)۔ انھوں نے فرمایا: مجھے حضرت ابو وائل صحابی رضی اللہ تعالٰے عنہ نے حدیث سنائی کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو اس آیت کا ورد رکھتا ہے اسے قیامت میں بارگاہِ حق میں لایا جائے گا تو اللہ تعالٰے فرمائے گا۔ اس بندے کا میرے ہاں ایک عہد نامہ ہے اور میں زیادہ حق رکھتا ہوں کہ ایفائے عہد کروں فلہذا میرے اس بندے کو بہشت میں لے جاؤ۔

اسنادِ عہد نامہ[1]: وہ عہد نامہ جو عوام میں مشہور ہے مناسب ہے کہ یہاں اس کا ذکر کر دیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰے سے ایک دن فرمایا کہ کیا تم اس سے عاجز ہو کہ ہر صبح و شام اللہ تعالٰے سے عہد لے لیا کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی۔

نے عرض کی وہ کیسے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر صبح و شام مندرجہ ذیل پڑھا کرو۔

عہد نامہ اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ اِنِّیْ اَعْهَدُ اِلَیْكَ بِاَنِّیْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ ، اَسْئَلُكَ اَنْ تَكِلَنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ تُقَرِّبُنِیْ مِنَ الشَّرِّ وَتُبَاعِدُنِیْ مِنَ الْخَیْرِ وَاِنِّیْ لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِكَ فَاجْعَلْ لِیْ عَهْدًا تُوَفِّیْنِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔

عہد نامہ کے خواص جب بندہ یہ عہد نامہ پڑھتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس عہد نامہ پر اپنی خاص مہر ثبت فرما کر حکم دیتا ہے کہ اسے عرش الٰہی کے نیچے رکھا جائے۔ پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے منادی پکارے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جن کا اللہ تعالےٰ کے ہاں عہد نامہ ہے۔ وہ حاضر ہوں گے پھر انہیں بہشت بریں میں داخل کیا جائے گا۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ وہ ہر صبح و شام اپنے معبود خالق الارض والسماء سے پُر خلوص ہو کر دعا مانگے۔ اس لیے کہ خلوص پر ہی بندہ کی ہر اطاعت اور ہر عمل کا دارومدار ہے ؎

عبادت باخلاص نیت نکوست
وگرنہ چہ آید از بے مغز پوست

ترجمہ: خلوص نیت کے ساتھ عبادت بہتر ہے ورنہ صرف پوست سے کیا مغز حاصل ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ، یہ آیت ان یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی، جنھوں نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے احکام کا ترک اور آپ کی نبوت کا انکار کیا یعنے اختلاف کیا ان لوگوں نے جو کتاب دیئے گئے ہیں۔ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ، مگر بعد اس کے کہ ان کو علم ہے۔

یہ استثنار مفرغ ہے یعنے ہر حال اور ہر وقت سے یعنے انھوں نے اللہ تعالےٰ کے دین اسلام اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا ہر حال اور ہر وقت میں انھوں نے نہیں اختلاف کیا مگر بعد اس کے کہ انھیں معلوم ہے کہ وہ دین اسلام اور نبوت محمدی حق ہے کہ اسے ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں یا بعد اس کے کہ انھیں حقیقت الامر کا علم ہے اور حجج و دلائل و براہین سے انھیں پورا الیقین ہے۔

ف: اس آیت میں ان کی انتہائی گمراہی کا بیان ہے کہ اس سے مزید اور کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اتنے بہت بڑے مرتبے کے حصول کے باوجود اس میں اختلاف کرنا عقل مند کا کام نہیں ہے۔ عقل کے ہوتے ہوئے انکار کرنا انتہا درجہ کی گمراہی ہے۔

بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ یہ مفعول لہ ہے۔ اختلاف کا یعنے یہ انکار ان کے حسد، طلب ریاست کی بنا پر ہے۔ جس میں کسی قسم کا شبہ نہیں اور اسے پوشیدہ رکھ کر دوسرے طور پر اختلاف کا اظہار کرتے ہیں۔ اس مضمون سے ان کی مذمت در مذمت مطلوب ہے۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ، اور وہ اللہ تعالےٰ کے آیات سے کفر کرتا ہے وہ آیات جو مذکور ہوئے کہ اسلام ہی اللہ تعالےٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ ان دلائل کو جانتے ہوئے ان کے مقتضیٰ حال پر عمل نہیں کرتا۔ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○ پس اللہ تعالےٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ یہ جملہ جواب کے قایم مقام اور اس کی علت واقع ہوا ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ جو اللہ تعالےٰ کی آیات کو نہیں مانتا تو اللہ تعالےٰ اسے سزا اور زیادہ سخت دے گا۔ اور وہ وقت بالکل قریب ہے پھر وہ جلد تر حساب لینے والا ہے یعنے اس کا جلد تر حساب آنے والا ہے یعنے وہ اپنی تمام مخلوق کا جلد تر حساب لینے والا ہے اس لیے کہ قیامت میں بہت تھوڑی دیر میں ہی سب کا حساب لے لے گا یہاں تک ہر ایک کا گمان یہ ہوگا کہ اللہ تعالےٰ نے صرف میرا ہی حساب لیا ہے۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ ، پس اگر وہ آپ سے جھگڑیں اس مسئلہ میں کہ پسندیدہ دین اللہ تعالےٰ کا اسلام ہی ہے۔ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ ، تو اے پیارے حبیب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیے کہ میں نفس وقلب کو بلکہ اپنے آپ کو بھی خالص کر چکا ہوں۔ لِلّٰهِ ، اللہ تعالےٰ وحدہ لاشریک لہ کے لیے، اس میں مَیں نے کسی دوسرے کو اس کا شریک نہیں بنایا کہ اس کے ماسوا کسی دوسرے کی عبادت کروں یا اس کے سوا کسی دوسرے کو معبود بناؤں۔ یعنے دین قدیم وہی ہے جو تمہارے ہاں ثابت ہے اور میرے پاس بھی وہی دین ہے۔ میں کوئی نئی بات نہیں لایا کہ جس کے متعلق تم میرے ساتھ جھگڑتے ہو۔ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ۔ اس کا عطف ضمیر متصل (اسلمت) پر ہے اور یہی موزوں تر ہے۔ اس لیے درمیان میں جو الفاظ فاصل ہیں وہی ضمیر منفصل تاکید کے قائم مقام ہیں یعنے جو لوگ میری تابعداری کرتے ہیں انھوں نے بھی سر تسلیم خم کر لیا۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ، اور فرمایئے ان لوگوں سے جو کتاب دیئے گئے ہیں یعنے یہود و نصاریٰ۔ وَالْاُمِّيّٖنَ ، اور ان لوگوں سے کہ جن کے پاس کوئی کتاب نہیں یعنے مشرکین عرب سے۔ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ کیا تم بھی سر تسلیم خم کرتے ہوئے میری تابعداری کرتے ہو جیسے اہلِ ایمان نے تابعداری کی ہے اور تمہارے پاس ایسے دلائل موجود ہیں جو اس کے مقتضی اور تم پر لازم کرتے ہیں کہ تم مجھ پر لازماً ایمان لاؤ۔ پس اب تم ایمان لاتے ہو اور ان دلائل کے مطابق عمل کرتے ہو یا ویسے ہی ابھی کفر پر ڈٹے ہوئے ہو۔

ف : یہ استفہام بمعنے امر ہے۔ ای اسلموا یعنے مسلمان ہو جاؤ۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ تم کسی کو ہر طریق سے مسئلہ سمجھاؤ

(بقیہ متن صفحہ ۱۸۳ پر)

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ

يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ

أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا

نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِنْهُمْ

وَهُمْ مُعْرِضُونَ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ

وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي

الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ

بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ

فِي اللَّيْلِ ۖ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۖ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ

حِسَابٍ ۝ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَنْ

يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ

اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝ قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ

يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيرٌ ۝ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ

تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَاللَّهُ

رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو آیات الٰہی کا انکار کرتے ہیں اور انبیاء کو ناحق شہید کرتے ہیں اور انصاف
کے حکم کرنے والے کو قتل کرتے ہیں سو انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو یہی ہیں وہ لوگ جن کے
اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے اور ان کے لیے کوئی حامی کار نہیں کیا تم نے انھیں نہیں دیکھا جن کو
کتاب کا ایک حصہ عطا ہوا وہ کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ اللہ تعالے ان کا فیصلہ فرمائے
پھر ان کا ایک گروہ اس سے روگرداں ہو کر پھر جاتا ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ
ہمیں آگ ہرگز نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن۔ ان کے دین میں انھیں اس جھوٹ نے دھوکہ دیا جو
وہ خود گھڑتے تھے۔ سو کیسا ان کا برا حال ہو گا جب ہم انھیں اس دن کے لیے جمع کریں گے جس میں کوئی
شک نہیں اور ہر ایک کی کمائی پوری بھر دی جائے گی۔ اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔ عرض کیجیے،

اے اللہ! ملک کے مالک تو جسے چاہے (سلطنت) ملک دیتا ہے اور جس سے تو چاہے ملک چھین لیتا ہے اور جسے تو چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت دے۔ تمام بھلائی تیرے قبضہ میں ہی ہے بے شک تو ہر شے پر قادر ہے تو رات کے اجزاء دن میں داخل کرتا ہے اور دن کے اجزاء رات میں ڈالتا ہے اور تو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے۔ اور تو جسے چاہے ان گنت رزق دیتا ہے۔ اہل ایمان کفار کو اہل اسلام کے سوا اپنے دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس کا اللہ تعالٰے سے کوئی تعلق نہ رہا مگر یہ کہ تمھیں ان سے کوئی خطرہ ہو اور اللہ تعالٰے تمھیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالٰے کی طرف لوٹنا ہے فرمائیے تم اپنے دل کی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تعالٰے سب کچھ جانتا ہے اور جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب کو جانتا ہے اور اللہ تعالٰے ہر شے کا مل قدرت رکھتا ہے اور اس دن ہر شخص اپنی نیک کمائی کو موجود پائے گا اور وہ جو بُرا کام کیا (وہ بھی حاضر پائے گا) تمنا کرے گا کاش! مجھ میں اور اس میں دور کا فاصلہ ہوتا اور اللہ تعالٰے تمھیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالٰے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

(بقیہ متن صفحہ نمبر ۱۸۱)

اور ہر قسم کے بیانات اور دلائل و براہین بیان کرو کہ اس کے بعد کوئی دلیل اور بیان کی ضرورت نہ ہو تو پھر خلاصہ کے طور پر کہو، هل فهمتما۔

فَإِنْ أَسْلَمُوا پس اگر وہ مان جائیں جیسے تم نے مانا اور پھر مخلص ہو جائیں۔ فَقَدِ اهْتَدَوْا پس تحقیق وہ ہدایت پا جائیں گے یعنے حظ وافر سے محفوظ ہوں گے اور گمراہی کی ہلاکتوں سے نجات پا جائیں گے۔ وَإِن تَوَلَّوْا اور اگر منہ نہ پھیرلیں یعنے اتباع سے روگردانی کریں اور قبول اسلام سے انکار کریں۔ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ پس بیشک آپ کا کام صرف احکام الٰہی پہنچا دینا ہے۔ یہ جواب کے قائم مقام ہے یعنے وہ آپ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس لیے کہ آپ کا کام صرف تبلیغ ہے یعنے آپ رسالت کے احکام پہنچانے پر مامور ہیں۔ آپ ہدایت (کی تخلیق) کے لیے نہیں بھیجے گئے اور تبلیغ کا کام آپ کر چکے بلکہ تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ آیت اہل کتاب کے سامنے پڑھی تو انھوں نے عرض کیا: اسلمنا۔ ہم نے مان لیا۔ پھر آپ نے یہودیوں سے فرمایا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ عیسٰے علیہ السلام کلمۃ اللہ اور اس کے عبد مقدس اور رسول ہیں۔ تو انھوں نے کہا: معاذ اللہ۔ (پناہ بخدا) پھر آپ نے نصاریٰ سے فرمایا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ عیسٰے علیہ السلام اللہ تعالٰے کے عبد مقدس اور رسول ہیں۔ انھوں نے

کہا ! معاذاللہ - (پناہ بخدا) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عیسٰے علیہ السلام خدا کے بندے ہوں - اس وجہ سے اللہ تعالٰے نے فرمایا ! ذ ان تولوا .... الخ -

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ اور اللہ تبارک وتعالٰے اپنے بندوں کے تمام احوال جانتا ہے - اس آیت میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی -

---

(تفسیر آیات صفو گذشتہ)

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ، بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالٰے کے آیات سے کفر کرتے ہیں - آیات سے عام ہے - اس میں وہ کفار بھی داخل ہو گئے جو ان آیات کا انکار کرتے ہیں جو حقیقت اسلام پر دلالت کرتی ہیں -

وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ انبیاء علیہم السلام کو شہید کرنے والے اہل کتاب یہود تھے -

سوال : قاتلین تو سابقہ اہل کتاب تھے پھر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم زماں اہل کتاب کا کیا قصور کہ ان کو ملامت کی جا رہی ہے ؟

جواب : چونکہ یہ لوگ اپنے اسلاف کے اس برے فعل پر خوش تھے بلکہ ان کی بھی کوشش رہی کہ کسی طرح وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر ڈالیں - اور ان کے ساتھ تمام مومنین کو بھی - اگر اللہ تعالٰے اپنی عصمت سے ان کی حفاظت نہ فرماتا - تو وہ لوگ اپنے ناپاک عزائم پر کامیاب ہو جاتے - اس طرح صیغہ استقبال سے اشارہ بھی کر دیا -

سوال : سورہ بقرہ میں بغیر الحق (الحق) کو معرف باللام کر کے) اور یہاں نکرہ لانے میں کیا حکمت ہے ؟

جواب : بغیر الحق کا معنٰے ہے کہ وہ حد جو اللہ تعالٰے نے متعین فرمائی ہے اور اس کی خبر بھی دے دی - اور بغیر حق نکرہ ہے اس کا معنٰے ہے کہ قتل بھی وجوہ حق میں سے ایک وجہ ہے -

اب آیت کا معنٰے یہ ہوا کہ وہ قتل کرتے بغیر حق کے ان حقوق میں سے -

وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ، اور شہید کرتے ان لوگوں کو جو عدل و انصاف کا حکم فرماتے ہیں -

مِنَ النَّاسِ ۙ لوگوں میں سے -

حدیث شریف حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) سب سے سخت تر عذاب کسے ہوگا - آپ نے فرمایا : اس شخص کو کہ جس نے کسی نبی علیہ السلام کو شہید کیا یا پھر اس شخص کو جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والے کو قتل کر ڈالے - پھر حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی آیت پڑھی - پھر فرمایا : اے ابو عبیدہ نبی اسرائیل نے ان کے پہلے تائم

میں صرف ایک گھنٹہ میں تینتالیس[۴۳] انبیاء (علیہم السلام) کو شہید کر ڈالا تھا، اس پر بنی اسرائیل کے غلاموں (جن کی تعداد ایک سو بارہ تھی) نے انھیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی کہ تم نے انبیاء علیہم السلام کو ناحق شہید کر ڈالا ہے۔ اس پر بنی اسرائیل کو غصہ آیا۔ انھوں نے اسی دن کی شام کو ان سب کو شہید کر دیا۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ پس ایسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔ ایسے عذاب کی جو انھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگا۔

سوال: دوزخ کی خبر سنانے کے لیے بشارت کیوں، تعبیر کیوں بشارت ہر اس خبر کو کہتے ہیں جو مسرور کن ہو اور یہاں پر سرور کیسا؟

جواب: یہ تہکماً کہا گیا ہے۔ یہ ان کے اس مقولے کی طرح ہے جو آپس میں دکھ درد پہنچانے پر بھی "تحیۃ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ، یہی ہیں کہ جن کے اوصاف قبیحہ مذکور ہوئے۔ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ذ وہ لوگ ہیں کہ جن کے اعمال ضائع و اکارت ہوئے دنیا و آخرت میں۔ یعنے جو عمل بھی کیے حسنات اور نیکیوں میں سے ان کا کچھ بھی نہ بچا۔ دارین میں محروم رہیں گے بلکہ دنیا میں لعنت اور رسوائی گلے کا ہار بنے گی اور آخرت میں دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝ اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوں گے جو انھیں اللہ تعالے کے عذاب سے نجات دلانے پر مدد دے سکیں نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

سوال: تعدد انصار کی نفی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدھ ان کا مددگار ہوگا کیونکہ جمع کی نفی سے واحد کی نفی نہیں ہوتی؟

جواب: جمع کا صیغہ صرف مقابلۃً لایا گیا ہے اس لیے کہ مضمون کو جمع کے صیغہ سے بیان کیا گیا ہے اس لیے نفی کے وقت مقابلہ کی حیثیت برقرار رکھتے ہوئے صیغہ جمع کا لایا گیا ہے۔ دوسرے مقام پہ فرمایا:

"وما للظالمین من انصار"

مسئلہ آیت میں جو لوگ امر بالمعروف اور ناہی عن المنکر کو شہید کرتے ہیں ان کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ بڑی بدبخت ہے وہ قوم جو آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر کو شہید کر دیتی ہے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی بڑے بدبخت ہیں جو عدل و انصاف کا دامن چھوڑ دیتے ہیں اور وہ تو بہت ہی کم بخت ہیں جو عدل و انصاف کے عمل کرنے والوں کو شہید کر ڈالتے ہیں۔

سبق اے سالک! عدل و انصاف کا دامن مضبوط تھامئے اور ظلم و تشدد سے دور بھاگئے۔ مل کر امر حق و نہی عن المنکر کی تبلیغ میں جد و جہد کریں۔ جب حق کا پیام سناؤ تو پھر اللہ تعالے کے سوا کسی سے نہ ڈرو۔

تمھارا کام ہے حق کا پیام سنانا ہے

۱۔ گرچہ دانی کہ نشنوند بگوئی
ہرچہ می دانی از نصیحت و پند

۲۔ زود باشد کہ خیرہ سربینی
بدو پائی اوفتادہ اندر بند

۳۔ دست بر دست می زند کہ دریغ
نشنیدم حدیث دانش مند

ترجمہ: (۱) اگرچہ تمھیں یقین ہے کہ وہ تیری بات نہیں مانے گا لیکن تو اپنے علم کے مطابق اسے ضرور سنا دے۔
(۲) عنقریب دیکھو گے کہ اس بدبخت سر کے بل پڑا نظر آئے گا۔
(۳) پھر وہ افسوس کے ہاتھ ملے گا اور کہے گا کہ میں نے بزرگوں کا کہا نہ مانا۔

راز کی بات قیامت تک امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا سلسلہ جاری تو رہے گا لیکن قرب قیامت میں کسی دل پر وعظ ونصیحت اثر نہیں کرے گا اس لیے کہ اس وقت قلوب پر گناہوں کی زنگ غلبہ پا جائے گی جس کی وجہ سے دل سیاہ وسخت ہو جائیں گے بلکہ لذات دنیا کے لیے حرص وہوا کا دور دورہ ہوگا۔

حکایت ہارون الرشید (بادشاہ) اپنے لشکر سمیت شاہانہ سواریوں پر سوار ہو کر کہیں جا رہا تھا تو یہودی نے کہا: اتق اللہ۔ (اے ہارون الرشید! اللہ تعالٰے سے خوف کھا)۔ ہارون الرشید یہ کلمہ سنتے ہی سواری سے اتر پڑا۔ لشکر بھی اپنے بادشاہ کے اعزاز واکرام میں سواریوں سے اتر پڑا۔ ہارون الرشید سے پوچھا گیا کہ جناب! سواری سے اترنے کا کیا مطلب۔ ہارون الرشید نے جواب دیا کہ اللہ تعالٰے کا اسم گرامی زمین پر لیا جائے اور میں سواری پر سوار رہوں یہ حیا کے خلاف ہے۔

مسئلہ: بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے جب کہ کوئی کسی سے کہے کہ بھائی خدا سے ڈر۔ تو وہ اس کے جواب میں کہے کہ تو خود کو تو سنبھال، تو کون ہے مجھے نصیحت کرنے والا۔ [یہ بیماری ہمارے دور میں عام ہے][1] (من اللہ العظمہ والتوفیق الی سواء الطریق)۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ۔ اس میں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہود ونصارٰی کے حالات سنا کر اور ان کے برے اعمال دکھا کر تعجب دلانا مطلوب ہے یا ہر اس شخص کو جو اس خطاب کا اہل ہے۔

---

[1] اضافہ از مترجم:

اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا، کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کا حال جو دیئے گئے ہیں حصہ وافر۔ مِّنَ الْکِتٰبِ کتاب یعنے تورات سے۔ اس سے کتاب کے علوم و احکام اور حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک کے قصّے اور اسلام کی حقیقت مراد ہے۔ یُدْعَوْنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ، اللہ تعالےٰ کی کتاب کی طرف بلاتے جاتے ہیں جس کا حصہ وافر دیئے گئے۔ اس سے تورات مراد ہے۔ گویا یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو لوگ کتاب سے حصہ وافر دیئے گئے ہیں ان کا کیا کردار تھا تاکہ انھیں دیکھا جائے اس کے جواب میں یہ نیا جملہ ہے: یدعون الی کتٰب اللّٰہ۔

لِیَحْکُمَ، تاکہ وہی کتاب فیصلہ کرے۔ بَیْنَہُمْ، ان کے مابین اور کتاب میں ہی احکام واضح طور پر بیان کئے گئے ہیں اس لیے کہ حکم کی نسبت ان کی طرف جائز ہے جیسے قرآن مجید کی صفت بشیر و نذیر واقع ہوئی ہے اس لیے کہ اس میں خوشخبری اور ڈرانے کا بیان ہے۔

شانِ نزول (۱) حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یہودیوں کی عبادت گاہ میں تشریف لے گئے اور انھیں دعوت اسلام و دعوات ایمان پیش کی۔ ان کے سردار نعیم بن عمرو نے کہا: آپ کس دین پر ہیں۔ فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر۔ نعیم بن عمرو نے کہا: ابراہیم علیہ السلام تو یہودی تھے۔ (معاذ اللہ) ۔حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور تمھارے مابین فیصلہ تورات میں ہے فلہٰذا تورات لے آؤ اس سے فیصلہ ہو جائے گا کہ ابراہیم علیہ السلام ہماری ملت کے مطابق تھے یا یہودی تھے (معاذ اللہ)۔ تورات لانے سے یہودیوں نے انکار کر دیا۔

شانِ نزول (۲) امام کلبی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: یہ آیت رجم کے متعلق نازل ہوئی۔ اہلِ خیبر کے ایک مرد و عورت نے زنا کیا۔ اور وہ اہل خیبر میں اونچے طبقے میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی کتاب میں رجم کا حکم تھا۔ اس کے باوجود حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس امید پر کہ ممکن ہے کہ ان کے ہاں رجم کا حکم نہ ہو تاکہ وہ سنگساری سے بچ جائیں۔ حضور علیہ السلام نے ان پر سنگساری کا حکم صادر فرمایا۔ یہودیوں نے کہا کہ آپ کا یہ فیصلہ مبنی بر جور و ستم ہے۔ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمھارا اور ہمارا فیصلہ تورات میں ہے۔ یہودیوں نے کہا: واہ واہ! آپ نے خوب انصاف فرما دیا۔ اس لیے کہ تورات تو ہمارے دین کی کتاب ہے۔ آپ نے فرمایا: تم میں تورات کا عالم کون ہے؟ انھوں نے کہا: ابن صوریا۔ اسے بلوایا گیا۔ جب وہ حاضر ہو گیا تو آپ نے تورات کا وہی حصہ کھولا کہ جس میں رجم کا حکم تھا۔ اس لیے کہ آپ کو اس مقام کی رہبری حضرت عبداللہ بن سلام (رضی اللہ عنہ) نے کی تھی۔ آپ نے ابن صوریا سے اس مقام کے پڑھنے کا حکم دیا۔ جب وہ رجم کے مضمون تک پہنچا تو اسے انگلی کے نیچے دبا کر آگے پڑھنے لگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اٹھ کر اس کی انگلی کو ہٹا لیا۔ اور حضور علیہ السلام کو تورات کا رجم کا مضمون سنا دیا۔ جسے عام یہودیوں نے بھی سنا۔ (تورات

میں لکھا تھا) :

"شادی شدہ مرد یا عورت جب زنا کریں اور ان دونوں پر گواہ گواہی دیں تو دونوں کو سنگسار کرنا ضروری ہے۔ ہاں، اگر عورت حاملہ ہو تو جب تک وضع حمل نہ ہو اس وقت تک سنگسار نہ کی جائے جب بچہ پیدا ہو جائے تو پھر اسے سنگسار کیا جائے۔"

تورات کے اس حکم کے مطابق حضور علیہ السلام نے ان دونوں کو سنگسار کرایا۔ اس سے یہود آپ پر ناراض ہو گئے۔ اس وجہ سے وہ کافر ہو کر لوٹے۔ اس پر اللہ تعالٰے نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ، پھر روگردانی کرتا ہے ایک گروہ ان میں سے۔ باوجودیکہ جانتے تھے کہ ہمارا رجوع اس کی طرف ہے پھر بھی روگردانی کی یہ ایک عجیب وغریب معاملہ ہے۔

سوال : روگردانی میں ایک گروہ کا کیوں کہا، سب کا نام کیوں نہیں لیا؟

جواب : اس سورہ میں کہا ہے :

"من اهل الكتاب امة قائمة"، (بعض اہل کتاب میں ایک گروہ حق پر ہے۔)

اور فرمایا :

امة يهدون بالحق وبه يعدلون" (بعض اہل کتاب ہدایت یافتہ حق سے ہیں اور اسی سے انصاف کرتے ہیں۔)

خلاصہ یہ کہ روگردانی سب نے نہیں کی۔ بلکہ ان میں سے بہت سے حضرات کو اسلام کی دولت نصیب ہوئی۔

وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ یہ یا تو فریق سے حال ہے کیونکہ یہ صفت خصوصیت سے انھیں نصیب ہوئی یعنے وہ مجلس نبوی سے لوٹتے تھے دراں حالیکہ وہ قلبی طور پر اعراض کرنے والے تھے۔ یا یہ جملہ معترضہ ہے یعنی وہ ایک ایسی قوم ہے جن کی عادات اعراض عن الحق اور اصرار علی الباطل ہے۔ ذٰلِكَ یعنے وہ روگردانی اور اعراض۔ بِاَنَّهُمْ اس سبب سے انہیں روگردانی وغیرہ حاصل ہے۔ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ، انھوں نے کہا کہ ہمیں آگ مس نہیں کرے گی گناہوں معاصی کے ارتکاب سے۔ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ مگر چند روز گنتی کے یعنی چالیس[40] روز۔ اس لیے کہ اتنے ایام تک ان کے آباؤ اجداد نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ اور اس پر ان کا ایسا عقیدہ پختہ تھا کہ ہر طرح کے عذاب کی خبر انھیں معمولی سے معمولی معلوم ہوتی تھی۔ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ اور انہیں دھوکہ میں ڈالا دین میں وہ باتیں جو وہ خود گھڑ کر بیان کرتے مثلاً ہمیں چند روز آگ مس کرے گی یا ان کا کہنا کہ چونکہ ہمارے آباء انبیاء علیہم السلام تھے اس لیے وہ ہماری سفارش کر کے ہمیں عذاب سے بچا لیں گے یا کہتے کہ ہر حضرت یعقوب علیہ السلام سے اللہ تعالٰے نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کی اولاد کو عذاب نہیں ہوگا۔ ہاں، اگر دینا ہوگا تو صرف اتنا کہ قسم پوری ہو اس لیے وہ بہت بڑے جرائم وقبائح کے مرتکب ہو بیٹھے۔

حدیث شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ یہودیوں کا گمان فاسد ہے کہ انھوں نے تورات میں دیکھا ہے کہ جہنم کے دو کناروں کا فاصلہ چالیس سال کا ہے اور وہ بھی اگر جہنم میں جائیں گے تو اس مقدار تک اور جب زقوم کے درخت کے قریب پہنچیں گے تو پھر ان سے جہنم دور ہو جائے گی بلکہ مٹ کے رہ جائے گی حالانکہ بات یوں ہے کہ جہنم کا اصل سقر ہے اور اس میں زقوم کا درخت ہے پس جس وقت انھیں جہنم کے دروازے سے داخل کیا جائے گا تو عجلت سے عذاب میں داخل ہو جائیں گے۔ جب زقوم کے درخت کے قریب پہنچیں گے تو اس سے ان کے پیٹ بھر دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد انھیں جہنم کا خازن فرمائے گا کہ تمھارا تو خیال تھا کہ تمھیں جہنم میں چند روز، چالیس روز یا چالیس سال رہنا ہوگا۔ اب چالیس سال گزر گئے ہیں لیکن تم ابھی چند روز جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو۔ تمھیں یقین ہونا چاہیئے کہ تم اس جہنم کے عذاب میں مبتلا رہوگے۔

فَكَيْفَ، پس کیسے عمل کرتے ہیں یا ان کا کیسا حال ہوگا۔ اس سے اس تیار کردہ عذاب کی عظمت بتانا اور انھیں اس سے ڈرانا مطلوب ہے کہ وہ اس عذاب میں لازماً واقع ہوں گے پھر اس سے نکلنے کا نہ کوئی چارہ ہے اور نہ اسے دفع کرنے کا کوئی حیلہ اور نہ ہی اس سے جان چھوٹنے کا امکان اور وہ اسے آسان سمجھتے۔ یہ محض وہم و خیال ہے اور ایسی شے کا طمع رکھتے جس کا سرے سے وجود ہی نہیں۔ **إِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ**، جب ہم انھیں جزاء کے دن جمع کریں گے۔ **لَا رَيْبَ فِيْهِ**، وہ ایسا دن ہے کہ اس کے وقوع میں کسی قسم کا شک نہیں۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ قیامت میں کفار کا سب سے پہلا جھنڈا یہودیوں کا کھڑا کیا جائے گا۔ اللہ تعالٰی عوام کے سامنے انھیں شرمسار کرے گا پھر حکم فرمائے گا کہ انھیں جہنم میں لے جاؤ۔

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ، اور ان کے اعمال کی انھیں پوری جزا ملے گی۔ اس میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوگی۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے اعمال ضائع نہیں جاتے۔

مسئلہ: یہ بھی معلوم ہوا کہ مؤمن جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ اس لیے کہ ان کے ایمان و اعمال کی جزاء کو پورا کرنا جہنم میں نہیں ہوگا اور نہ ہی جہنم کے داخلہ سے پہلے ہوگا بلکہ جب وہ جہنم سے خلاص پائیں گے تو پھر انھیں جزا ملے گی۔ یہی ہمارا معتقد ہے کہ مؤمن جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔

وَهُمْ۔ اس سے تمام مراد ہیں جیسے کل نفس سے معلوم ہوتا ہے۔ **لَا يُظْلَمُوْنَ ۝** وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے عذاب کو بڑھا کر یا ثواب میں کمی کرکے بلکہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری جزا ملے گی اور اس کی شان سے بعید ہے کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرے۔ اگرچہ ذرہ برابر سہی۔ پس مؤمن کو اس کے ایمان کی جزا ملے گی اور کافر کو کفر کی سزا۔

سبق: مومن کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالٰی کی رحمت سے ناامید نہ ہو اگرچہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں،

اس لیے کہ اللہ تعالٰے سے بندہ جتنا ہی نیک گمان رکھے۔ وہ ویسے ہی اپنے بندے پر رحمت کرتا ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ قیامت میں جب بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو ایک غمگین آواز جہنم کے اندر سے سنائی دے گی جو کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے : یاحنان یامنان یا ذوالجلال والاکرام۔

اللہ تعالٰے جبریل علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اے جبریل! میرے اس بندے کو فوراً جہنم سے نکال لے۔ جب جبرئیل علیہ السلام اسے جہنم سے نکال لیں گے تو وہ کوئلے کی طرح سخت سیاہ ہوچکا ہوگا۔ اور اس کا گوشت جل کر راکھ اور جسم گل کر ریزہ ریزہ ہوگیا ہوگا۔ وہی بندہ جبریل علیہ السلام سے عرض کرے گا کہ اے جبریل! (علیہ السلام) مجھے اللہ تعالٰی کے ہاں نہ لے جا۔ مجھے گھبراہٹ ہوتی ہے۔ اس سے سخت ڈر لگتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی اسے اللہ تعالٰے کے ہاں لایا جائے گا۔ اللہ تعالٰے فرمائے گا : اے میرے بندے! فلاں فلاں سن اور فلاں فلاں تاریخ میں تو نے فلاں فلاں گناہ کیے تھے۔ عرض کرے گا : ہاں، یا اللہ! ۔ اس پر اللہ تعالٰے فرمائے گا کہ اسے جہنم میں لے جاؤ۔ جب اسے جہنم میں لے جا رہے ہوں گے، تو وہ مڑ مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھے گا۔ اللہ تعالٰے فرمائے گا : اسے واپس لے آؤ۔ جب واپس لایا جائے گا تو اللہ فرمائے گا : اے میرے بندے! تو مڑ مڑ کر کیوں دیکھتا تھا۔ حالانکہ اسے تو بندے کا حال معلوم تھا۔ بندہ عرض کرے گا، یا اللہ! واقعی گنہگار ہوں لیکن تیری رحمت سے نا امید نہیں ہوں۔ پہلے تو نے مجھے جہنم سے نکالا ہے اس سے میری امید بندھ گئی، پھر تو نے مجھے دوبارہ جہنم میں بھیجنا چاہا۔ تب بھی مجھے تیری رحمت سے ناامیدی نہیں۔ اللہ تعالٰے فرمائے گا : مجھے اپنی عزت وجلال اور بلندی اور بلند مرتبہ کی قسم میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اس کا کام کرتا ہوں جس طرح اس کی مجھ سے امید ہوتی ہے میں اس کی امید پوری کرتا ہوں۔ اب میرے اس بندے کو بہشت میں لے جاؤ۔

ے

خدایا بعزت کہ خوارم مکن
بذل بزہ شرمسارم مکن

ترجمہ : اے اللہ! اپنی عزت کے صدقے مجھے خوار نہ کرنا، میرے گناہوں سے مجھے شرمسار نہ کرنا۔

حدیث شریف : 'لا الٰہ الا اللہ' والوں کو کوئی وحشت نہیں ہوگی، موت کے وقت، قبر میں اور نہ ہی قیامت میں۔ کلمہ پڑھنے والے جب اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے کہتے ہوں گے،

الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن تمام تعریف اس ذات کے لیے ہے جس نے ہمارے حزن وملال کو مٹایا۔

سبق : مومن پر لازم ہے کہ وہ حمد الٰہی بجا لائے کہ اسے اللہ تعالٰے نے ہدایت بخشی اور اسے مسلمان بنایا اور اسے حضرت

محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برگزیدہ امت سے پیدا فرمایا۔ بشرطیکہ وہ اہل بدعت (سیئہ) سے نہ ہو۔

خاتمہ خراب ہوگا : بڑے خاتمہ کی ایک علامت یہ ہے کہ بندہ ایمان وتوحید کے عطیہ پر خدا تعالے کا شکر ادا نہ کرے دنیا میں جتنے اہل غرور ہیں وہ آخرت میں پریشان حال ہوں گے انھیں رحمتِ رحمانیہ سے ہمیشہ محروم رکھا جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ بندے کو رحمت رحمانیہ کی امید کا اہل اس وقت بنایا جاتا ہے جب اس میں نیک عمل کی توفیق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کامل لوگ باوجودیکہ وہ تزکیہ نفس میں یکتا ہوتے ہیں۔ لیکن بڑے خاتمہ سے ہر وقت ڈرتے اور رحمت ربانی کی امید میں رہتے ہیں۔ پھر ہمارا کیا حال ہوگا۔ جب کہ الٹا ہم گناہوں کے دریاؤں میں غرق ہیں۔ اس پر نہ توبہ استغفار بلکہ الٹا عناد اور گناہوں میں منہمک۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالےٰ منہاج العابدین میں توبہ کے مقدمات میں لکھتے ہیں کہ توبہ کے تین درجات ہیں :

(۱) اپنے گناہوں کو قبیح ترین طریق سے عرض کرنا۔

(۲) اللہ تعالےٰ کے سخت سے سخت عذاب اور شدید ترین عذاب کو یاد کرنا اور اپنے آپ کو کہنا کہ اللہ تعالےٰ کے اتنے بہت بڑے غضب کی مجھ میں طاقت کہاں۔

(۳) اپنے ضعف اور کمزوری کا یاد کرنا اور پھر یہ سمجھنا کہ اس وقت چھوٹنے سے میرے پاس کوئی تدبیر نہیں اور یاد کرنا کہ جب میری یہ حالت ہے کہ سورج کی معمولی گرمی کی تاب نہیں لاسکتا اور ایک ادنیٰ سے سپاہی کی زجر و پیچ سے جان بلب ہو جاتا ہوں اور چیونٹی کے ڈسنے سے سارا جسم کانپ جاتا ہے پھر وہ گھڑی کیسے گزرے گی جب جہنم کی آگ اپنے زوروں پر ہوگی اور جہنم کے زبانیہ کے چابک اپنی پوری قوت سے میری جان پر پڑیں گے۔ اور وہاں کے سانپ کے ڈسنے کی کسے طاقت جب کہ وہاں کا ایک سانپ کا ڈنس اتنا بڑا ہوگا کہ جس طرح عجمی اونٹ کی موٹی گردن ہوتی ہے اور وہاں کے بچھو خچروں جتنے موٹے ہوں گے جو کہ وہ جہنم سے پیدا کیے گئے ہوں گے۔ اور وہ دار الغضب والبوار (ہلاکت) ہے۔ (نعوذ باللہ من سخطہ وعذابہ)

ے

۱- مرا می بباید چو طفلاں گریست

ز شرم گناہاں نہ طفلانہ زیست

۲- نکو گفت لقمان کہ نا زیستن

بہ از سالہا بر خطا زیستن

۳۔ ہم از باداداں در کلیہ بہت
یہ از سود و سرمایہ دادن زدست

ترجمہ: (۱) بچوں کی طرح مجھے رونا چاہیئے۔ بچوں کی طرح گناہوں کی شرمساری میں رہنا چاہیئے۔
(۲) لقمان حکیم (رحمۃ اللہ تعالے علیہ) نے بہتر فرمایا کہ گناہوں میں بہت سال بسر کرنے سے مرنا بہتر ہے۔
(۳) جیسے ہے دوکان بند رکھنا بہتر ہے کہ جس سے منافع کے بجائے تمام سرمایہ ضائع ہو جاتے۔

تفسیر عالمانہ

قُلِ اللّٰهُمَّ۔ اللھم دراصل 'یا اللہ' تھا میم حرف ندا کے عوض ہے اس لیے یہ دونوں جمع اکٹھے نہیں ہوتے۔ اور یہ صرف لفظ 'اللہ' (تعالے) کا خاصہ ہے اور میم اس کے لیے مشدد ہے کہ دو حرفوں کے قائم مقام ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ دراصل یا اللہ امنا بخیر تھا۔ یعنے اے اللہ! ہمارے ساتھ خیر و بھلائی رکھ۔ پھر حرف ندا حذف کر کے اللھم کے۔ اسی طرح متعلقات الفعل اور ہمزہ بھی محذوف ہے۔

معنٰے یہ ہوا کہ اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہو! اے اللہ۔

مٰلِكَ الْمُلْكِ، تو مالک الملک ہے یعنے ملک کا علی الاطلاق وہی مالک ہے۔ وہ جس طرح چاہے جیسے چاہے تصرف کرتا ہے یعنے پیدا کرنا اور مٹانا اور زندہ کرنا اور موت دینا اور عذاب دینا اور ثواب دینا بغیر کسی دوسرے شریک کے اور بغیر کسی کے روکنے کے یہ دوسری ندا ہے۔ یہ سیبویہ کا مذہب ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک میم مشددہ لفظ اللہ کو موصوف بننے سے مانع ہے۔ اس لیے کہ اللھم ایک ایسا اسم ہے کہ اس کا ہم پلہ کوئی دوسرا اسم نہیں کہ اس کی صفت بن سکے کیونکہ موصوف وصفت کا درجہ میں برابر ہونا ضروری ہے اور 'اللھم' لفظ کا ہم درجہ کوئی نہیں ہے فلہٰذا یہ ندا ثانی ہے۔

تُؤْتِي الْمُلْكَ۔ اس میں اس تصرف کے بعض وجوہ کا بیان ہے جو مالکیتہ ملک کا تقاضا ہے اور اس عقیدہ کو محقق کرنا مطلوب ہے کہ ملک کی مالکیتہ اللہ تعالٰے سے مخصوص ہے اگر دوسروں کو کچھ ملکیت کی ہے تو بطریق مجاز ہے۔

تعطی کے بجائے تؤتی کو اختیار کیا گیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ حقیقی مالک ہے بخلاف یعطی کے کہ اس میں حقیقی ملکیت کا اشارہ نہیں پایا جاتا بلکہ اس میں مجازی ملکیت کا استعمال اغلب ہوتا ہے۔

مَنْ تَشَآءُ، جسے تو ملک دینا چاہتا ہے دیتا ہے۔ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ، اور جس سے تو ملک چھیننا چاہتا ہے تو چھین لیتا ہے۔ پس ملک اول حقیقی اور عام ہے اور ملک کی مملوکیتہ بھی حقیقتہً ہے پھر پچھلے دو مقام پر مجاز خاص ہے اور ان کے صاحب ملک کی طرف نسبت بھی مجازی ہے۔ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ جسے تو دنیا وآخرت میں معزز کرنا چاہتا ہے یا جسے تو دنیا وآخرت میں نصرت و توفیق دینا چاہتا ہے۔ وَتُذِلُّ، اور جسے تو دنیا یا آخرت میں

یا ہر دونوں میں ذلیل کرنا چاہتا ہے تو مالک و مختار ہے تیرا کوئی مانع ہے نہ مدافع۔

بِیَدِكَ الْخَیْرُ۔ الخیر کو معرف باللام لاستغراق کے لیے ہے اور خبر کی تقدیم تخصیص کے لیے ہے یعنی ہر بھلائی تیری قدرت میں ہے کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں۔ جس طرح تیری مشیت کا تقاضا ہوتا ہے تو اسی طرح تصرف فرماتا ہے۔

سوال: ہر شے اللہ تعالٰی کے قبضۂ قدرت میں ہے پھر آیت میں خیر کا ذکر کرنے کی کیا خصوصیت ہے؟

جواب (۱): کلام اس خیر کے متعلق کرنا مطلوب ہے جو خیر اللہ تعالٰی نے مومنین کو عطا فرمائی کہ جس کا کفار نے انکار کیا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے اللہ تعالٰی بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے وہی بھلائی مومنین میں سے نیک بندوں کو عطا فرماتا ہے اور تیرے دشمنوں کا منہ کالا۔

(۲) یا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کا ہر فعل (اس میں نفع ہو یا نقصان) میں حکمت و مصلحت ہوتی ہے اس لیے کہ تمام افعال خیر ہی خیر ہیں جیسے کسی کو ملک کا مالک بنانا یا کسی سے ملک چھین لینا۔

(۳) یا ادب اس میں ہے کہ اس کے لیے خیر کی نسبت کی جائے۔ ورنہ خیر و شر کا مالک صرف وہی ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ احزاب میں خندق کھودنے کا حکم صادر فرمایا تو ہر دس آدمیوں کے لیے خندق کی گہرائی اور طول و عرض بھی بیان فرما دیا۔ اہل مدینہ کے لیے چالیس گز کی پیمائش حصہ میں آئی۔ دس ہزار گز کی مقدار خندق کھودنا ہر قبیلہ پر تقسیم کی گئی۔ تقسیم کے بعد قبیلہ خندق کھودنے میں مصروف ہو گیا۔ خندق کے درمیانی حصہ میں ایک پتھر ہاتھی کے قد و قامت پر ظاہر ہوا اور وہ اتنا سخت تھا کہ کسی طرح بھی نہ ٹوٹتا، اور نہ ہی اس پر کدال کام کر سکتا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام تشریف لائے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کدال لے کر خود بنفس نفیس اس پتھر پر کدال مارا تو اس سے پتھر کا ایک تہائی ٹوٹ پڑا اور اس سے ایسا نور چمکا جس سے خندق کے ہر دونوں کنارے روشن ہو گئے ایسے محسوس ہوا جیسے تاریک مکان میں گیس چمکتا ہے۔ آپ نے روشنی دیکھ کر اللہ اکبر[۱] (نعرۂ تکبیر) پڑھا۔ آپ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ آپ نے فرمایا: اس روشنی سے مجھے حیرہ کے محلات نظر آئے۔ ایسے محسوس ہوئے

---

[۱] یہی عرفی نعرۂ تکبیر نہ تھا کیونکہ یہ بدعت ہے جسے ہم بدعت حسنہ سے تعبیر کرتے ہیں جس پر ہر مکتب فکر کے لوگ عمل کرتے ہیں لیکن اس بدعت کو کوئی غلط نہیں کہتا، وہ کیوں؟ خود سوچیے! اس کی مزید تحقیق فقیر کا رسالہ "نعرۂ تکبیر بدعت ہے یا نعرۂ رسالت" پڑھیے۔
(اویسی غفرلہٗ)

جیسے کتے دانت کھولے ہوئے ہیں۔ پھر دوبارہ آپ نے پتھر پہ کدال مارا تو فرمایا: ملک روم کے سرخ محلات نظر آئے۔ تیسری بار کدال مارا تو فرمایا؛ صنعا کے محلات نظر آئے ہیں اور مجھے جبریل علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ میری امت روئے زمین پر قابض ہو جائے گی۔ فلہٰذا اے میرے صحابیو! تمہیں مبارک ہو۔

منافقین نے اس پر کہا کہ دیکھو یارو! تمہارا نبی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہیں کیسے بھلاوے اور کیسے جھوٹے وعدے دے رہے ہیں کہ جن کا امکان بھی نظر نہیں آتا۔ یہ بھی کوئی ماننے کی بات ہے کہ میں یثرب (مدینہ) سے حیرہ اور کسریٰ کے شہروں کو دیکھ رہا ہوں اور ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ تم تمام روئے زمین پر قابض ہو جاؤ گے۔ کیسی غلط بات ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو اتنی بڑی خندق کے کھودنے کا کیا معنیٰ! اور کتنی تکلیف دہ بات ہے کہ تم خندق کھودتے کھودتے عاجز آ گئے ہو پھر عقل باور نہیں کرتی کہ ایسے ہو جیسے وہ فرماتے ہیں (معاذ اللہ) اس پر یہ آیت نازل ہوئی ہے[1]

اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ بے شک تو اے اللہ تعالے عزت دینے اور ذلیل کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔

تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ، رات کو دن میں گم کرتا اور دن کو بڑھاتا ہے یہاں تک کہ دن پندرہ گھنٹے کا ہو جاتا ہے اور رات نو گھنٹے کی۔ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ز اور تو ہی داخل کرتا ہے دن کو رات میں یہاں تک کہ رات پندرہ گھنٹے کی ہو جاتی ہے اور دن نو گھنٹے کا۔ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ، اور تو پیدا کرتا ہے زندہ کو مردے سے یعنے حیوان کو نطفے سے اور پرندے کو انڈے سے ظاہر کرتا ہے یا عالم کو جاہل سے یا مومن کو کافر سے یا انگوری کو خشک زمین سے ظاہر کرتا ہے۔ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ز اور تو مردے کو زندہ سے پیدا کرتا ہے۔ پہلے مضمون کے برعکس ہے۔ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ اور تو جسے چاہتا ہے بلا حساب عطا فرماتا ہے۔

تحقیق لفظ "حساب": حضرت ابو العباس مقری رضی اللہ تعالے عنہ نے فرمایا کہ لفظ "حساب" قرآن پاک میں تین معنوں میں مستعمل ہے:

(۱) یعنے مشقت۔ کما قال:

وترزق من تشآء بغیر حساب۔

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کے علم غیب کا انکار منافقین کو تھا اور اب بھی ان لوگوں کو انکار ہے جو ان کے وارث ہیں یعنے وہابی، دیوبندی اور مودودی وغیرہ۔ مزید تحقیق فقیر کا ترجمہ قرآن مجید شان نزول والا۔ یا ابلیس تا دیوبند پڑھیے۔

(اویسی غفرلہٗ)

(۲) بمعنے گنتی ۔ کما قال تعالےٰ :

انما توفی الصابرون اجرھم بغیر حساب ۔

(۳) بمعنے مطالبہ ۔ کما قال تعالےٰ :

فامنن او امسك بغیر حساب ۔

اور آیت میں بغیر حساب کی باء الرزق کے فاعل سے حال اور اس کا متعلق محذوف ہے یا اس کے مفعول سے حال ہے ۔

ف : آیت میں اشارہ ہے کہ جب وہ اتنا بہت بڑے حیرت انگیز امور پر قدرت رکھتا ہے تو اسے یہ بھی قدرت ہے کہ عجمیوں سے ملک چھین کر انھیں ذلیل کرے اور عربوں کو عنایت فرما کر انھیں معزز بنائے بلکہ اس کے نزدیک یہ کام بہت آسان ہے ۔

فضائل چند مخصوص آیات سورہ بقرہ و آل عمران

۱ ۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فاتحۃ الکتاب اور آیۃ الکرسی اور دو آیتیں سورہ آل عمران یعنے شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو تا ان الدین عند اللہ الاسلام ۔ اسی طرح قل اللھم تا بغیر حساب ، اور اللہ تعالےٰ کے درمیان پردے لٹکائے ہوئے ہیں ۔ یہی آیات اللہ تعالےٰ سے عرض کرتی ہیں ، اے اللہ ! تو زمین پر اپنے گنہگار بندوں کی طرف کیوں نہیں تشریف لاتا ۔ اللہ انھیں فرماتا ہے کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ جو شخص تمھیں ہر نماز کے بعد ایک بار پڑھتا ہے تو میں اس کی جگہ بہشت میں بنا دیتا ہوں اور اسے حظیرہ قدس میں ٹھہراؤں گا ۔ اور ہر روز اس پر ستر بار نظر عنایت کروں گا ۔ اور اس کی ستر تمنائیں پوری کروں گا اور اس کے تمام گناہ معاف کر دوں گا اور اسے ہر دشمن و حاسد کی دشمنی و حسد سے بچاؤں گا ۔ بلکہ اسے اُن پر فتح و نصرت دوں گا ۔

حدیث قدسی

۲ ۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

" انا اللہ ملك الملوك قلوب الملوك و نواصیھم بیدی ۔ یعنے میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں بلکہ بادشاہوں کے قلوب اور ان کی پیشانیاں میرے قبضہ قدرت میں ہیں ۔ بندوں نے اگر میری اطاعت کی تو میں ان پر بے حد اور بے حساب رحمت عطا کروں گا ۔ اگر وہ نافرمانی کریں گے تو انھیں عذاب دوں گا ۔ فلہٰذا اسے میرے بندو ! بادشاہوں کو گالی دینے میں مشغول نہ رہو بلکہ میری طرف رجوع کرو تاکہ میں ان کو تمھارے اوپر مہربان بنا دوں ۔

یہی مطلب ہے حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی کا جو کہ آپ نے فرمایا ۔ جیسے تمھارے کردار ہوں گے ویسے ہی تمھارے اوپر حاکم مسلط کروں گا ۔ اگر تم میری اطاعت کرو گے تو تمھارے اوپر تمھارے حاکم بھی مہربان ہوں گے ۔ اگر تم گناہ کرو گے تو

تمھارے اوپر ظالم و جابر حاکم مسلط ہوں گے۔

حدیث موسوی

۲۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ سے ہمکلامی کے وقت عرض کی، یا اللہ! مخلوق پر تیری خوشی اور ناراضگی کی کوئی علامت بھی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ جب لوگوں پر رحم دل حاکم ہوں تو سمجھ لو کہ میں اپنے بندوں پر راضی ہوں اور اگر ان پر جابر و ظالم حاکم ہو جائیں تو یقین کر لو کہ میں اپنی مخلوق سے ناراض ہوں۔

حکایت

حجاج بن یوسف ظالم بادشاہ سے لوگوں نے کہا:
لم تعدل مثل عمر رضی اللہ عنہ یعنے تم حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرح عدل و انصاف کیوں نہیں کرتے؟ اس نے کہا: تبذروا العمر لکم، تم حضرت ابوذر کا زہد و تقویٰ اختیار کر لو میں تمھارے ساتھ عدل و انصاف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سا معاملہ کروں گا۔

سبق

اس سے ثابت ہوا کہ حکام رعایا کے اعمال و احوال کے مطابق متعین ہوتے ہیں رعایا نیک تو حکام بھی نیک، اگر رعایا غلط کار تو حکام بھی ظالم و جابر۔ پس ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ہر وقت اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کرے اور عجز و زاری کے ساتھ توبہ و استغفار میں مصروف رہے خصوصاً جب دیکھیں گے کہ ظلم و استبداد کا دور دورہ ہو اور ستم و بیداد اپنے عروج پر ہو۔

عدل و انصاف اور ظلم و استبداد کے علامات

حاکم کے ظلم و استبداد اور اس کے عدل و انصاف کا اثر جانوروں کے تھنوں، کھیتی، درختوں، پھلوں، صنعتوں اور کاروبار پر ہوتا ہے، یعنے تھنوں میں دودھ کم ہو جاتا ہے اور کھیتی سے برکت اٹھ جاتی ہے، درختوں سے پھل گھٹ جاتے ہیں اور تجارتی امور کم ہو جاتے ہیں اور صنعتوں کے کاروبار ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ ظالم بادشاہ کے ظلم و استبداد اور اس کے جور و ستم کی نحوست کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جب بادشاہ عدل و انصاف کو بروئے کار لاتا ہے تو ہر شے میں برکت ہی برکت ہو جاتی ہے۔

حکایت

جب حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ شاہی تخت پہ بیٹھے تو انھیں حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمھارے امور میں خیر و برکت ہو تو نیک دل حکام متعین کرو۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ بس یہی نصیحت کافی ہے۔

ے

پندم اگر بشنوی اے بادشاہ
در ہمہ دفتر بہ ازیں پند نیست

جز بخرد مسند مفسر ما عمل
گرچہ عمل کار خرد مند نیست

ترجمہ : اے بادشاہ! اگر تم میری نصیحت مان لو اور یہ نصیحت تمھارے تمام دفتری امور سے بہتر ہے۔ وہ یہ کہ سلطنت کے امور عقل مند کو سپرد کرنا اگرچہ عقل منداس کے لائق نہیں کیونکہ وہ بلند شان کا مالک ہے۔

نبوی پیشنگوئی حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب میری امت پہ وقت آنے والا ہے کہ اُن کے حکام ظالم بن جائیں گے اور علماء طمع میں پھنس جائیں گے اور عبادت گزار ریاکار ہوجائیں گے اور تاجر سودی کاروبار کریں گے اور عورتیں دنیا کی زینت پہ فریفتہ ہوجائیں گی۔ (یہ تمام باتیں آج کل زوروں پر ہیں۔ اللہ تعالے اس سے پناہ دے۔ آمین)۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ ، مومن کافروں کو دوست نہ بنائیں۔ کفار کی دوستی سے روکا گیا ہے کہ کہیں قرابت و رفاقت اور محلہ داری، اسی طرح یاری دوستی اور معاشرہ کے اسباب کے پیش نظر حق سے دُوری نہ ہو۔ یہاں تک کہ کسی سے محبت ہو تو اللہ تعالے کے لیے اور کسی سے بغض وعداوت ہو تو بھی اللہ تعالے کے لیے۔ یا ان کی دوستی سے اس لیے روکا گیا ہے کہ جنگ کے وقت ان سے نہ مل جائیں یا امور دینیہ میں ان کا ساتھ نہ دے بیٹھیں۔ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ، مومنین کے بغیر یہ جملہ حال کے قائم مقام واقع ہے۔ اى متجاوزين المومنين ..... الخ یعنے محبت ومودت میں مومنین سے نکل کر کفار سے ہی مستقل طور پر دوستی نہ جوڑو تاکہ ان سے اشتراک نہ ہو۔[1]

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ دوستی صرف اہل ایمان سے ہو اہل ایمان کی دوستی ہی مفید ہے اور کفار کی دوستی نقصان دے رہی ہے فلہذا دوستی تو ہو تو صرف اہل ایمان سے۔ فلہذا اے مسلمانو! دوستی میں کفار پر اہل ایمان کو ترجیح دو۔ اور انہی کی دوستی اختیار کرو۔

وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ، اور وہ جو یہی عمل کرے گا یعنے کفار سے دوستی جوڑے گا۔ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ ، پس

---

[1] : مولوی غلام رسول صاحب عالم پوری کوٹلوی رحمہ اللہ تعالے فرماتے ہیں : ؎

کھوٹے یار چھوڑ ادم جاندے زخم لگاندے کاری
بے قدراں دی یاری کولوں توبہ لکھ لکھ واری

دوست کی تعریف میں فرماتے ہیں ؎

کالیاں راتاں بہ یہ کٹے اندر سوز جدائی
وچہ تیغ کہے بسم اللہ ایہ محبوب لگائی

(مترجم)

پس نہیں اللہ تعالٰی کی طرف سے کسی قسم کی دوستی۔ فِی شَیْءٍ کسی معاملہ میں کہ جسے کہا جا سکے کہ اس میں اللہ تعالٰی کی محبت اور دوستی کا شائبہ ہے یعنے کفار سے تعلق جوڑنے والا ہر طرح سے اللہ تعالٰی سے دور ہو جاتا ہے۔ اور عقل بھی مانتی ہے کہ دوست اور اس کی دشمن کی دوستی یکجا نہیں ہو سکتی۔

کسی شاعر نے کہا ؎

تود عدوی ثم تزعم اننی
صدیقک لیس النوک عنک بعازب

حل لغات: النوک یعنے حماقت العازب یعنے بعید۔

ترجمہ: تو میرے دشمن سے دوستی کرتا ہے پھر دم بھرتا ہے کہ میں تیرا دوست ہوں۔ تجھ سے حماقت دور نہیں ہے یعنے تیرا دوست وہ ہے جو تیرے دوست سے محبت کرے اور تیرے دشمن سے بغض رکھے۔

دشمن تین ہیں:

(۱) تیرا دشمن
(۲) تیرے دوست کا دشمن
(۳) تیرے دشمن کا دوست۔

؎ بشوی اے خردمند ازاں دوست دست
کہ با دشمنانت بود ہم نشست[۱]

اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا۔ یہ استثناء اعم الاحوال ہے گویا یوں کہا گیا ہے کہ اے مومنو! ہر لحاظ سے اور ہر حال میں کفار کو ظاہری و باطنی دوست نہ بناؤ۔ مگر اس حال میں کہ تم ڈرتے ہو۔ مِنْهُمْ تُقٰىةً یعنے ان سے ایسا خطرہ ہو کہ وہاں کفار کا غلبہ ہو یا مومن ان کے درمیان مقیم ہو اور اسے سوائے دوستی اور تعلق کے چارہ کار نہیں تو اس سے اظہار موالاۃ (دوستی) میں حرج نہیں بشرطیکہ دل کفار کے بغض و عداوت سے بھرپور ہو۔ اور اس انتظار میں ہو کہ کہیں وقت ملے تاکہ ان کو فِی النَّار والسقر کروں اور مانع دور ہو تاکہ کھل کر اظہار ما فی الضمیر کروں۔

ف: سیدنا عیسٰی علی نبینا وعلیہ السلام نے فرمایا:

"کن وسطا وامش جانبا" دشمنوں سے درمیانہ رہ کر ان سے کنارہ کشی بھی کر۔ یعنے بظاہر ان کے ساتھ رہو، لیکن

---

[۱] : اس دوست سے ہاتھ دھو ڈال جس کی تیرے دشمنوں کے ساتھ نشست و برخاست ہے۔ ۱۲۰

سیرۃً اور عملاً اُن سے دُور رہو۔ اور ان سے دوستوں کی طرح خلط ملط نہ کرو اور نہ ہی ان کے طور و اطوار اپناؤ۔
یہ حکم رخصت کے طور پر ہے ورنہ اگر صبر کرے یہاں تک کہ شہید ہو جائے تو بہت زیادہ اجر و ثواب پائے گا۔
وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ اللہ تبارک و تعالےٰ تمھیں اپنی ذاتِ مقدسہ سے ڈراتا ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پہ فرمایا؛ فاتقون۔ اور فرمایا؛ واخشون یعنے میرے عذاب و عقوبت سے ڈرو۔ اور اس کے دشمنوں سے دوستی کر کے اس کی ناراضگی کو چیلنج نہ کرو۔ اس میں وعید شدید ہے۔ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝ اور اللہ تعالےٰ کی طرف لوٹنا ہے یعنے تمام مخلوق کا مرجع اس کی طرف ہے وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ ، فرمایئے اے میرے پیارے حبیب! (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اگر تم پوشیدہ رکھو وہ جو تمھارے سینوں میں ہے یعنے اپنے دل کے رازوں کو (منجملہ ان کے کفار کی دوستی بھی ہے) چھپاؤ۔ اَوْ تُبْدُوْهُ ، یا اسے ظاہر کرو۔ جو تمھارے مابین ہے۔ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ اسے اللہ تعالےٰ جانتا ہے پس تمھارا مواخذہ ہوگا۔ جب اللہ تعالےٰ کے ہاں حاضر ہوں گے۔

وَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمینوں میں ہے اُسے اللہ تعالےٰ جانتا ہے۔ اس سے کوئی شے مخفی نہیں۔ اس لیے اس سے نہ تمھارا ظاہر چھپا ہوا ہے اور نہ باطن یہ ایراد العام بعد الخاص کے قبیل سے ہے تاکہ مزید تاکید و تقریر ہو۔ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اور اللہ تعالےٰ ہر شے پر قادر ہے۔ پس اگر تم اللہ تعالےٰ کے منہیات کے ارتکاب سے باز نہیں آؤ گے تو اسے تمھیں سزا دینے پر بھی قدرت ہے اور یحذرکم اللہ نفسہ کا بیان ہے۔ اس لیے کہ نفسہ سے اس کی ذات مراد ہے جو دوسری تمام ذاتوں سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے اس لیے کہ وہ علم ذاتی سے متصف ہے۔ ایسے نہیں کہ اسے بعض معلومات کا علم ہو اور بعض نہ ہوں، بلکہ اس کے علم کا تعلق تمام معلومات سے ہے اور اس کی قدرت بھی ذاتی ہے ایسے نہیں کہ اسے چند مقدورات پر قدرت ہے اور بعض پر نہیں، بلکہ اسے تمام مقدورات پر قدرت ہے پس جب کہ اس کی یہ شان ہے تو چاہیئے کہ اس سے خوف و خشیت ہو۔ کسی کو لائق نہیں کہ کسی غلطی کے ارتکاب پر جسارت یا اس کے کسی حکم کی ادائیگی میں کوتاہی کرے۔ اس لیے کہ وہ ہر شے کو جانتا ہے اس لیے غلطی کے مرتکب کو سزا دے گا۔ (مثال کے طور پر) بادشاہ کے کسی ملازم کو معلوم ہو جاتا ہے کہ بادشاہ نے میرے حالات معلوم کرنے کے لیے میرے اوپر چند محافظ مقرر کر رکھے ہیں کہ میری نشست و برخاست اور میری ہر قیل و قال بادشاہ کو سنا دی جائے گی بلکہ میرا ہر اندرونی و بیرونی معاملہ بادشاہ تک پہنچے گا تو وہ شخص ہر وقت اس کوشش میں رہے گا کہ کوئی بات بادشاہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو بلکہ ہر وہ عمل جس میں معمولی سے معمولی غلطی کا شائبہ ہو گا۔ اس کے ارتکاب سے احتراز کرے گا۔ جب ایک معمولی بادشاہ کے متعلق یہ کیفیت ہے تو پھر کون نہیں جانتا کہ اللہ ہر ایک کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے اور تمام کیفیات سے آگاہ ہے لیکن پھر بھی بے خوف و خطر ہے۔

اے اللہ! ہمیں ایسے غلط تصور سے بچا کہ ہم تیرے عذاب سے بے خوف وخطر رہیں۔ (کذا فی الکشاف)

سبق سالک کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے عذاب سے ڈرتا رہے۔ اسے کسی سے بغض ہو تو اللہ کے لیے اور اگر کسی سے محبت ہو تو صرف اللہ تبارک وتعالےٰ کے لیے۔ اسے چاہیئے کہ اہلِ اسلام سے دوستی جوڑے اور کفار سے دشمنی رکھے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ چار کبیرہ گناہ ہیں:

① صوفیانہ لباس پہن کر دنیا طلب کرنا۔

② نیک بخت لوگوں کی محبت کا دم بھرنا اور عمل ان کے خلاف کرنا۔

③ دولت مندوں کی مذمت کرکے پھر ان کے پیچھے لگا رہنا۔

④ کمائی کرکے کھانے کو کچھ نہ سمجھنا لیکن لوگوں کی کمائی کا دستِ نگر رہنا بلکہ گذر اوقات بھی اسی پر رکھنا۔

گرانہا کہ من گفتے کردمے
نکو سیرت و پارسا بودمے

ترجمہ: اگر میں اپنی کہی ہوئی باتوں پر خود بھی عمل کرتا تو میں اچھی سیرت والا اور پارسا ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ اسلام کا بہترین باب ہے اور ایمان کے اصولوں میں سے ایک اعلیٰ ضابطہ ہے بلکہ سنت مطہرہ کی سیرتوں میں بلند درجہ کی سنت ہے لیکن محبت صادقہ باطن کی صفائی پر موقوف ہے اور باطن کی صفائی عقیدہ کی صحت اور ظاہر کی درستگی پر موقوف ہے اس لیے قلوب کو آپس میں مناسبت ہوتی ہے اس مناسبت سے باہم کے میل جول سے صفائی قلب نصیب ہو جاتی ہے۔ اگرچہ انھیں معنوی طور پر کسی قسم کا تناسب بھی نہ ہو۔ اربابِ تصوف کے نزدیک مصالحت ومؤانست مماثلت نوعیہ اور الفت نفسیہ اور جنسیہ صوریہ سے پیدا ہو سکتی ہے بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ رذیل وخسیس نیک اور صالح انسان کو باہمی اختلاط سے اپنے جیسا بنا دیتا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے سے

عن المرء لاتسال وابصر قرینه
فکل قرین بالمقارن یقتدی

ترجمہ: کسی کا اندرونی ماجرا پوچھے بغیر اس کے صحبت یافتہ کو دیکھ لیجیئے۔ اس لیے کہ ہر دوست اپنے دوست کی اقتدا کرتا ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں

۱۔ فلا تصحب اخا الجهل وایاك و ایاہ

۲۔ فکم من جاهل اردی حلیما حین اخاہ

۳۔ یقاس المرء بالمرء اذا ماهو ما شاہ

۴۔ وللقلب علی القلب

دلیل حین یلقاہ

ترجمہ: (۱) جاہل کو دوست مت بنابلکہ اپنے آپ کو اس سے کوسوں دور رکھ۔

(۲) بہت سے جاہلوں نے اچھے خاصے نیک بختوں کو برباد کر ڈالا۔

(۳) مرد کو مرد سے پہچانا جاسکتا ہے جب کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ نشست و برخاست رکھتے ہیں۔

(۴) ایک دل کا دوسرے سے پتہ چلتا ہے جب کہ ان کی آپس میں ملاقات رہتی ہے۔

نسخہ روحانی جب کوئی فجار و فساق کے ہاں نشست و برخاست کی بیماری میں مبتلا ہو جائے۔ حج کا سفر ہو یا جنگ کا۔ (لیکن وہ طاعت الٰہی میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے اور ان کی ایسی صحبت سے طبعی طور پر کراہتا ہو اور ان کے کردار سے متنفر ہو) تو اس کی صحبت اور اس کی قلبی کراہت کی برکت سے وہ فساق و فجار اپنے گناہوں سے تائب ہو جائیں گے

حکایت حضرت حاتم و حضرت شفیق رضی اللہ تعالٰے عنہما ہمسفر ہوتے۔ ان کے ساتھ ایک فاسق بوڑھا بھی ہو لیا۔ اور وہ تمام راستہ میں سرود بجاتا اور گاتا رہا۔ حضرت کا خیال رہا کہ شاید اسے حضرت شفیق روکیں گے۔ لیکن انھوں نے نہ روکا۔ جب راستہ طے ہو لیا اور ایک دوسرے سے جدا ہونے لگے تو فاسق بوڑھے نے کہا کہ بھائیو! تم دونوں میرے ساتھ کافی دیر تک سفر کرتے رہے لیکن بڑے سنگ دل ہو کہ ایک منٹ بھی گانے بجانے کی طرف توجہ نہیں کی۔ اسے حضرت حاتم رضی اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا: بابا ہمیں معذور رکھئے، ہم دونوں گانا بجانا نہیں سنا کرتے۔ غور سے دیکھئے میں حاتم ہوں اور یہ حضرت شفیق ہیں۔ وہ سنتے ہی فوراً تائب ہوا اور اپنے تمام سرود توڑ ڈالے۔ اور انہی حضرات کی خدمت میں وقت گزارنے لگا۔ اور ہر طرح کی خدمت بجا لاتا۔ حضرت شفیق رضی اللہ عنہ نے حضرت حاتم رضی اللہ تعالٰے عنہما سے فرمایا' اہل اللہ کا صبر کتنا ہی اثر کرتا ہے ؎

نہ آنکہ در دعویٰ نشیند از خلقے

کہ خلاف کنندش بجنگ برخیزد

دگر ز کوہ فرد غلطد آسیا سنگے

نہ عارفست کہ از راہ سنگ برخیزد

ترجمہ: یہ اچھا نہیں کہ کوئی کسی گروہ میں رہنے کا دعوےٰ کرے لیکن جب وہ اس کے خلاف کریں تو وہ ان کے ساتھ

جنگ (لڑنے) کے لیے تیار ہوجائے۔

(۲) وہ عارف نہیں کہ جس پر پہاڑ سے پتھر گرے تو وہ وہاں سے ہٹ جائے۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ جیسے وہ کفار سے قطع تعلق کرے۔ ایسے ہی فجار واقربار سے بھی دور رہے۔ چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

چوں نبود خویش را دیانت و تقویٰ
قطع رحم بہتر از مودت قربیٰ

ترجمہ: جب رشتہ دار میں دیانت وتقویٰ نہ ہو تو ایسی رشتہ داری سے قطع تعلق بہتر ہے۔

سوال: یہ تو قرآنی حکم کے خلاف ہے اس لیے کہ قرآن میں تو مطلقاً صلہ رحمی کا حکم ہے خواہ وہ کافر ہو یا فاجر؟

جواب: ہماری مندرجہ بالا تقریر قرآنی حکم خلاف نہیں بلکہ قرآنی حکم کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا:

وان جاهداك على ان تشرك بى ماليس لك
به علم فلا تطعهما۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص تمہارے لیے بدبختی کا سبب بنے اس سے قطع تعلق نہایت ضروری اور لازم ہے۔ اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ ؎

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد

ترجمہ: ہزار رشتہ دار اللہ تعالٰے سے بیگانہ ہوا انھیں بس ایک پر فدا کر دو جو عارف باللہ ہو۔

سبق: اے سالک! تجھے اغیار سے بالکل قطع تعلق کرنا ضروری ہے اور حضرات انبیاء وصلحاء کی اقتداء لازمی ہے۔
حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ السلام نے فرمایا: فانهم عدو لى الا رب العالمين (بے شک وہ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی سب میرے دشمن ہیں)۔

مسئلہ: کفار کے ساتھ بلاضرورت ضروریہ کھانا پینا (اٹھنا بیٹھنا دیگر معاملات برتنا) بھی موالات میں شامل ہے یعنی یہ امور ان سے حرام ہیں۔

مسئلہ: انھیں جلبی کے لقب سے پکارنا بھی حرام ہے جیسے ہمارے دور کے بعض جہال انھیں اس لقب سے یاد کرتے ہیں۔ یہ اس لیے حرام ہے کہ جلبی منسوب الی جلب ہے اور جلب اللہ تعالٰے کا نام ہے پھر وہ (کفار) اس نام سے کیسے منسوب ہو سکتے ہیں جب کہ وہ ناری ہیں نہ کہ نوری۔ فلہٰذا انھیں اس نام کی طرف نامناسب ہے۔ (العیاذ باللہ)

تفسیر عالمانہ يَوْمَ، بینصوب ہے۔ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ، اس دن تمام نفوس (مکلفہ)۔ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا، کہ بعضوں نے نیکی کی اسے حاضر پائیں گے اللہ تعالے کے ہاں۔ وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ اور بعضوں نے برائی کی۔ اس کا عطف ما عملت سابق پر ہے فلہٰذا (محضرا) کا مفہوم یہاں بھی ثابت ہوگا۔

سوال: پہلے جملہ میں محضرا کو صراحۃً اور دوسرے میں کنایۃً ذکر کرنے میں کیا فائدہ؟

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ مقصود بالذات خیر ہے۔ اور شر کا اعصار تو حکمتِ شرعیہ کے مقتضیات سے ہے۔

تَوَدُّ، اس دن قلبی طور پر آرزو کریں گے جب کہ ان کے نامہائے اعمال (نیکیاں یا برائیاں یا ان کی جزائیں) ان کے سامنے لائے جائیں گے۔ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗٓ، کاش! اس نفس اور اس دن کی سختیوں یا ان کے بُرے عمل کے درمیان۔ اَمَدًاۢ بَعِيْدًا ۭ بہت بڑی مسافت ہو۔

ف: مسافت بعیدہ جیسے مشرق و مغرب کے درمیان کا بعد۔ اس کی آرزو یہ ہوگی کہ کاش! آج یہ برائیاں میرے سامنے نہ ہوتیں یا یہ کہے گا کہ کاش! میں ایسے بُرے عمل نہ کرتا۔

وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ اور اللہ تعالے تمھیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے یعنے اللہ تعالے فرماتا ہے کہ اے لوگو! اپنے آپ کو مجھ سے بچاؤ یعنے میرے غضب سے بچو۔

سوال: یہ جملہ مکرر ہو کر کیوں آیا ہے حالانکہ یہ فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے؟

جواب: اس کے جوابات پہلے گزر چکے ہیں۔ ایک اور جواب یہ ہے کہ اس جملہ میں بندوں کو ڈرانا مطلوب ہے۔ اور ڈراونی باتوں سے غفلت کے پردے ہٹتے ہیں۔ اس لیے یہ جملہ مکرر لایا گیا ہے تاکہ بندوں سے غفلت کے پردے ہٹ جائیں۔

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ اور اللہ تعالے اپنے بندوں سے بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔ یعنی اللہ تعالے کا بندوں کو اپنی ذات سے ڈرانا اور پھر اس کا یوں تعارف کرانا کہ اسے کلی علم و قدرت حاصل ہے۔ یہ بھی منجملہ اس کی رافت و رحمت ہے کیونکہ جب بندے یقین کریں گے کہ ہمارا رب تعالے اتنی بڑی قدرت رکھتا ہے اور اسے اتنا زیادہ علم ہے۔ تو اس کا خوف اور خشیت ان کے قلوب پر اثر انداز ہوگا۔ اس سے اس کی رضا کی طلب کے درپے ہو جائیں اور اس کی ناراضگی سے بچ جائیں گے۔ یہ ایسے ہے جیسے باپ اپنے بیٹے کو ایسے امور سے ڈراتا ہے جو اس کی ہلاکت کا سبب بنتے ہوں۔

تفسیر صوفیانہ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالے نے فرمایا کہ پہلے جملہ میں مبتدیوں سے بات تھی۔ اب عارفین سے خطاب ہے کیونکہ مبتدی اصحاب تخفیف و تسہیل ہوتے ہیں اور عارفین اصحاب التخویف والتہویل گنہگار کو بشر المذنبین سے خطاب ہوتا ہے اور عارفین کو انذر الصدیقین سے۔ اللہ تعالے کا قانون ہے کہ وہ بندوں کو مہلت تو دیتا ہے لیکن انھیں چھوڑتا نہیں۔

پس بندے پر لازم ہے کہ اس کی مہلت سے دھوکہ نہ کھاتے بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ اپنے مالک کے حساب وجزا کے لیے ہر وقت تیار رہے ؎

در خیر باز است وطاعت و لیک
نہ ہر کس توانا است بر فعل نیک

ترجمہ: خیر و بھلائی اور طاعت کا دروازہ کھلا ہے لیکن نیکی کرنا ہر ایک کے بس میں نہیں ہے۔

جب کوئی عمل کرتا ہے تو وہ صحف سماویہ میں منقوش ہو جاتا ہے۔ جب اسے بار بار کرتا ہے کہ اس کا ملکہ راسخہ ہو جاتا ہے اور ہر وقت انھیں انہی ہیأت ثابتہ میں مشغول رہتا ہے اور ان ہیأت کے نقوش شواغل حسیہ وہمیہ فکریہ کی وجہ سے ہوتی ہے کہ جب نفس جسم سے جدا ہوتا ہے اور اس کے لیے قیامت قائم ہو جاتی ہے تو وہ اپنے اعمال نیک یا بد کو حاضر پاتا ہے کیونکہ وہ شواغل جو مانع تھے وہ رفع ہو گئے اس لیے وہ اعمال سامنے آموجود ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالٰی کا فرمان ہے:

احصاہ اللہ ونسوہ۔

اگر وہ اعمال بُرے ہوتے ہیں تو بندہ آرزو کرتا ہے کہ کاش! آج کے دن میرے اور اس دن میں بہت زیادہ مسافت ہوتی اور نہ ہی یہ اعمال میرے سامنے ہوتے۔ اس لیے کہ وہ اعمال اس کے لیے عذاب بن جائیں گے۔ کیونکہ وہ ہیئات جو پہلے صرف نقش کی ہیئت سے تھیں اب وہ کسی صورت میں مصور ہو کر بندے کو عذاب دیں گے بشرطیکہ وہ ہیئت راسخہ ہوں ورنہ وہ اعمال ابتداً ہی بموافق بدکرداری مصوّر ہو کر اس کو عذاب میں مبتلا کریں گے۔ (من اللہ العصمۃ)

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

ہر خیال کاو کند در دل وطن
روزے محشر صورتے خواہد بدن
سیرتے کاندر وجودت غالب ست
ہم برآں تصویر حشرت واجب ست

ترجمہ: وہ خیال جو دل میں وطن بنا لیتا ہے محشر میں وہ مصور ہو کر اس کے بدن سے چمٹ جائیں گی وہ سیرت جو تیرے اندر غالب ہے اسی کی صورت میں تیرا حشر ہو گا۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ اخلاق ذمیمہ سے اپنے نفس کا تزکیہ کرے اور علائق دنیویہ کی گرد و غبار سے اپنے دل کو صاف کرے۔ اعمال صالحہ اور اقوال پسندیدہ کے ذریعہ اللہ تعالٰی کو راضی کرنے کی جد وجہد کرے تاکہ ان اعمال صالحہ کی جزا قیامت کے دن اللہ تعالٰی کے ہاں حاصل کرے جب کہ اس دن اسے سخت محتاجی ہو گی اسی طرح اسے سعادت نصیب ہو گی۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۰۶ پر)

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ○ قُلْ أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ○
إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ إِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ۙ
ذُرِّيَّةً ۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ؑ إِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ
عِمْرٰنَ رَبِّ إِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ إِنَّكَ
أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّيْ وَضَعْتُهَا أُنْثٰى ۗ
وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ۗ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثٰى ۚ وَإِنِّيْ سَمَّيْتُهَا
مَرْيَمَ وَإِنِّيْ أُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ فَتَقَبَّلَهَا
رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّأَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا
زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ أَنّٰى لَكِ هٰذَا ۗ قَالَتْ هُوَ
مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا
رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ إِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○
فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ أَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى
مُصَدِّقًا ۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ قَالَ رَبِّ
أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۗ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ
مَا يَشَآءُ ○ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ اٰيَةً ۗ قَالَ اٰيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ
إِلَّا رَمْزًا ۗ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَ
الْإِبْكَارِ ○ؑ

ترجمہ: اے محبوب! فرمائیے، اے لوگو! اگر تم اللہ تعالٰے سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالٰے تمھیں محبوب بنالے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ تعالٰے بخشنے والا رحم والا ہے۔ فرمائیے! اللہ تعالٰے اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر وہ روگردانی کریں تو اللہ تعالٰے کافروں کو پسند نہیں فرماتا۔ بے شک اللہ تعالٰے نے آدم و نوح و آلِ ابراہیم و آلِ عمران کو تمام جہان پر برگزیدہ بنایا۔ یہ ایک نسل ہے ایک دوسرے سے اور اللہ تعالٰے سمیع و علیم ہے۔ جب عمران کی بی بی نے عرض کیا اے میرے پروردگار! بے شک میں نے تیرے لیے نذر مانی ہے کہ جو میرے پیٹ میں ہے وہ تیری خدمت کے لیے آزاد ہے۔ سو اسے مجھ سے قبول فرما بے شک تو سمیع علیم ہے۔ پس جب

اسے جنا تو کہا : اے میرے پروردگار ! یہ تو میں نے لڑکی جنی ۔ اور اللہ تعالے خوب جانتا ہے جو کچھ اس نے جنا اور جس لڑکے کا سوال کیا وہ اس لڑکی جیسا نہیں اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ، اور بے شک میں اسے اور اس کی اولاد تیری پناہ میں دیتی ہوں ۔ سو اسے اللہ تعالے نے اچھی طرح قبول فرمایا اور عمدہ طور پر اس کی نشو و نما فرمائی اور اسے زکریا کی نگرانی میں دیا جب زکریا اس کی عبادت گاہ میں آتے تو اس کے پاس رزق پاتے ۔ فرمایا ، اے مریم ! یہ تیرے ہاں کہاں سے آیا ۔ عرض کی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے بے شک اللہ تعالے جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے ، یہاں پر زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا کی ، عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے اپنے خاص لطف سے پاکیزہ اولاد عنایت فرما بے شک تو دعا سننے والا ہے پس فرشتوں نے ندا دی اور وہ عبادت گاہ میں کھڑے نماز پڑھ رہا تھا بے شک اللہ تعالے آپ کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو اللہ تعالے کے ایک کلمہ کی تصدیق کرنے والا اور سردار اور عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خواص میں سے ہوگا عرض کی ؛ اے میرے پروردگار ! میرے ہاں لڑکا کس طرح ہو گا حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا اور میری عورت بانجھ ہے فرمایا اللہ تعالے یونہی کرتا ہے جو چاہتا ہے ۔ عرض کی اے میرے رب ! میرے لیے اس کی کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تم تین یوم بات نہ کرو گے مگر اشارہ سے اور اپنے رب کو بہت یاد کرو اور شام کو اور صبح کو اس کی تسبیح کیجئے ۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۰۴)

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"کل قیامت کو بندہ سخت بھوکا ، پیاسا ، ننگا اور تھکا ہوا اٹھے گا کہ ایسی بھوک و پیاس ، ننگا پن و تھکان اسے کبھی لاحق نہیں ہوگی ۔ پس جس نے اللہ تعالے کے لیے بھوکے کو طعام کھلایا ہوگا اسے اللہ تعالے طعام کھلائے گا ۔ اور جس نے پیاسے کو اللہ تعالے کے لیے پانی پلایا ہوگا اسے اللہ تعالے پانی پلائے گا اور جس نے اللہ تعالےٰ کے لیے ننگے کو کپڑے پہنائے ہوں گے اسے اللہ تعالے پوشاک پہنائے گا اور جس نے کوئی نیکی اللہ تعالے کے لیے کی ہوگی اس کے لیے خود اللہ تعالے کفیل ہوگا ۔"

نبوی دعا حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر یہ دعا مانگا کرتے تھے :

یا حنان یا منان یا ذالجلال والاکرام باعد بینی و بین خطیئتی کما باعدت بین

یا حنان یا منان یا ذالجلال والاکرام میرے اور میری خطاؤں کے درمیان مشرق و مغرب کی مقدار بُعد پیدا فرما اور مجھے

المشرق والمغرب ونقني من الخطايا كما	گناہوں سے ایسے دھوڈال جیسے سفید کپڑوں کو میل کچیل سے
ينقى الثوب الابيض من الدنس واغسلني بماء	صاف کیا جاتا ہے اور مجھے ٹھنڈک اور برف کے ساتھ
الثلج والبرد سبحان الله وبحمده	دھوڈال۔ اللہ پاک ہے اسی کو حمد ہے میں اللہ عظیم سے
استغفر الله العظيم واتوب اليه۔	بخشش مانگتا ہوں اور اسی کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

نصیحت نبوی: ایک دن حضور علیہ السلام صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰے عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اپنے نفسوں پر غرور کرو نہ ہی اس بات پہ خوش ہو جاؤ کہ ہمارے گناہ تھوڑے ہیں اور نہ کسی دوسرے کی نیکی دیکھ کر اس پر تعجب کرو یہاں تک کہ اس کے لیے نیک خاتمہ کے متعلق یقین نہ ہو جائے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اعمال کا دار و مدار خاتمہ پر ہے اگرچہ کوئی قیامت میں ستر نبی (علیہم السلام) کے برابر نیکیاں لائیگا تب بھی آرزو کرے گا کہ کاش! میرے پاس اس سے مزید نیکیاں ہوتیں۔ یعنی نیکیوں کی سخت ضرورت ہوگی۔"

(تفسیر آیات صفحہ نمبر ۲۰۵)

تفسیر عالمانہ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ ۔ اے میرے محبوب! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیے کہ اگر تم اللہ تعالٰے سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو۔

فاتبعونی میں یاء کو باقی رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اصل یونہی ہے اور فاتقون اور واطیعوا میں اس لیے محذوف ہوئی کہ وہاں آیت کے اختتام کا تقاضا یونہی تھا کہ وہاں نون پر وقف کرکے یاء کو حذف کر دیا۔

يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ، اللہ تعالٰے تمہیں محبوب بنائے گا۔

شانِ نزول یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف اور اس کی پارٹی کو دعوتِ اسلام دی تو انھوں نے کہا:

نحن ابناء الله و احباءه۔	ہم تو اللہ تعالٰے کے بیٹے اور اس کے محب ہیں۔

اللہ تعالٰے نے فرمایا: میرے محبوب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں فرمائیے کہ میں اللہ تعالٰے کا رسول ہوں اور میں تمھیں اس کی طرف بلاتا ہوں، اگر تمھیں اللہ تعالٰے سے محبت ہے تو اس کے دین کے لیے میری تابعداری اور فرمانبرداری کرو اس کے بعد تمھیں اللہ تعالٰے اپنا محبوب بنالے گا اور راضی ہوگا۔

حلِ لغات: المحبة بمعنے میل النفس الی شیء ...الخ یعنے اس شے کی طرف نفس کا میلان جو کمال کے حصول کے لیے اس کی قربت سے وہ کمال حاصل ہو۔

نسخہ روحانی جب انسان کو یقین ہو جائے کہ کمالِ حقیقی صرف اللہ تعالٰے کی ذات ہے۔ جتنے کمالات نظر آتے ہیں اسی کے ہی ہیں بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی سے اور اس کی عطا اور اس کی طرف راجع ہوتے ہیں فلہٰذا محبت ہو تو اسی کے لیے اور کسی کے ساتھ بغض ہو تو اسی کے لیے۔

محبت الٰہی کی علامت حقیقی محبت یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور ان امور کی رغبت والفت ہو جو اس کے قرب کا سبب بنیں۔ اسی لیے بعض مفسرین نے محبت کا معنٰے "ارادہ الطاعۃ" کیا ہے! ور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع سے نصیب ہوتی ہے کیونکہ محبتِ الٰہی کو اطاعت رسول مستلزم ہے اور محبت حقیقی اس کا نام ہے کہ اپنے نبی علیہ السلام کی اطاعت میں سرگرمی ہو۔

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ، اور تمہاری کوتاہیوں اور غلطیوں سے درگزر کر کے تمہارے قلوب سے حجابات دور کرے گا جس سے تم اس کی عزت کی بہشتوں کے قریب ہو جاؤ گے اور تمہیں جوار قدس میں جگہ دے گا۔ اور اسے محبت اور اسے استعارہ کے طور پر اور مشاکلت کی وجہ سے محبت سے تعبیر کیا ہے۔ **وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ** ۝ اور اللہ تعالٰے غفور رحیم ہے۔ اس کے لیے جو دوستی کا دم بھرتا ہے یعنی نصاریٰ کے لیے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تابعداری کے مدعی ہیں۔

قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ

شانِ نزول انہی نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی جو محبت الٰہی اور اتباع عیسوی کے مدعی ہیں۔ یعنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمائیے! جمیع اوامر ونواہی میں اللہ تعالٰے اور اس کے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کرو۔

مسئلہ : اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کا حکم بدیہی طور پر ثابت ہے۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا ، پس اگر وہ روگردانی کریں۔

ف : یہ جملہ قُل کے مقولہ کا تتمہ ہے اور یہ صیغہ مضارع مخاطب کا ہے۔ اس کی تا ثانی محذوف ہے۔ دراصل تتولوا تھا یعنے تعرضوا یا جملہ مستانفہ ہے اور اللہ تعالٰے نے اپنی طرف سے حکم صادر فرمایا ہے تو یہ صیغہ واحد غائب ماضی کا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان پر یہ حکم یقینی ہے احتمالی نہیں۔

فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِينَ ۝ بے شک اللہ کفار سے محبت نہیں کرتا۔

ف : آیت میں کفار سے محبت کی نفی میں اشارہ ہے کہ کفار اللہ تعالٰے کے مبغوض ہیں یعنے اللہ تعالٰے ان سے راضی نہیں اور نہ ہی وہ اس کے ممدوح ہے بلکہ مبغوض ہیں۔

مسئلہ : آیت میں حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شرافت وبزرگی کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالٰے نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو اپنی متابعت اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت بتایا ہے۔ پس جو شخص اللہ تعالٰے کی محبت کا مدعی ہو کر

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت مطہرہ سے روگردان ہے وہ اپنے دعوئے محبت میں کذاب ہے یہ حکم کتاب اللہ کی نص سے ثابت ہے۔

کسی شاعر نے خوب فرمایا ہے

تعصی الالہ وانت تظہر حبہ

ھذا محال فی الفعال بدیع

لو کان حبک صادقا لاطعتہ

ان المحب لمن یحب مطیع

ترجمہ: اللہ تعالےٰ کی بے فرمانی کر کے اس کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے یہ محال ہے اور تیرا یہ کردار بھی عجیب ہے اگر اس کی محبت میں سچا ہوتا تو اس کا مطیع ہوتا اس لیے کہ محب تو اپنے محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔

نکتہ: جو شخص محبت الٰہی کا دم بھر کر اس کے محبوب صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت پاک کی مخالفت کرتا ہے وہ اپنے دعویٰ میں اس لیے جھوٹا ہے کہ جو کسی سے محبت کرتا ہے تو وہ اس محبت میں اس کے خواص اور اس کے متعلقین بلکہ اس کے نوکروں اور غلاموں اور اس کے گھر اور اس کی دیار و مکانات اور دیواروں سے بھی محبت کرتا ہے بلکہ اس کی گلی کوچوں کے کتے اور اس کے گدھے وغیرہ تک بھی محبوب ہوتے ہیں۔ اور عشق کا یہ مسلمہ ضابطہ و قانون اور محبت کا مضبوط قاعدہ ہے۔ اسی طرف مجنون عامری نے اشارہ فرمایا ہے

امر علی الدیار دیار لیلیٰ

اقبل ذا الجدار و ذا الجدارا

وما حب الدیار شغفن قلبی

ولکن حب من سکن الدیارا

ترجمہ: میں جب محبوبہ لیلیٰ کے گھروں سے گزرتا ہوں تو ان کی دیواروں کو چوم لیتا ہوں اور گھروں کی محبت نے میرے دل کو فریفتہ نہیں کیا بلکہ یہ ان کی محبت سے ہے جو ان میں ساکن ہے۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں: اللہ تعالےٰ نے ضابطہ بنا دیا ہے کہ کوئی بھی اپنے آپ کو کسی کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرے ہاں صرف اپنے مقتدا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے نہ صرف اجازت بخشی ہے بلکہ ان کی غلامی واجب اور لازم بتائی ہے۔ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت یہ ہے کہ ان کی تابعداری کی جائے اور قولاً فعلاً خلقاً سیرۃً وعقیدۃً انہی کے راستہ کو اختیار کرے اور محبت کا صحیح دعویٰ صرف یہی ہے اس لیے کہ محبت کا قطب اور اس کا مظہر یہی ہے اور حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ پر چلنے کا نام محبت ہے جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ مبارکہ سے حصہ نصیب نہیں وہ محبت سے محروم ہے۔ پس جو شخص حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کا حق ادا کرتا ہے تو اس کے باطن وسر اور قلب ونفس کو حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے باطن وسر اور قلب ونفس سے مناسبت نصیب ہو جاتی ہے اور محبت کا حقیقی مظہر یہی ہے۔ ایسے شخص کو ایسی مناسبت سے اللہ تعالٰے کی محبت سے حصہ نصیب ہو جاتا ہے لیکن اتنا کہ جس قدر اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت میں مناسبت ہو گی۔ اسی مناسبت کی برکت سے اللہ تعالٰے اپنی محبت اس بندہ پر ڈالتا ہے۔ پھر نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح اقدس سے اسی محبت کے نور سے بہت جلد اس پر اثرات پڑتے ہیں اس لیے کہ اگر اللہ تعالٰے کی محبت کا اس پر اثر نہ ہوتا تو اسے یہ محبت کب نصیب ہوتی۔ یہ مقام اتنا بلند ہوتا ہے جو کبریت احمر سے بھی عزیز تر ہے پھر اسے اللہ تعالٰے ایسے اعلیٰ مقام کی طرف بلاتا ہے جو اس سے بھی اونچا ہے وہ مقام الارادۃ ہے جسے اطیعوا اللّٰہ والرسول سے تعبیر فرمایا ہے یعنی اگر تم میرے محب نہیں ہو تو تم میرے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت بھی نہیں کر سکو گے۔ اگر تم صحیح طور پر متابعت نہیں کر سکتے تو کم از کم ارادت کو تو مضبوط کر لو یعنی جن امور کا تمھیں حکم دیا گیا ہے ان پر پختہ ارادت رکھو۔ اس کی برکت سے تمھیں اطاعت بھی نصیب ہو جائے گی۔ اس لیے کہ ہر ارادت مند اپنی مراد کو کبھی نہ کبھی ضرور پہنچتا ہے۔

فان تولوا: پس اگر تم اعراض کرو گے۔ اس کے مخاطب وہ کفار ہیں جو انوارِ الٰہی سے محجوب ہیں۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالٰے عنہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں کہیں جا رہے تھے اور آپ کا ہاتھ مبارک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضور! آپ مجھے ہر شئے سے محبوب ترین ہیں لیکن میں اپنے نفس کو آپ سے زیادہ محبوب سمجھتا ہوں۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی ایک بھی مؤمن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ مجھے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ سمجھے"۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اب مجھے آپ سے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے عمر! اب تمھارا ایمان کامل ہے۔ (رواہ البخاری)

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: .. میرے تمام امتی بہشت میں داخل ہوں گے سوائے منکر کے۔ عرض کی گئی کہ منکر سے کون لوگ مراد ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو میری اطاعت کرتا ہے وہ بہشت میں داخل ہو گا اور جو میری نافرمانی کرتا ہے وہی منکر ہے۔ (اور وہ بہشت میں داخل نہ ہو گا)۔

حکایت: ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ملائکہ حاضر ہوئے۔ آپ اس وقت آرام فرما رہے تھے

ان میں سے بعض نے کہا: ان کو تو نیند ہے۔ دوسرے نے کہا: آپ کی آنکھ نیند میں ہوتی ہے لیکن آپ کا قلب اطہر بیدار رہتا ہے۔ فرشتوں نے کہا: نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک عجیب مثال بیان کرو۔ انھوں نے کہا: آپ کی مثال ایک ایسے مرد کی ہے کہ جس نے بہترین بلڈنگ بنوائی اور اس میں بہتر بن کھانے پکوائے اور لوگوں کو کھانے کی دعوت کے لیے داعی بھیجا۔ پس جو شخص ان کے داعی کی بات سن کر انکار کرے تو وہ بلڈنگ میں حاضر ہوگا نہ کھانا کھائے گا۔ فرشتوں نے کہا کہ اسے واضح طور پر بیان کرو تاکہ اسے عوام بھی سمجھ سکیں۔ انھوں نے کہا: "الدار" سے مراد بہشت ہے اور "الداعی" حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کرتا ہے تو اس نے اللہ تعالےٰ کی اطاعت کی اور جس نے ان کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالےٰ کی نافرمانی کی۔

نتیجہ: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع میں بہشت بھی نصیب ہوتی ہے اور قربتِ الٰہی بھی اور وصالِ مولیٰ بھی۔

حکایت حضرت سلطان محمود غازی غزنوی رحمۃ اللہ تعالےٰ شیخ ربانی سیدنا ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے تھوڑی دیر بیٹھ کر عرض کی حضرت فرمائیے سیدنا شیخ ابا یزید بسطامی کیسے بزرگ ہیں۔ انھوں نے فرمایا وہ ایسے بزرگ ہیں کہ جس نے بھی ان کی زیارت کی تو وہ ہدایت پا گیا اور ایسی سعادت کر زہے نصیب۔ سلطان محمود رحمۃ اللہ تعالےٰ نے عرض کی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابوجہل نے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا لیکن بدبختی میں پھنسا رہا۔ حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ابوجہل نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا بلکہ محمد بن عبداللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو دیکھا اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتا تو وہ بدبختی سے نجات پا لیتا اور اسے ابدی سعادت نصیب ہوتی۔ چنانچہ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

"وتراهم ينظرون اليك وهم لا يبصرون"

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو سر کی آنکھوں سے دیکھنے کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی یہ سعادت نصیب ہو سکتی ہے۔ یہ سعادت کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قلب[۱] اور سِرّ[۱] (راز) سے نصیب ہو سکتی ہے اور آپ کی مکمل تابعداری سے یہ سعادت ابدی حاصل ہوتی ہے۔ آپ کا امتی بھی وہی ہے جو آپ کی تابعداری کرے گا اور تابعداری وہی کرے گا جسے دنیا سے روگردانی حاصل ہے اور حضور علیہ السلام بھی اللہ اور آخرت کے داعی تھے۔ اور آپ کا طریقہ یہی تھا کہ وہ آپ کی امت دنیا اور اس کی لذات سے بچ جاتے۔ پس جو شخص دنیا کی لذات سے جس قدر روگردانی کرتا ہے اسی قدر رجوع الی اللہ رکھتا ہے اور اپنے اوقات آخرت کے امور کی طرف صرف کرتا ہے اور اتنا حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نصیب ہوتا ہے

---

[۱] یہ لطائف روحانی کے نام بھی ہیں۔

جتنا آپ کی امت آپ کی اتباع کرتی ہے اتنا اسے امتی ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے اور جتنا دنیا کی طرف شغف رکھتے ہیں اتنا نبی علیہ السلام کا طریقہ کم نصیب ہوگا اور وہی ان کی تابعداری سے روگردان سمجھا جائے گا بلکہ وہ ان لوگوں میں شامل ہوگا جس کے لیے اللہ تعالٰے نے فرمایا:

"فاما من طغیٰ واثر الحیوۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماوٰی"

سبق اے سالک! اگر تم غرور کی گھاٹیوں میں بھٹک رہے ہو اور اپنے نفس کو ان لوگوں میں شامل رکھتے ہو کہ جن کا صبح و شام صرف حظوظ نفسانیہ میں گزرتا ہے اور اگر تم اسی کے ساتھی ہو کہ جس کا شب و روز خواہشات دنیویہ میں بسر ہوتا ہے تو پھر گمان کرو کہ کل ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی ہونے کا شرف نصیب ہوگا یہ غلط بلکہ فحش ارادہ ہے اللہ تعالٰے نے فرمایا:

افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ:

حل لغات: الاصطفاء ہیچو الاستصفاء کی طرح شئے کی بھلائی کو حاصل کرنا۔ یعنے اللہ تعالٰے نے آدم علیہ السلام کے نفس قدسیہ کو چن لیا یعنے آدم علیہ السلام کو ان ملکات روحانیہ اور کمالات جسمانیہ کے لیے چنا جو ذات مصطفٰے میں رسالت کے لیے تھیں۔ ایسے ہی تمام رسل کرام علی نبینا وعلیہم السلام کو جو ان کے لائق تھا بھی چن لیا ایسے ہی رسل کرام کے علاوہ اولیا کرام کو کیونکہ وہ رسل کرام کے تابع ہوتے ہیں اسی لیے ان کا بھی یہی حال ہوتا ہے جیسے بی بی مریم علی نبینا علیہا السلام میں تھا یا یہ معنٰے ہے کہ اللہ تعالٰے نے آدم علیہ السلام کو احسن تقویم سے پیدا فرما کر انھیں اسماء کی تعلیم سے نوازا۔ اور ملائکہ کرام کا مسجود بنایا اور بہشت میں ٹھہرایا۔

وَنُوْحًا ، اور حضرت نوح علیہ السلام کو تمام مذکورہ اوصاف میں چن لیا جو آدم علیہ السلام کو عطا ہوا یا یہ معنٰے ہے کہ نوح علیہ السلام کی شریعت کو سابق شریعتوں کا ناسخ بنایا کہ ان سے پہلے محارم سے نکاح کرنا جائز تھا لیکن نوح علیہ السلام کی شریعت نے اسے منسوخ فرمایا اور اللہ تعالٰے نے انھیں طویل عمر عنایت فرمائی اور ان کی اولاد تا قیامت رہے گی اور مومنین و کافرین کے حق میں دعا قبول فرمائی اور انھیں طوفان کے زور میں پانی کے اوپر تیرنے کی نعمت عطا فرمائی۔ **وَ** ، اور

اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ ، ابراہیم علیہ السلام کی آل کو چن لیا اس سے حضرت اسماعیل و اسحاق علی نبینا وعلیہما السلام مراد ہیں کیونکہ حضرت انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم السلام ان کی اولاد سے ہیں منجملہ ان کے محبوب خدا محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

مسئلہ: ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو برگزیدہ بنانے سے ان کا برگزیدہ ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہوا۔

وَاٰلَ عِمْرٰنَ ، اور آل عمران کو چن لیا۔ اس سے حضرت عیسٰے علیہ السلام اور ان کی والدہ مراد ہیں۔

حضرت مریم کا نسب نامہ حضرت مریم کا نسب نامہ یہ ہے :
مریم بنت عمران بن ماتان بن العاد ابن ابی ہود بن رب بابل بن سالیان بن یوحنا
بن اوشا بن اوموزا بن میشک بن تحارقا بن یونام بن عزریا بن یوزان بن سافط ابن ایشا بن رابعقیم بن سلیمان بن داؤد -
(علیہما السلام) ابن ایشا بن عوبل بن سلون بن باعر بن ممشون بن عمیاد ابن دام بن حضرم بن فارض بن یہودا بن یعقوب
علیہ السلام -

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر آل عمرآن سے حضرت موسےٰ و حضرت ہارون (علیہما السلام) مراد ہیں -

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا نسب نامہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا نسب نامہ یہ ہے :
حضرت موسےٰ و حضرت ہارون علیہما السلام ابنا عمران بن
یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام -

ان دونوں عمران کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے - اس معنے پر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی برگزیدگی کا
بیان آل ابراہیم علیہ السلام میں داخل ہوگا - لیکن پہلی تفسیر زیادہ ظاہر ہے - اس لیے کہ ابھی اس مضمون کے بعد حضرت مریم علیٰ
نبینا و علیہا السلام کا علیحدہ ذکر آتا ہے اور موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا برگزیدہ ہونے کا بیان آل ابراہیم علیہ السلام میں شامل
ہونا بھی ظاہر ہے -

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ تمام جہانوں پر - عالمین عالم کی جمع ہے - مخلوق میں کسی ایک نوع کو عالم کہا جاتا ہے اور
اس میں کوئی ایسی علامت ہوتی ہے جو اپنے نقیض سے ممتاز ہو جاتا ہے جیسے عالم ملک وجن وانس، عالم البر، عالم البحر، عالم الارض
عالم اسماء - لیکن یہاں پر العالمین سے ہر ایک کے اپنے ہم زمان لوگ مراد ہیں یعنے ان کو ان کے اپنے ہم زماں لوگوں سے
برگزیدہ بنایا -

ذُرِّيَّةً ، اس کا منصوب ہونا علی سبیل البدلیۃ ہے - یہ آل ابراہیم و آل عمران سے بدل ہے -

حل لغات: الذر بالفتح الذال بمعنے بکھیرنا اور جن وانس کی نسل کو ذریۃ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انھیں
زمین پر پھیلایا ہے یا اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کی نسل کو ان کی پشت سے ذر کی طرح نکالا ہے اور وہ ذرہ
کی جمع ہے اور یہ ذرۃ کی جمع ہے اور ذرّہ چھوٹی چیونٹیوں کو کہتے ہیں، اور ذرء بمعنے الخلق آیا ہے اور اللہ تعالےٰ نے
انھیں پیدا فرمایا یعنے عدم سے وجود میں ظاہر فرمایا -

بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ط محلاً منصوب ہے اس لیے کہ یہ ذریۃ کی صفت ہے یعنے وہ دونوں آل ایک تھے
پھر ان کا سلسلہ آگے کو بڑھا اور ان کی شاخیں پھیلیں مثلاً آل ابراہیم یعنے اسماعیل و اسحاق علیٰ نبینا وعلیہم السلام ایسے ہی ابراہیم
علیہ السلام نوح علیہ السلام اور آدم علیہ السلام کی شاخ ہیں اسی طرح ان کا سلسلہ بنی اسرائیل کے آخری نبی خاتم الانبیاء

حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کی شاخیں تھیں، مثلاً آلِ عمران یعنے موسیٰؑ و ہارون علیہ السلام یہ ہر دونوں ابراہیم و نوح علیہم السلام کی آل ہیں۔ اسی طرح عیسیٰ اور ان کی والدہ ماجدہ علی نبینا و علیہما السلام کو سمجھئے۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ ، اور اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کے اقوال سنتا ہے۔ **عَلِيْمٌ ○** اور ان کے ظاہری و باطنی اعمال کو جانتا ہے۔ پس ان میں ہر اس بندے کو اپنی خدمت کے لیے چن لیتا ہے جو قولاً فعلاً استقامت دکھاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ ۔

مسئلہ : آیت سے ثابت ہوا کہ کفار سے نکاح و بیاہ کا سلسلہ جائز ہے۔ اس لیے کہ نسخ سے پہلے نسلِ انسانی میں ایک دوسرے سے بلا امتیازِ ایمان و کفر نکاح جائز تھا۔

حدیث شریف : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

" میں نکاح سے پیدا کیا گیا ہوں نہ کہ زنا وغیرہ سے "

تفسیر صوفیانہ اصطفاء محبت و خلت سے عام ہے۔ اسی وجہ سے " اصطفاء " کا لفظ تمام انبیاء علیہم السلام کے لیے مستعمل ہے کیونکہ وہ سب کے سب اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ تھے۔ البتہ ان کے بعض کو بعض پر مراتب کے لحاظ سے فضیلت ضرور ہے۔ کما قال :

تلک الرسل فضلنا بعضہم علی بعض ۔

ہاں محبت ایک خصوصی مرتبہ ہے اسی محبت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ورفع بعضہم درجات میں اسی لیے حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم علی الاطلاق تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں کیونکہ وہ حبیب ہیں۔ اس کے بعد خلّہ کا مرتبہ ہے یہی صفت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہوئی۔ ان سب کی اعم صفات صفاء ہو کہ وہ آدم علیہ السلام کی صفت ہے اسی لیے ان کی صفت صفی اللہ بھی ہے۔ یونہی اولاد کا سلسلہ دین و حقیقت سے بھی چلتا ہے کہ ان میں بعض دوسرے بعض کی اولاد کہلاتی ہے اس لیے کہ درحقیقت ولادت دو قسم کی ہوتی ہے :

(۱) ولادت صوری

(۲) ولادت معنوی

ولادت صوری کا بیان گزر چکا ہے۔

ولادت معنوی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام توحید و معرفت اور ان تمام متعلقات بالباطن جو کہ اصول دین کے مسائل ہیں ایک دوسرے کے تابع ہیں۔ اسی معنے پر گویا وہ ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔ اسی طرح ہمارے دور میں پیری مریدی کا سلسلہ مشائخ

بھی اولاد معنوی ہی ہے۔

چنانچہ منقول ہے کہ آبار تین ہیں :

① جس نے تجھے جنا ۔

② جس نے تیری تربیت کی ۔

③ جس نے تجھے علم پڑھایا ۔

ف : جیسے ولادت صوریہ میں ماں کی رحم میں باپ کے نطفہ سے بنتا ہے ایسے ہی ولادت حقیقیہ میں وجود القلب استعداد النفس کی رحم میں شیخ کی مقدس صحبتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی ولادت کی طرف حضرت عیسٰے علیہ السلام نے اشارہ فرمایا : لن یلج ملکوت السموات من لم یولد مرتین ۔ ملکوتی ملک میں ہر اس شخص کو داخل ہونے کی اجازت دی جاتی ہے جس کی دو بار ولادت ہو یعنے : ① صوری

② معنوی ۔

ف : ولادت معنوی اکثر صوری تناسل کے تابع ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ایک ہی نسل اور ایک ہی درخت کے پھل تھے۔ اس کا سبب روح کی صفائی اور اعتدال حقیقی سے قرب کے مزاج سے مناسبت وجود میں آتے وقت تو یہ ہر شے بالکل معدوم تھی۔ ہر روح کا اس کی مناسبت پر ایک مزاج ہوتا ہے جو صرف اسی سے مخصوص ہوتا ہے کیونکہ فیض کا ایصال اسی مناسبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ازل میں بھی ایسے ہی تھا کہ جس کو جتنا صفائی حاصل تھی اسی قدر وہ حضرت احدیت کے قریب تھا اور جتنا وہ کدورت میں ملوث تھا اسی قدر اس درگاہ سے دور تھا۔ اسی مناسبت سے مزاجوں میں دائمی طور پر قرب و بعد رہے گا تاکہ اسی سے اس بارگاہ کا وصل نصیب ہو یہی کیفیت ابدان کی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے پیدا ہوتے یہی وجہ ہے کہ اکثر مزاجوں میں بھی تشابہ ہوتا ہے (امور عوارض اور اتفاقیہ مستثنیٰ ہیں)۔ اسی طرح ارواح کی حالت ہے کہ جتنا انہیں حضرت احدیت سے اتصال ہوگا اسی قدر مراتب حاصل ہوں گے لیکن اس میں مناسبت فی الصفۃ کا ہونا ضروری ہے اس تقریر کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت مہدی علی نبینا وعلیہ السلام حضور سید الانبیاء محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہوں گے ۔

ف : غذاؤں کا اثر بھی بدن پر پڑتا ہے جس کی غذا حلال وطیب ہوگی تو اس کے نفس ہیئات پر فضیلت اور نورانیہ اور اس کی نیات صادقہ حقانیہ ہوں گی پھر اس کی اولاد بھی مومن اور سچی یا نبی و ولی پیدا ہوگی۔ (من حیث الولادۃ ورنہ نبوت کا دروازہ بند ہے) اور جس کی غذا حرام ہوگی تو اسے نفس کی ہیئات خبیثہ ظلمانیہ اور اس کی نیات فاسدہ اور ردیہ ہوں گی۔ اس سے جو اولاد ہوگی وہ فاسق و فاجر اور کافر و زندیق (بے دین) پیدا ہوگی۔ اس لیے کہ وہ نطفہ اسی غذا سے پیدا ہوا اور اسی نفس سے تربیت پا کر خارج ہوا اس لیے کہ اسے اس سے مناسبت ہوگی۔

حدیث شریف : حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : بیٹا باپ کا عکس ہوتا ہے ۔
ف : بی بی مریم کا صدق حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نبوت بی بی مریم کی نیک نیتی کا نتیجہ ہے ۔
اِذْ ، یہ اذکر محذوف سے منصوب ہے ۔ **قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ** ، جب کہا عمران کی عورت نے ۔ اس سے عمران کی زوجہ بی بی مریم بتول علی نبینا وعلیہا السلام کی ماں اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نانی مراد ہے جس کا نام "حنہ بنتِ فاقوذا ہے ۔

ف : حضرت عمران بن یصہر کی ایک لڑکی تھی اس کا نام بھی مریم تھا ۔ وہ حضرت موسٰی علیہ السلام اور ہارون علیہما السلام سے عمر میں بڑی تھیں اور انہی عمران بن ماثان کی صاحبزادی کا نام بھی مریم تھا ۔
سوال : تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اسی آیت میں اس مریم بتول حضرت عیسٰی علیہ السلام کی والدہ کا والد مراد ہے اور اس مریم (جو موسٰے وہارون کی بڑی بہن) کا باپ تھا مراد نہیں ؟
جواب : آئندہ کا مضمون (جس میں مندرج ہے کہ اس مریم کی کفالت حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد ہوئی) دلالت کرتا ہے کہ یہاں پر حضرت مریم بتول ام عیسٰی علیہ السلام کا باپ مراد ہے اس لیے کہ حضرت زکریا اور حضرت عمران بن ماثان ہم زمان تھے اور انہی کی دوسری صاحبزادی الشاع سے نکاح کیا تھا اور وہ بی بی مریم بتول ام عیسٰی علیہ السلام کی ماں کی بہن تھیں اور عیسٰی ویحیٰی علی نبینا وعلیہما السلام دونوں خالہ زاد بھائی تھے ۔

واقعہ مروی ہے کہ بی بی صاحبہ یعنی بی بی مریم کی والدہ محترمہ بانجھ تھیں آپ کو مدت العمر کوئی بچہ بچی پیدا نہ ہوئی یہاں تک کہ بوڑھی ہوگئیں ۔ ایک دن درخت کے سایہ تلے بیٹھی تھیں ایک پرندے کو دیکھا کہ اپنے چھوٹے بچے کو دانے وغیرہ کھلا رہا تھا تو مائی صاحبہ کو بچے کی آرزو پیدا ہوئی ۔ اس پر دُعا مانگی : اے الہ العالمین ! میں تیرے لیے منت مانتی ہوں کہ اگر مجھے تو نے بچہ عنایت فرمایا تو اسے تیرے گھر (بیت المقدس) کا خادم بناؤں گی ۔ بی بی کی دعا قبول ہوئی کہ انھیں حمل ٹھہر گیا (جس سے بی بی مریم پیدا ہوئیں) لیکن بی بی مریم کی پیدائش سے پہلے ہی حضرت عمران کا وصال ہوگیا ۔ چنانچہ اللہ تعالے نے فرمایا :

رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ ، اے اللہ میں نے تیرے لیے منت مانی ۔ نذر وہ شے ہے جو انسان اپنے اوپر لازم کر دے ۔ **مَا فِیْ بَطْنِیْ** ، وہ جو میرے پیٹ میں ہے ۔
سوال : بی بی نے بچے کو لفظ ما سے کیوں تعبیر فرمایا ؟
جواب : (۱) پیٹ کے اندر کا معاملہ مبہم ہوتا ہے ۔
(۲) پیٹ کے اندر کا بچہ بمنزلہ غیر ذوی العقول کے ہوتا ہے ۔
مُحَرَّرًا ، بیت المقدس کی خدمت کے لیے آزاد کیا ہوا ۔ اس پر میرا کسی قسم کا قبضہ نہ ہوگا ۔ اور نہ ہی اس

سے میں اپنی کوئی خدمت کراؤں گی اور نہ کسی کام میں مشغول رکھوں گی یا یہ معنٰے ہے کہ وہ خالص تیرے لیے اور تیری عبادت کے لیے زندگی گزارے گا، دنیا کا کوئی کام نہ کرے گا یہاں تک کہ شادی بیاہ بھی۔ صرف عمل آخرت کے لیے وقف رہے گا۔

مسئلہ: ان کی شریعت میں اس طرح کی نذر جائز تھی۔

مسئلہ: ان کی شریعت میں یوں ہوتا کہ جب بچہ خدمت کرنے کے لائق ہوجاتا تو اس پر والدین کی خدمت فرض ہوجاتی۔

مسئلہ: اپنی خدمت سے آزاد کر کے بچوں کو مسجد (بیت المقدس) کی خدمت کے لیے آزاد کر دیتے تھے۔

ف: انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی نبی علیہ السلام بھی ایسا نہیں گزرا کہ جس کی اولاد مسجد (بیت المقدس) کی خدمت کے لیے آزاد نہ ہوئی ہو۔

ف: اور یہ قاعدہ تھا کہ بیت المقدس کی خدمت کے لیے صرف لڑکے ہی آزاد ہوتے تھے۔ لڑکیاں اس خدمت کی اہل بھی نہ تھیں اس لیے کہ انھیں حیض و دیگر نسوانی عوارض لاحق ہوتے ہیں۔ اس بنا پر انھیں مسجد (بیت المقدس) سے باہر نکل جانا ضروری ہوجاتا۔

سوال: بی بی صاحبہ کو جب معلوم تھا کہ آزادی صرف لڑکوں کی ہوتی ہے اور پیٹ کے اندر کا علم تو تھا نہیں تو پھر ما فی بطنی کو مطلق کر کے کیوں کہا؟

جواب (۱): وہمی طور پر اندازہ کر کے اسے بچہ قرار دیا۔

(۲) اس کلمہ کو بچے کی پیدائش کا وسیلہ بنایا۔

فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ پس تو اسے مجھ سے قبول فرما۔ یعنے جو کچھ میں نے نذر مانی اسے قبول فرما۔ التقبل بمعنے کسی شئے کو برضا و خوشی لینا۔ اور یہ دراصل بچہ مانگنے کا بہترین طریقہ ہے اسلئے کہ دعا کی قبولیت ولد عطا کرنے بلکہ نرینہ اولاد عطا کرنے پر موقوف تھی۔ اس لیے بیت المقدس کے لیے لڑکی تو قبول نہ کی جاتی تھی۔ **اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ** بے شک تو تمام مسموعات کو سنتا ہے منجملہ ان کے میری دعا اور عجز و نیاز ہے۔ العلیم اور تو تمام معلومات کو جانتا ہے منجملہ ان کے وہ بھی ہے جو میرے دل میں ہے۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا پس جب اس نے اسے جنا یعنے جب جنا تو وہ بچی تھی۔ **قَالَتْ** کہا بی بی حنہ نے جب انھیں بچے کی پیدائش کی امید تھی۔ **رَبِّ اِنِّيْ** یہ اعتقاد باطل کے رد کی تاکید کے لیے ہے۔ **وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى** میں نے اسے بچی جنا۔ حسرت کے طور پر کہا جب کہ اس نے اسے اپنے مطلب کے خلاف پایا اور اپنے مقصد پر کامیاب نہ ہوئیں۔ اور یہ ضمیر متصل نسمۃ کی طرف لوٹتی ہے اور لفظ انثی اس سے حال واقع ہے۔ **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا**

وَضَعَتۡ ط اور اللہ تعالٰے زیادہ جانتا ہے جو اس نے جنا۔ یہ بچی کی پیدائش کی عظمت کے اظہار کے لیے ہے جب کہ مائی صاحبہ نے اس کی پیدائش پر اظہارِ تحسر کیا اور غمگین ہوئیں کہ بچی کیوں پیدا ہوئی۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ اسے کیا معلوم کہ اس بچی کی قدر و منزلت کتنی ہے۔ یہ اللہ تعالٰی کو معلوم ہے کہ پیدا ہونے والی بچی کا کیا مرتبہ ہے اور عجائباتِ قدرت اور بہت بڑے امور ان سے وابستہ ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالٰے نے اسے اور اس کے بچے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو دنیا والوں کے لیے بہترین عجوبۂ روزگار بنانا ہے۔ چونکہ بی بی اُن کے ایسے امور سے ناواقف تھیں اس لیے اظہارِ تحسر کیا اور غمگین ہوئیں۔ وَلَيۡسَ الذَّكَرُ كَالۡاُنۡثٰى ط اور ہر مرد عورت کی طرح نہیں۔ یہ مقولہ بھی اللہ تعالٰے کا ہے جو کہ پیدا شدہ بچی کی شان کی عظمت کے اظہار اور اس کی قدر و منزلت کے اعزاز میں فرمایا۔ اور ان دونوں میں لام عہد کا ہے یعنی وہ لڑکا جو وہ طلب کر رہی ہے اور اس کو اپنے لیے کمال سمجھتی ہے کہ بچہ ہی بیت المقدس کا خادم بن سکتا ہے تو وہ اس بچی کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا تھا جو وہ عطا کی گئیں۔ اس لیے کہ اس بچی کا دائرہ علم اور اس کے اقدار و منازل بہت بلند ہیں۔ اور اتنے وسیع کہ سوائے اللہ تعالٰے کے اور کوئی انھیں احاطہ نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں اس کے اندر بہت بڑے بلند قدر امور ہیں فلہٰذا یہ بی بی حنہ (علیہا السلام) کے مطلوب بچے سے بدرجہا افضل ہے اور وہ بی بی حنہ ان کے اتنے اعزاز و اکرام کو نہیں جانتی۔

یہ دونوں جملے اللہ تعالٰے کے مقولے ہیں۔ اور دونوں جملے معترضے ہیں جو دونوں بی بی مریم کی والدہ کے اقوال: انی وضعتها اور انی سمیتها کے درمیان میں واقع ہوئے ہیں۔ ان دونوں کو درمیان میں لانے کے دو فائدے ہیں:

① بی بی حنہ کو تسکین و تسلی۔

② بی بی مریم کی پیدائش کی عظمت و حرمت۔

وَاِنِّىۡ سَمَّيۡتُهَا مَرۡيَمَ۔ یہ بی بی کا مقولہ ہے اور اس کا عطف "انی وضعتها" پر ہے یعنے میں نے اس کا نام مریم رکھا۔ اس سے بی بی حنہ کی غرض یہ ہے کہ مریم کی پیدائش تو ہوگئی اب اس کے ذریعے مجھے قربِ الٰہی نصیب ہو اور وہ دنیوی غلط کاریوں سے محفوظ رہے اس لیے کہ لغت میں مریم عابدہ اور خادمۂ رب کو کہا جاتا ہے۔ اس میں اس بات کا بھی اظہار ہے کہ میری غرض اس سے یہ نہیں کہ بچی کیوں پیدا ہوئی اور وہ بیت المقدس کی خدمت کے لائق نہیں بلکہ میری نیت اس سے یہ ہے کہ وہ بچی نیک اور عابدہ و صالحہ ہو۔

ف: اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمران بی بی مریم کی پیدائش سے پہلے فوت ہو چکے تھے ورنہ ان کی ماں ان کا نام نہ رکھتی کیونکہ عادت یوں ہے کہ باپ بچوں کے نام رکھتے ہیں۔

وَاِنِّىۡۤ اُعِيۡذُهَا بِكَ، اور میں اسے تیری پناہ اور حفاظت میں دیتی ہوں۔ وَذُرِّيَّتَهَا۔ اعیذ کا ضمیر منصوب پر ہے۔ اور اس کی اولاد کو۔ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ○ شیطان رجیم سے یعنے ہٹایا ہوا۔ دراصل

رجم بمعنے پتھروں سے مارنا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''ہر بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اسے شیطان مس کرتا ہے پس وہ بچہ اس شیطان کے مس کرنے سے چیختا ہے مگر مریم اور ان کے صاحبزادے حضرت عیسیٰ علیہ السلام.....

شرح الحدیث شیطان ہر بچہ کے گمراہ کرنے کے لیے طمع کرتا ہے۔ پھر بوقت پیدائش وہ بچہ شیطان کے اغوا سے متاثر ہوتا ہے مگر مریم اور ان کا صاحبزادہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس لیے کہ اللہ تعالے نے انھیں اس دعا کی برکت سے محفوظ فرمایا۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا، پس اللہ تعالے نے قبول فرمالیا۔ یعنے مریم کو لے لیا اور انھیں نذر کے لیے بجائے لڑکے کے قبول فرمالیا۔ ربھا اس کے مالک تے، اور اسے اس کے شایان شان کمال تک پہنچانے والے نے۔ **بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ،** احسن طریق سے وہ نذر کو قبول کرتا ہے اور اب کی بار یہ ہوا کہ لڑکی کو اور پھر چھوٹے سن والی کو قبول کرلیا۔ حالانکہ اس شریعت کا قانون یہ تھا کہ بیت المقدس کی خدمت کے لیے لڑکے، عاقل اور پھر خدمتِ مسجد (بیت المقدس) پر بھی قدرت رکھتا ہو، کو قبول کیا جاتا ورنہ ناجائز تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ بی بی حنہ تے بی بی مریم کے لیے گڑگڑا کر دعا مانگی تھی کہ اللہ تعالے اسے بچی اور چھوٹی ہونے کے باوجود (بیت المقدس) کی خدمت کے لیے قبول فرمالے۔

وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ اور اس کی اچھی تربیت فرمائی۔

سوال: بی بی مریم کی تربیت کو انبات (انگوری پیدا کرنا) سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

جواب: مجازاً استعمال کیا گیا ہے چونکہ ان کی تربیت میں ہر طرح اور ان کے ہر معاملہ میں خصوصی توجہ دی گئی اسی لیے اسے 'انبات' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سوال: اللہ تعالے نے اسے قبول کرلیا اس تعبیر سے کیا فائدہ ہے؟

جواب: باوجودیکہ وہ بحیثیت عورت ہونے کے ضعیف تھیں لیکن ابتداً صدق نیت اور خلوص کی تصویر تھیں اور رحیا تو ان پر ہی ختم تھا، باوجودیکہ اس زمانہ میں (مسجد) بیت المقدس کی خدمت کے لیے چار ہزار غلام (لڑکے) اور بھی موجود تھے۔ لیکن جتنی شہرت بی بی مریم کو نصیب ہوئی اتنی کسی دیگر کو نصیب نہ ہوئی۔

سبق اس سے سالک کو تنبیہ ہے کہ اسے چاہیئے کہ وہ ہر وقت اپنی کوتاہی اور تقصیر پر نگاہ رکھ کر حصول مقصد میں ایڑی چوٹی کا زور لگائے۔ اس سے اللہ تعالیٰ اس کے اعمال قبول کرے گا۔ اور اپنے آپ کو اس بارگاہ کا نہایت ہی کم درجہ کا تصور کرے اور اخلاص کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اللہ تعالے ہم سب کو اخلاص

نصیب فرمائے۔ (آمین)

طریقت ہمینست کاہل یقین
نکوکار بودند و تقصیر بین

ترجمہ: یہی طریقت ہے نیکوکار اور اپنی کوتاہی پر نگاہ رکھنے والے ہی اہل یقین ہیں۔

تفسیر صوفیانہ سیر الی اللہ کرنے والوں (جو کہ نیک ارادہ رکھنے والے اور واصل باللہ ہیں جو دراصل وہی مراد الحق ہیں) کو اللہ تعالٰی نے اپنے اعمال اور شہود احوال سے قطع تعلق کا حکم فرمایا ہے۔ سیر الی اللہ کرنے والوں کا صدق محقق نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے اعمال کے لیے (نیکی کر اور دریا میں ڈال) کے مقولہ پر عمل نہ کریں کیونکہ کبھی واصل باللہ کو بھی شہود احوال مشاہدۂ حق سے دور رکھتا ہے۔ فلہٰذا انہیں اس حالت سے بھی اپنے سے علیحدگی اختیار کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس حالت پر قایم رہے تو وہ شیطان کے آلہ سخرہ بنے رہیں گے۔ اس لیے انھیں اس حالت سے دور رہنا ضروری ہے۔

حکایت جب حضرت واسطی نیشاپور تشریف لے گئے تو حضرت شیخ ابوعثمان مغربی رحمہ اللہ تعالٰی کے مریدین سے پوچھا کہ تمہیں تمھارے شیخ کس عمل پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں شیخ کا حکم ہے کہ طاعت فرمانبرداری میں سرگرم رہو۔ لیکن پھر بھی یوں سمجھو کہ ہم نے کچھ نہیں کیا۔ حضرت واسطی نے فرمایا کہ تمھارے شیخ تمھیں مجوسیت کی طرف لے جا رہے ہیں۔ پھر فرمایا میں تمھیں ایسی بات نہ بتاؤں کہ بہت زیادہ مفید ہو وہ یہ کہ تم غیبوبت سے ہٹ کر اس کے شہود کے منشاء و مجریٰ کی طرف راغب رہو۔

تطبیق مابین القولین حضرت واسطی رحمہ اللہ تعالٰی نے انھیں محل اعجاب سے بچانے کی غرض سے یہ فرمایا نہ یہ کہ اوطان تقصیر سے انھیں کوئی واسطہ نہ تھا اور نہ ہی ان کی یہ غرض ہے کہ مشائخ کے سکھائے ہوئے آداب میں کوتاہی کی جائے۔

ف: حضرت نہرجوری نے فرمایا کہ بعض حضرات وہ ہوتے ہیں کہ ان کے اعمال کا اللہ تعالٰی خود متولی ہوتا ہے ان کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے ہر خلوص میں کوتاہی کے تصور میں رہتے اور ذکر میں مشغول ہونے کے باوجود وہ اپنے آپ کو غافل سمجھتے ہیں اور سچائی میں رہ کر بھی قصوروار ہونے کے خیال میں ہوتے ہیں اور ہر مجاہدہ کو کمی سمجھتے ہیں اور فقر و فاقہ میں گھرے ہوتے ہیں لیکن خطرہ سے خالی نہیں ہوتے۔ غرضیکہ وہ اپنے جمیع حالات کو غیر پسندیدہ سمجھتے ہوئے فقہ اور سیر الی اللہ میں بڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ فانی فی اللہ ہو جاتے ہیں۔

ف: حضرت شیخ ابوالعباس رضی اللہ تعالٰی نے فرمایا:

"یولج اللیل فی النہار و یولج النہار فی اللیل" کا معنے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالٰی بندے کو گناہ سے

نکال کر نیکی میں لگاتا ہے اور دوسرے کو نیکی سے نکال کر برائی میں ڈالتا ہے۔ بایں معنی کہ جب وہ نیکی کرتا ہے تو اس پر اسے عجب پیدا ہوجاتا ہے اور اسی پر اعتماد رکھتا ہے اور دوسرے نہ کرنے والوں کو ذلیل سمجھتا ہے اور اپنی نیکی کا اللہ تعالےٰ سے بدلہ چاہتا ہے۔ یہی وہ نیکیاں ہیں جنھیں برائیاں گھیر لیتی ہیں۔ ہاں گناہ کے بعد اگر بندہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مجرم بنا کر پیش کرے اور اپنے آپ کو لاشئے سمجھے اور دوسروں کو اپنے سے بہتر و برتر تصور کرنے تو پھر اس کی برائیاں نیکیوں سے تبدیل ہوجاتی ہیں۔ اب خود سمجھئے کہ کون سی نیکی فائدے میں رہی اور کونسی برائی نقصان میں۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ نیکیوں کے حصول میں سرتوڑ کوشش کرے لیکن نیکی کر کے کسی دھوکہ میں نہ رہے۔ اسی طریق سے امید ہے کہ وہ منزل مقصود کو پہنچ کر جناب قدس کے حضور کا اہل بن جائے۔

~

چہ زرہا بخاک سیہ در کنند
کہ باشد کہ روزے مسی زر کنند

ترجمہ: بہت سے سونے خاک میں ملائے جاتے ہیں تاکہ قلعی سونا بن جائے۔

کیمیاگروں کا طریقہ ہے کہ وہ کیمیا کے حصول کے لیے دراہم و دنانیر مٹی میں دبا دیتے ہیں یعنے کیمیا کے حصول کیلئے دراہم و دینار پانی کی طرح بہاتے ہیں تاکہ کسی وقت تانبہ سونا خالص بن جائے جس سے وہ اپنی کامیابی پر خوشی سے بغلیں بجائیں ~

زر از بہر چیزے خریدن نکو است
چہ خواہی خریدن بہ از وصل دوست

ترجمہ: زر سے کوئی شے خریدنا بہتر ہے لیکن وصال الٰہی سے بہتر اور کونسی شے ہوسکتی ہے۔

دراصل اعمال کی جد وجہد صرف اس لیے ہوتی ہے کہ رضائے الٰہی اور اس کی جناب تک رسائی نصیب ہوجائے۔ اور یہ اسے نصیب ہوتا ہے جو اپنی جان و مال اس کی راہ میں صرف کر دے تاکہ اس کے لیے فتوح کے دروازے منکشف ہوجائیں۔

سبق حضرت شیخ شاذلی رحمہ اللہ تعالے علیہ نے لطائف المنن میں فرمایا کہ اے سالکو! یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ نے انوار ملکوت کو طاعات میں امانت رکھا ہے۔ پس جس سے طاعات کا کوئی حصہ یا عبادات کا کوئی جز ضائع ہو گیا تو سمجھ لے کہ اس نور سے اسی قدر ضائع گیا۔ فلہٰذا، اے سالکو! طاعت کے کسی شعبے کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اور نہ ہی عبادات کے کسی کام سے غفلت کرو تاکہ انہی واردات سے محروم نہ ہوجاؤ اور نہ ہی ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرو کہ زبان سے بحر الحقائق کے مدعی ہیں لیکن ان کے قلوب انہی انوار سے بالکل خالی ہیں۔

سبق سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت ہر قسم کی طاعت وعبادت میں سرگرم رہے لیکن "نیکی کر دریا میں ڈال" پر عمل کرے۔ یہاں تک کہ اپنا عمل کالعدم سمجھے تاکہ اسے عُجب کا مرض نہ گھیرے ورنہ تمام طاعات ملیامیٹ ہو جائیں گی۔

بزرگوں کا قول ہے کہ نیکی کرنے سے ان کی حفاظت کرنے کا مسئلہ سالک کے لیے بہت زیادہ سخت ہے۔ اس لیے کہ ان کی مثال نرم شیشے کی ہے کہ اس کے ٹوٹنے میں کوئی دیر نہیں ہوتی، پھر جب وہ ٹوٹ گیا تو اس کا درست ہونا نہ صرف ناممکن بلکہ محال ہے ایسے ہی جب نیکیاں کسی غلط روی سے ضائع ہو جاتی ہیں تو پھر ان کا حصول محال ہے۔

وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕ اور بی بی مریم کو اللہ تعالےٰ نے زکریا علیہ السلام کی کفالت میں دے دیا۔ یہ دراصل اللہ تعالےٰ کا فعل ہے (بمعنے ضمّہا اللہ تعالےٰ الیٰ زکریا)۔ اللہ تعالےٰ نے بی بی مریم کو زکریا علیہما کی ضمانت میں دے دیا اور انھیں بی بی مریم کا کفیل اور اس کی مصالح کا ضامن اور اس کے امور کی تدابیر پر قایم فرمایا۔ الکافل وہ ہے جو کسی دوسرے پر خرچ کرے۔ اور ضروریات کی اصلاح کا اہتمام کرے۔

حدیث شریف: حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"انا وکافل الیتیم کہاتین" میں (صلے اللہ علیہ وسلم) اور یتیم کا کفیل ان دونوں انگلیوں کی طرح اکٹھے ہوں گے۔

نسب نامۂ زکریا علیہ السلام: زکریا (علیہ السلام) بن اذن بن مسلم بن صدون حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی اولاد سے تھے۔

واقعۂ ولادت بی بی مریم: مروی ہے کہ جب بی بی مریم کی ولادت ہوئی تو ان کی والدہ حنہ انھیں کپڑے میں لپیٹ کر مسجد (بیت المقدس) میں لے آئیں اور انھیں احبار (علماء) کے سپرد کر دیا۔ وہ علماء حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ وہ بیت المقدس کے کعبہ معظمہ کی طرح نگران تھے۔ بی بی حنہ نے ان سے فرمایا: لو یہی ہے منت یعنی اسے لے لو اور اس کی تربیت کرو۔ اس لیے کہ یہ تمھارے صاحب قربان کی بیٹی ہے کیونکہ بنو ماثان بنو اسرائیل کے سردار اور ان کے بادشاہ ہوئے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کی تربیت کے لیے صرف میں ہی مستحق ہوں اس لیے کہ ان کی خالہ میری منکوحہ ہے۔ انھوں نے کہا: نہیں، قرعہ اندازی کرتے ہیں۔ اس پر سب راضی ہو گئے۔ (وہ کل ستائیس تھے) اس پر عمل کرنے کے لیے نہر کی طرف چل پڑے۔ (بعض نے کہا کہ یہ نہر اردن تھی) سب نے قلمیں اس نہر میں ڈال دیں اور وہ وہی قلمیں تھیں جن سے وحی ربانی لکھتے تھے۔ شرط یہ لگائی کہ جس کا قلم پانی پر تیرنے لگے گا وہی مریم کا کفیل ہوگا۔

چنانچہ تین بار قلم نہر میں ڈالے گئے۔ سب کے قلم پانی کی تہ میں بیٹھ گئے صرف حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم پانی پر

پیرنے لگا۔ اس لیے بی بی مریم کے وہی کفیل ہوئے۔ (کذافی تفسیر الشیخ)

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا، جب بی بی مریم کے ہاں تشریف لے گئے۔ زَكَرِيَّا۔ یہ دخل کا فاعل ہے۔ الْمِحْرَابَ محراب میں۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ محراب بی بی مریم کے لیے مسجد میں تیار کیا گیا تھا یعنے محراب ایک دریچہ تھا جس کی طرف سیڑھی کے ذریعہ پہنچنا پڑتا تھا یا محراب ایک برگزیدہ اور بہترین مقام تھا گویا اسے بیت المقدس کے بہترین مقام پر رکھا گیا تھا یا اس لیے کہ وہ اپنی مساجد کو محاریب کہتے تھے۔

واقعہ: مروی ہے کہ بی بی مریم کے پاس حضرت زکریا علیہ السلام اکیلے تشریف لے جاتے تھے جب واپس تشریف لاتے تو اس کے ساتوں دروازے بند کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ تشریف لائے:

وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا۔ تو ان کے پاس ایک قسم کا رزق پایا۔ یعنی ایسا میوہ پایا گیا جو عادت کے خلاف تھا۔ اور وہ بہشت سے نازل ہوتا تھا۔ بی بی صاحبہ کے پاس موسم گرما کے میوہ جات سردی میں اور موسم سرما کے گرمی میں پائے جاتے تھے۔ حالانکہ بی بی مریم نے کبھی بھی کسی ماں کا دودھ نہیں پیا تھا۔

قَالَ، یہ سوال کا جواب ہے گویا کہا گیا کہ پھر زکریا علیہ السلام نے اس کرامت کو دیکھ کر فرمایا تو اس کے جواب میں فرمایا:

يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا، اے مریم! تو یہ کہاں سے لائی؟ یعنے یہ میوے تیرے پاس کہاں سے آتے ہیں کہ جنھیں دنیا کے میوہ جات سے کسی قسم کا تشابہ ہی نہیں۔ پھر وہ بے موسم ہیں اور تمھارے ہاں پہنچنے تک دروازوں کے تالے بھی بند ہیں تیرے پاس کسی کو پہنچنے کا امکان نہیں۔

قَالَتْ، بی بی مریم نے کہا، اس وقت وہ چھوٹی تھیں انھیں سوال کے سمجھنے کی بھی بظاہر طاقت نہیں تھی چہ جائیکہ اس کا جواب دے سکیں۔

بعض نے کہا کہ وہ بچپن میں عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بولی تھیں۔

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ، یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہیں پھر اس میں تعجب اور محال کیوں۔ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۤءُ، بے شک اللہ تعالےٰ عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے کہ اسے کچھ عطا فرمائے۔ بِغَيْرِ حِسَابٍ بلا حساب بوجہ کثرت کے یا ان گنت یا اس حیثیت سے اسے شمار کرنا ناممکن ہے۔ یہ جملہ هو من عند الله کی علت ہے یا بی بی مریم کے کلام کا تتمہ ہے۔ اس اعتبار سے وہ محلاً منصوب ہے یا یہ اللہ تعالےٰ کے کلام سے ہے اس اعتبار سے یہ جملہ مستانفہ ہے۔

مسئلہ: آیت میں اولیاء اللہ کی کرامت کے جواز کا ثبوت ہے۔

اور جو لوگ اولیاء اللہ کی کرامت کے منکر ہیں وہ اسے ارہاص سے تعبیر کرتے ہیں کہ ان سے یہ خرق عادت عیسیٰ علیہ السلام

کی رسالت کے لیے تمہید و مقدمہ کی حقیقت سے سرزد ہوئی۔

کرامت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا مروی ہے کہ ایک دفعہ قحط واقع ہوا۔ بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ۲ دو روٹیاں اور بھونا ہوا گوشت بھیجا۔ جب وہ دسترخوان کھولا گیا تو وہ روٹی و گوشت سے پُر تھا۔ بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا دیکھ کر حیران ہوگئیں لیکن سمجھ گئیں کہ یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے۔ انھیں حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا :

" انی لک ھٰذا ؟ " (یہ تیرے لیے کہاں سے آیا)۔

بی بی فاطمہ نے جواب دیا :

" ھو من عند اللّٰہ ان اللّٰہ یرزق من یشآء بغیر حساب " (یہ اللہ کی طرف سے آیا ہے وہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے)۔

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" الحمد للّٰہ الذی جعلک شبیہۃ بسیدۃ بنی اسرآئیل " (تمام تعریف اللہ تعالےٰ کے لیے ہے جس نے اے فاطمہ ! تجھیں بنی اسرائیل کی سردار بی بی کے مشابہ فرمایا)۔

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی و حسنین کریمین رضی اللہ تعالےٰ علیہم کو بلایا اور تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم کو اپنے گھر جمع فرما کر اسے تناول فرمایا اور تمام سیر ہو گئے۔ لیکن وہ طعام بچ رہا۔ پھر بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ نے اسے ہمسائیگاں پر تقسیم فرمایا۔

مسئلہ : صحابہ کرام سے لے کر آج تک تمام اسلاف سے کرامات کا صدور ہوتا رہا۔

مسئلہ : حضرت سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ انسان اپنے بُرے اخلاق کو دور کر کے نیک اخلاق کا خوگر ہو جائے۔

مسئلہ : حضرت شیخ ابوالعباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ کوئی بڑی کرامت نہیں کہ کسی کو کہا جائے کہ اس کے لیے زمین لپیٹی گئی اور چند منٹوں میں وہ مکہ معظمہ میں پہنچ گئے یا اسی طرح اور بہت سے دور فاصلے کے بلاد میں پہنچائے گئے، بلکہ سب سے زیادہ بڑی کرامت یہ ہے کہ اس سے بُری خصلتیں دُور ہو جائیں اور وہ نیک اخلاق کا مالک ہو جائے۔

حکایت حضرت ابویزید بسطامی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو عرض کی گئی کہ فلاں شخص پانی پر تیرتا ہے۔ آپ نے فرمایا : کیا مچھلی پانی پر نہیں تیرتی ! تو پھر مچھلی کو بھی صاحبِ کرامات کہا جائے۔ پھر عرض کیا گیا کہ فلاں ہوا میں اڑتا ہے، آپ نے فرمایا : پھر پرندوں کو بھی صاحبِ کرامات کہا جائے کہ وہ بھی ہوا میں اڑتے ہیں۔ پھر عرض کیا گیا کہ فلاں شخص مکہ کی زیارت سے ایک ہی دن میں جا کر واپس آجاتا ہے۔ آپ نے فرمایا : پھر ابلیس کے لیے کیا کہو گے کہ وہ ایک لحظہ میں تمام روئے زمین کا چکر لگا لیتا ہے۔ اور اس پر اللہ تعالےٰ کی لعنت برستی ہے۔ آپ نے فرمایا : حقیقی طے الارض یہ ہے کہ

سالک کے سامنے تمام دنیا اور اُس کی لذات نظروں سے گر جائیں اور اُسے ہر وقت آخرت آنکھوں کے سامنے رہے، اس لیے کہ زمین کو تیرے لیے بچھائی گئی ہے پھر تم جہاں چاہو جاؤ۔ لیکن جب کسی سالک سے کرامت سرزد ہوتی ہے تو اسے غرور گھیر لیتا ہے حالانکہ دنیوی تعلقات کے انقطاع سے تعلق باللہ نصیب ہوتا ہے۔

حکایت حضرت ابو عنوان واسطی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی موقعہ پر ہم دریا کا سفر کر رہے تھے، قدرتی طور پر ہماری کشتی ٹوٹ گئی۔ میں اور میری زوجہ ایک تختہ پر دریا میں پھر رہے تھے اور کئی روز اس تختے پر گزرے۔ اس حالت میں میری زوجہ کو وضع حمل ہوا اور بچی پیدا ہوئی اور میری زوجہ چیخی اور کہنے لگی کہ میں پیاس سے جان بلب ہوں۔ میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک بزرگ ہوا میں اڑ رہے ہیں اور ان کے ہاتھ میں سونے کی ایک زنجیر ہے اور اس میں یاقوتِ احمر کا ایک پیالہ ہے اور فرمایا لو یہ پانی کا پیالہ ہے تم دونوں اسے پی لو۔ میں نے وہ پیالہ لے کر ہم دونوں نے پانی پیا تو مشک سے زیادہ خوشبو اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ میں نے عرض کیا، آپ کون ہیں؟ انھوں نے فرمایا: تیرے مولا کا بندہ۔ میں نے پوچھا: آپ اس مرتبہ پر کیسے پہنچے؟ انھوں نے فرمایا: میں نے اللہ تعالے کی رضا کی خاطر اپنے نفس کی خواہشات کو چھوڑا، اس نے مجھے ہوا کی سواری بخشی۔

حکایت حضرت سفیان ثوری حضرت شیبان راعی رضی اللہ تعالے عنہما کے ساتھ حج کو تشریف لے گئے۔ راستہ میں انھیں ایک درندہ ملا۔ حضرت سفیان نے شیبان سے فرمایا، وہ دیکھو! درندہ ہے۔ حضرت شیبان نے فرمایا: لاتخف خوف نہ کیجئے، یہ کہہ کر حضرت شیبان آگے چل کر اس درندے کے دونوں کان پکڑے اور کانوں کو مروڑا۔ اس سے وہ درندہ بڑبڑاتا اور دم ہلاتا راستہ سے ہٹ گیا۔ حضرت سفیان نے حضرت شیبان سے فرمایا: یہ کیا شہرت ہے۔ حضرت شیبان نے فرمایا کہ اگر شہرت کا خطرہ نہ ہوتا تو میں اپنا سامان اس درندے کی پیٹھ پر رکھ دیتا اور اسے مکہ معظمہ تک ہانکتا چلا جاتا۔
کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ
محالست چوں دوست دارد ترا
کہ در دستِ دشمن گذارد ترا

ترجمہ: تو اللہ تعالے کے حکم سے روگردانی نہ کر تیرے حکم سے کوئی بھی روگردانی نہ کرے گا۔ یہ محال ہے کہ جب وہ تجھے دوست رکھے اور پھر تجھے دشمن کے ہاتھ میں دے دے۔

ھُنَالِکَ، جہاں بی بی مریم تشریف فرماتھیں یعنی محراب میں۔

ف: جب حضرت زکریا علیہ السلام نے دیکھا کہ بی بی کا اللہ تعالے کے ہاں اتنا بڑا مرتبہ ہے اور وہ ایسی بڑی صاحبِ

صاحبِ کرامت ہیں تو انھیں رغبت ہوئی کہ ان کی زوجہ ایشاع کو بھی ایسا بچہ عطا ہو جیسے ان کی بہن حنہ کو صاحب نجابت و صاحبِ کرامت بچی عطا ہوئی ہے۔ اگرچہ وہ اس وقت بانجھ اور بوڑھی ہو چکی ہے لیکن اس کی بہن بھی بوڑھی اور بانجھ تھیں۔ مگر انھیں اللہ تعالٰی نے صاحبِ اولاد بنایا ہے۔ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ، قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ ، تو زکریا علیہ السلام نے دعا مانگی اور کہا اے میرے رب! مجھے اپنی طرف سے عطا فرما یعنے محض اپنی قدرت سے جس میں عادت ظاہری کو کسی قسم کا دخل نہ ہو۔ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ، پاکیزہ اولاد یعنی صالح مبارک اور پرہیزگار، برگزیدہ اور پسندیدہ۔
الذریۃ نسل کو کہتے ہیں جس کا اطلاق واحد پر بھی اور جمع پر بھی اور مذکر و مونث پر بھی ہوتا ہے۔

یہاں ایک بچہ مراد ہے۔
طیب وہ جس کے افعال و اخلاق پاکیزہ ہوں کہ جس میں کوئی ایسا فعل وعمل نہ ہو کہ جسے خبیث کہا جاسکے یا اس سے نفرت کی جاسکے یا عیب لگایا جاسکے۔
اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○ بے شک تو دعا سننے والا ہے یعنے تو سب کی دعا قبول کرتا ہے۔ یہاں سن لینے سے قبولیت مراد ہے۔

سمع اللہ حمدہ۔ (اللہ تعالٰی نے اس کی حمد سن لی یعنی قبول کر لی) میں اس لیے کہ جس کی دعا نہ سنی جائے تو اس کے لیے یہی کہا جائے گا کہ اس کی دعا قبول نہ ہوئی۔

سوال: حضرت زکریا علیہ السلام کو جب پہلے معلوم تھا کہ وہ اتنی بڑی قدرت والا ہے تو پھر بی بی مریم کی کرامت دیکھنے کے بعد یہ عرض کیوں کیا؟

جواب: انسان کو عموماً شے کی رغبت اس وقت ہوتی ہے جب اسے دیکھتا ہے اگرچہ اس سے پہلے جانتا بھی ہو۔
فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ، پھر ملائکہ نے ندا دی یعنے جبریل نے۔ وہ جمع واحد کے حکم میں ہوتی ہے جب حکم جنس کی طرف منسوب ہو۔ جیسے کہا جاتا ہے:

"فلان یرکب الخیل"
یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ ایک گھوڑے پر سوار ہو۔ اور چونکہ حضرت جبریل علیہ السلام ملائکہ کے سردار ہیں اسی لیے انھیں تعظیماً جماعت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَهُوَ ، یہ ندا کے مفعول سے حال ہے۔ یعنے حال یہ تھا کہ حضرت زکریا علیہ السلام قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ، کھڑے ہو کر مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے یا وہ نماز کے وقت بی بی مریم کی بیٹھک میں کھڑے تھے۔ اَنَّ اللّٰهَ ، یہ نادتہ الملئکۃ کا دوسرا مفعول ہے یعنے بے شک اللہ تعالٰی يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى ، تمھیں یحیٰی علیہ السلام کی خوشخبری سناتا ہے جس کا نام یحیٰی علیہ السلام ہے۔

یحییٰ کی وجہ تسمیہ یحییٰ کو یحییٰ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی وجہ سے ان کی والدہ کی رحم زندہ ہوئی۔ یعنی باوجودیکہ بانجھ تھی لیکن بچہ جننے کے لائق ہوگئی یا اس لیے کہ ان کے وعظ سے مردہ دل زندہ ہوجاتے ۔

سوال: یحییٰ یبشرک سے متعلق ہے لیکن اس طرح سے مطلب فاسد ہوتا ہے کیونکہ بشارت اعیان کے لیے نہیں ہوتی ؟

جواب: اصل میں یہاں پر مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یوں ہے :

یبشرک بولادۃ ولد اسمہ یحییٰ ۔

مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ، تصدیق کرنے والا کلمہ کا جو اللہ تعالیٰ سے ہے ۔ کلمہ سے عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔

سوال: عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ کیوں کہا جاتا ہے ؟

جواب: آپ کلمہ ' کن ' سے پیدا کیے گئے ہیں ان میں آپ کا واسطہ نہیں ہے اور قاعدہ ہے کہ عجیب اشیاء کو عالم امر سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔

ف: سب سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں ۔ اور انھوں نے تصدیق فرمائی کہ واقعی عیسے علیہ السلام کلمۃ اللہ و روح منہ ہیں۔

ف: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں کے ذریعے سے لوگوں کو گمراہی سے بچایا ۔ یہ ایسے ہے جیسے انسان روح کے ذریعے زندہ ہوتا ہے ۔

یحییٰ علیہ السلام کا معجزہ امام سدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے ملاقات ہوئی تو فرمایا : اے مریم ! تمھیں معلوم ہے کہ میں حاملہ ہوں ۔ پھر بی بی مریم نے فرمایا : تمھیں معلوم ہو کہ میں بھی حاملہ ہوں ۔ حضرت یحییٰ کی والدہ نے فرمایا کہ میں اپنے پیٹ کے اندر والے کو دیکھتی ہوں کہ اسے سجدہ کرتا ہے جو تمھارے پیٹ میں ہے ۔

یہی مطلب ہے مصدقا بکلمۃ من اللہ ... الخ کا ۔

ف: یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام سے چھ ماہ سن میں بڑے تھے ۔ لیکن وہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے سے پہلے شہید ہوگئے ۔

وَسَيِّدًا۔ اس کا عطف مصدقاً پر ہے یعنی وہ سردار جو اپنی ساری قوم پر فوقیت رکھتا اور بزرگی میں سب سے اعلیٰ و بالا ہو اور یقیناً وہ بھی تمام لوگوں سے قطعی طور پر افضل تھے اور ان سے کوئی گناہ بھی سرزد نہ ہوا بلکہ کسی گناہ کا ارادہ تک بھی نہ ہوا تھا ۔

وَّحَصُوْرًا، شہوات نفسانیہ سے محفوظ و معصوم ہوں گے ۔ باوجودیکہ انھیں ہر قسم کی قوت و طاقت حاصل ہوگی ۔

حکایت حضرت یحییٰ علیہ السلام زمانۂ بچپن میں کھیلنے والے بچوں سے گزرے۔ لڑکوں نے آپ کو کھیل کی طرف بلایا۔ آپ نے فرمایا کھیل کیا شے ہے؟ میں تو اس کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔

الحصور، ہر وہ شخص جو عورتوں سے دور رہے، اگرچہ اسے قدرت حاصل ہو۔ اسی لیے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے نکاح کیا تاکہ نکاح کے ذریعے آنکھ وغیرہ کو زنا سے بچایا جاسکے۔

وَّ نَبِيًّا، اور نبی بنایا جائے گا، جب وہ اس منصب کے دَور کو پہنچیں گے تو ان کی طرف وحی بھیجی جائے گی۔ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ نیک لوگوں سے ہوں گے یعنی انھیں میں پرورش پائیں گے اس لیے کہ وہ انبیاء علیہ السلام کی پشت سے ہیں اصلاح ہر خیر کو شامل ہے۔ اور یہاں پر صلاح کے ہر وہ اونچے سے اونچا مرتبہ مراد ہے جو منصب نبوت کے لائق ہو۔

قَالَ حضرت زکریا علیہ السلام نے جواباً فرمایا جب ملائکہ کرام نے آپ کو صاحبزادے کی خوشخبری سنائی۔

سوال: استفہام سے اسے کیوں ذکر کیا گیا ہے؟

جواب (۱): ظاہری حیثیت کو مدنظر رکھا کر بڑھاپے میں بچہ پیدا ہوگا تعجباً فرمایا۔

(۲) اظہار مسرت کی بنا پر کہ الحمد للہ بڑھاپے میں بچہ عنایت ہو رہا ہے۔

رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ، اے میرے رب! میرے لیے کیسے ہوسکتا ہے یعنے مجھے کیسے حاصل ہوگا۔ غُلٰمٌ اس میں دلیل ہے کہ بشارت کے وقت بتایا گیا تھا کہ پیدا ہونے والا لڑکا ہے۔ وَّ قَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ، حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا اور مجھ میں اس کے آثار نمایاں ہیں۔ اس میں دلیل ہے کہ بڑھاپا موت کی تمہید ہے اور انسان کو موت کے لیے طلب کرتا ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی اسے نہیں چھوڑے گا۔

ف: اس وقت حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر مبارک ننانوے سال اور بی بی الیشاع یعنے آپ کی زوجہ محترمہ کی عمر اٹھانوے سال تھی۔

وَ امْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ اور میری عورت بانجھ ہے کہ بچہ جننے کی اہلیت نہیں رکھتی۔

قَالَ، فرمایا اللہ تعالیٰ نے كَذٰلِكَ، یہ اشارہ اس مصدر کی طرف جو "اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝" میں ہے یعنے اللہ تعالیٰ امور عجیبہ سے خرق عادت کے طور پر جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔

اللہ مبتدا ہے اور یفعل اس کی خبر اور کاف محلاً منصوب ہے۔ یہ دراصل مصدر محذوف کی صفت ہے۔ اصل عبارت یوں تھی:

"اللہ یفعل ما یشاء ان یفعلہ فعلا ۔۔۔۔ الخ" (اللہ تعالیٰ جو کرنا چاہتا ہے وہ کر دکھاتا ہے) جیسے یہی عجیب صفت جو اس نے ایک بوڑھے اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا فرمایا۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً ؕ کہا اے اللہ! میرے لیے کوئی ایسی علامت بنا جو مقصود کی تحقیق پر دلالت

کرے یا دلالت کرے اس پر کہ واقعی میری اہلیہ حاملہ ہوگئی ہے۔

سوال: جب بچے کی خوشخبری سنائی گئی تو پھر اس کے متعلق علامات کے سوال کا کیا فائدہ؟

جواب: پیٹ کے اندر جب نطفہ ٹھہرتا ہے تو وہ ایسا پوشیدہ ہوتا ہے جس پر عموماً واقفیت نہیں ہو سکتی۔ اس پر زکریا علیہ السلام نے ارادہ فرمایا کہ انہیں اللہ تعالےٰ مطلع کرے تاکہ اس بہت بڑی نعمت کے حصول پر شکرانہ کے نوافل پڑھیں اور وہ وقتِ مقررہ پر پیدا ہو جیسے عموماً بچے پیدا ہوتے ہیں۔

قَالَ اٰيَتُكَ، فرمایا بچے کی پیدائش کی علامت یہ ہے۔ **اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ**، کہ لوگوں سے کلام مت کرو اور کلام کرنے کی تمہیں قدرت بھی نہ ہوگی۔ **ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ**، تین دن تک یعنی تین دن مسلسل ان میں ان کی راتیں بھی شامل ہوں گی۔ اس لیے کہ عرف میں ایّام کے ذکر سے لیالی شامل ہوتی ہیں اور لیالی کے ذکر سے ایّام شامل رہتے ہیں۔

نکتہ: ان ایام تک کلام سے روکنے کا ایک سبب یہ تھا کہ انہیں انہی ایام میں اللہ تعالےٰ کے ذکر و شکر کا بے فکری سے موقعہ مل جائے تاکہ وہ اس عطا کردہ نعمت کا حق ادا کر سکیں۔

اِلَّا رَمْزًا مگر اشاروں سے یعنی ہاتھ یا سر سے یا اس قسم کے اور طریقہ سے اشارہ کرتے ہوئے۔

سوال: کلام کو اشارہ سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب: رمز کلام کے قائم مقام ہوتی ہے اور وہ وہی مطلب ادا کر سکتا ہے جو کلام سے حاصل ہوتا ہے اسی طرح اس سے وہی سمجھا جاتا ہے جو کلام سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اس لیے اس سے استثنا منفصل جائز ہے۔

ربط: اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے ذکر کا حکم فرمایا کہ دیگر کلام سے ممانعت ہے لیکن ذکر الٰہی سے رکاوٹ نہیں۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ، انہی ایّام ممنوعہ عن الکلام میں اللہ تعالےٰ کا ذکر کیجئے تاکہ فضل و کرم اور انعامِ الٰہی کے حصول پر شکر کر سکو۔ **كَثِيْرًا**، بہت ذکر۔ **وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ**، اور اللہ تعالےٰ کی تسبیح کیجئے زوال شمس سے لے کر غروب تک۔ **وَالْاِبْكَارِ** ○ یعنی صبح کے وقت یعنی طلوع فجر سے لے کر نصف النہار سے پہلے تک۔

حضرت امام نے فرمایا کہ واذکر ربك کثیرا کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) اللہ تعالےٰ نے انہی ایّام میں امور دنیا سے ان کی زبان کو روکا۔ صرف اشارہ کی اجازت بخشی۔ لیکن ذکر و تحمید کا حکم دیا۔ اس لیے کہ ان کی زبان نہایت ہی فصیح و بلیغ تھی اور بیان کے روشن معجزات میں سے تھا۔

(۲) آیت میں ذکر سے ذکر قلبی مراد ہے اس لیے کہ اللہ والے معرفت الٰہی کے دریا میں مستغرق ہوتے ہیں، ان کی عادت ہوتی ہے کہ اوّلاً ایک مدت تک ذکر لسانی میں مصروف رہتے ہیں۔ جب ان کا دل ذکر اللہ کے نور سے بھر جاتا ہے تو ان کی زبان ذکر سے رک جاتی ہے اور دل جاری رہتا ہے۔ اس لیے عرفاء میں مشہور ہے کہ جو اللہ کو پہچان لیتا ہے تو ان کی زبان گونگی ہو جاتی ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام زبان سے بولنے سے تو روکے گئے لیکن ذکر و معرفت میں دل کو لگانے اور اس پہ مداومت کرنے پر مجبور ہوئے۔

ف: ذکر کے کئی مراتب ہیں ان میں ذکر لسانی بہ نسبت ذکر قلبی کے بہت کم درجہ ہے۔

حکایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب ذکر کے اعلیٰ مراتب پر ترقی کر گئے تو آپ کے ہاں ابلیس حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا عیسیٰ اذکر اللہ (اے عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا ذکر کیجئے)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے متعجب ہوئے کہ شیطان اور ذکر الٰہی کا مشورہ! حالانکہ اس کی فطرت کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ الٹا ذکر سے روکے۔ اس کے بعد انھیں معلوم ہوا کہ وہ الٹا گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے کہ اس کا ارادہ ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ذکر قلبی جیسے اونچے مرتبہ سے اتار کر ذکر لسانی میں لگا دے اور یہ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے اعلیٰ مرتبہ سے گرنے کا مصداق ہی تھا۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ رات دن ذکر الٰہی میں لگا رہے اس لیے کہ ذکر الٰہی خواہشات نفسانیہ کو مٹاتا ہے۔ جب خواہشات نفسانیہ قلب سے اتر جاتے ہیں تو پھر شیطان کو گمراہ کرنے کا موقعہ نہیں ملتا بلکہ اس کے گمراہ کرنے کے تمام دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اس کا دل شیشہ کی طرح صاف و شفاف ہو جاتا ہے اور اس کی تمام آلائش دھل جاتی ہے۔

پیاپے بیفشان از آئینہ گرد
کہ صیقل نگیرد چو زنگار خورد

(مسلسل آئینہ سے گرد صاف کر کہ صیقل کو قبول کرتا ہے جب زنگ کھا جائے۔)

تفسیر صوفیانہ: حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ذکر لسانی سے بندے کو ذکر قلبی کی مداومت کی تاثیر نصیب ہوتی ہے۔ جو شخص لساناً و قلباً ذاکر ہوتا ہے تو وہ سلوک میں کامل ہو جاتا ہے۔

ف: حضرت سہل بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ روزانہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو ندا دیتا ہے کہ اے میرے بندے! تو نے انصاف نہیں کیا کہ میں تجھے یاد کرتا ہوں لیکن تو نے مجھے بھلا دیا ہے۔ اور میں تجھے اپنی طرف بلاتا ہوں اور تو میرے غیر کی طرف بھاگتا ہے اور میں تجھ سے بلاؤں کو دور کرتا رہتا ہوں۔ اور تو گناہوں میں مبتلا ہے۔ پھر جب تو میرے پاس آئے گا تو تیرا کیا جواب ہو گا۔

ف: حضرت حسین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لذت تین چیزوں میں ہے:

① نماز

② ذکر

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ
الْعٰلَمِينَ ○ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرّٰكِعِينَ ○ ذٰلِكَ
مِنْ أَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ
يَكْفُلُ مَرْيَمَ ص وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ○ إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ
إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ○ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ
الصّٰلِحِينَ ○ قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ
اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ○ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ
وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيلَ ○ وَرَسُولًا إِلٰى بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ۵ أَنِّي
قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۙ أَنِّيٓ أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ
فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ ج وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَ
أُحْيِ الْمَوْتٰى بِإِذْنِ اللّٰهِ ج وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ ۙ فِي بُيُوتِكُمْ ؕ
إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ
مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِنْ
رَبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ○ إِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ؕ هٰذَا
صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ○ فَلَمَّآ أَحَسَّ عِيسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِيٓ إِلَى
اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللّٰهِ ج اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ج وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ○
رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِينَ ○ وَمَكَرُوا
وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِينَ ○ ع

اور جب کہا ملائکہ نے اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے
چن لیا اور پاکیزہ بنایا اور آج عالم بھر کی عورتوں سے تجھے برگزیدہ فرمایا۔ اے مریم! اپنے پروردگار کی
اطاعت اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔ یہ غیبی خبریں ہیں ہم تمہیں بذریعہ وحی
بتاتے ہیں اور تم ان کے ہاں نہ تھے جب وہ اپنی قلموں سے قرعہ اندازی کرتے تھے کہ مریم کی تربیت
کون کرے اور تم ان کے ہاں نہ تھے جب وہ جھگڑتے تھے۔ یاد کیجئے جب ملائکہ نے کہا: اے
مریم! بے شک اللہ تعالیٰ تجھے اپنے پاس سے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام ہے

مسیح عیسیٰ بن مریم ؛ دنیا و آخرت میں باآبرو ہوگا اور (اللہ تعالےٰ کے) قرب والا ہے اور گہوارہ میں اور بڑی عمر میں لوگوں سے گفتگو کرے گا اور (میرے) خاص لوگوں سے ہوگا۔ عرض کی، اے میرے رب ! مجھے بچہ کہاں سے ، حالانکہ مجھے تو کسی بشر نے چھوا تک نہیں۔ فرمایا، اللہ تعالےٰ یونہی پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے جب وہ کسی کام کا حکم فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اسے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کا علم دے گا اور وہ بنی اسرائیل کا رسول ہوگا، کہے گا کہ بے شک میں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں (وہ یہ کہ) میں تمہارے لیے گارے سے پرندے جیسی ایک شکل بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالےٰ کے حکم سے پرندہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالےٰ کے حکم سے مادر زاد اندھے کو شفا دیتا ہوں اور (اسی کے حکم سے) مردے زندہ کرتا ہوں اور میں تمھیں اس طعام کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو گھر میں جمع کر کے رکھ آتے ہو بے شک ان میں تمھارے لیے بڑی نشانی ہے اگر ایماندار ہو اور یوں آیا ہوں کہ میرے سے پہلے آئی ہوئی تورات کی تصدیق کرتا ہوں اور اس لیے کہ تمہارے لیے وہ بعض چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام کی گئیں اور میں تمھارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں سو اللہ تعالےٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ بے شک میرا اور تمھارا ربّ اللہ تعالےٰ ہے سو اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے پھر جب عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے کفر محسوس کیا تو کہا کہ کون میرے مددگار ہیں اللہ تعالےٰ کی طرف ؟ حواریوں نے کہا کہ ہم ہیں خدا کے دین کے مددگار، ہم اللہ تعالےٰ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیے کہ ہم ماننے والے ہیں۔ اے ہمارے رب ! ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے نازل فرمایا اور ہم نے رسول کی تابعداری کی تو ہمیں حق کی گواہی دینے والوں میں لکھ دے۔ اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ تعالےٰ نے ان کی بربادی کی خفیہ تدبیر بنائی اور اللہ تعالےٰ ہی سب سے اچھی تدبیر کرنے والا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۳۰)

تلاوتِ قرآن ۔ ③

جب تم ان کی ادائیگی میں لذت محسوس کرو تو سمجھ لو کہ یہ حقیقی عبادت ہو رہی ہے، ورنہ یقین کر لو کہ تمہارے آگے تالے بند ہیں۔

اعجوبہ : جب انسان کے دل میں پورے طور پر ذکر گھر کر جاتا ہے تو شیطان جب اس کے قریب ہوتا ہے تو چیختا ہے

جیسے انسان کے قریب شیطان جائے تو انسان چیختا ہے۔ اس کے چیخنے پر دوسرے شیاطین جمع ہو کر اس سے پوچھتے ہیں کہ تو کیوں چیختا ہے؟ تو وہ اس کے جواب میں کہتا ہے: مجھے انسان نے مس کیا ہے یعنے اس کے ذکر کی گرمی سے میں جل گیا ہوں۔

حکایت ایک شخص کہتا ہے کہ ایک بزرگ جنگل میں رہتے تھے۔ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ ان کے پاس ایک بہت بڑا درندہ کھڑا ہے۔ اس نے اس بزرگ کو زور سے تھپڑ لگایا، جس سے اس بزرگ کے گوشت کا ٹکڑا جسم سے پھٹ گیا اور باہر جا گرا، اور وہ بزرگ بیہوش ہو گئے۔ مجھے بھی اس بزرگ کی اس دہشت ناک کیفیت سے بیہوشی چھا گئی۔ جب مجھے افاقہ ہوا تو میں نے عرض کی: حضرت یہ کیا ماجرا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے میرے لیے اس درندے کو اس لیے مقرر فرمایا ہے کہ جب بھی میں ذکرِ الٰہی سے سستی کروں تو میرے ساتھ ایسے ہی معاملہ کرے جیسے تو نے دیکھا۔

اوصلنا الله وایاکم الی مرتبه الیقین و شرفنا بمقام التمکین و ارزقنا حلاوة الذکر فی کل حین و ادخلنا الجنة المعنویة مع عباده الصالحین اجمعین۔	اللہ تعالےٰ ہم سب کو مرتبۂ یقین تک پہنچا کر مقامِ تمکین سے مشرف فرمائے اور ہر وقت حلاوتِ ذکر نصیب فرما کر اور نیک لوگوں کے ساتھ جنت معنوی میں داخل فرمائے (آمین)

(تفسیر آیات صفحہ نمبر ۲۳۱)

تفسیر عالمانہ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ ، یاد کر جب کہا ملائکہ نے۔

ف: اس سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں۔

چنانچہ سورہ مریم کا مضمون "فارسلنا الیها روحنا فتمثل لها بشرا سویا" دلالت کرتا ہے یعنی جبرائیل علیہ السلام کو بشری لباس پہنا کر اس لیے بھیجا تاکہ بی بی مریم ان سے مانوس ہوں۔ ملائکہ جمع ہے اس سے مراد جبرائیل علیہ السلام (واحد) لینا ان کی تعظیم کی بنا پر ہے اس لیے کہ وہ تمام ملائکہ کے سردار ہیں۔

یٰمَرْیَمُ۔ یہ کلام جبریل علیہ السلام کا ہے۔ یہ بطریق وحی کے نہیں تھا اس لیے کہ اللہ تعالےٰ عورتوں کی طرف وحی (نبوت) نہیں بھیجتا۔ کما قال تعالےٰ:

وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحی الیهم۔

اور باجماع امت عورتیں نبی نہیں ہوتیں۔

کرامت بی بی مریم: بی بی مریم سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا بالمشافہ ہم کلام ہونا بی بی صاحبہ کی کرامت تھی۔

مسئلہ: کرامات الاولیاء حق علم عقائد کا مسلم مسئلہ ہے۔ یا جبرائیل علیہ السلام کا بی بی سے ہمکلام ہونا عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے لیے ارہاص کے طور پر تھا۔

ف: ارہاص کا اصل مادہ "رہس" (بالکسر) ہے، دیوار کے نچلے حصہ کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں وہ فعل جو نبوت کے مدعی سے قبل از دعوئے نبوت ظاہر ہو اور وہ معجزہ کے مشابہ ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام پر قبل از اظہارِ نبوت بھی بادل سایہ کرتے تھے اور آپ سے پتھر اور ڈھیلے کلام کرتے اور ستاروں کے ذریعے شیاطین کو چنگاریاں ماری گئیں اور اصحاب فیل کا واقعہ وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام ارہاصات کہلاتے ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ، بے شک تجھے اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں چن لیا کہ تیری ماں سے قبول حسن سے تجھے قبول کیا اور ماسوا تیرے اور کسی عورت کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے نہیں چنا، اور تجھے زکریا علیہ السلام کی تربیت میں دے دیا اور تجھے بہشت کا طعام عطا فرمایا اور تجھے بہترین کرامات عطا فرمائیں۔ وَطَهَّرَكِ، اور تجھے کفر و معصیت اور افعال ذمیمہ اور عاداتِ قبیحہ اور مردوں کے جماع اور حیض و نفاس سے پاک کیا۔

ف: مفسرین فرماتے ہیں کہ بی بی مریم کو حیض نہیں آتا تھا۔ اور بی بی مریم کو یہودیوں کی تہمت اور بہتان سے بچایا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں بولنے کی طاقت دی۔

وَاصْطَفٰىكِ، اور تجھے برگزیدہ فرمایا اور چن لیا۔ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ○ تمام عالم کی عورتوں سے یعنے تجھے عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے عطا فرمایا جو تجھ سے پہلے ایسے کسی عورت کے لیے نہ ہوا۔ اور تم دونوں ماں بیٹے کو عالمین کے لیے اپنی ربوبیت کی دلیل بنایا۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ، اے مریم! تم اپنے رب تعالیٰ کی فرمانبردار ہو جاؤ یعنے اللہ کو راضی کرنے کیلئے نماز کا قیام کرو اور اسے لمبا کرو۔ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○ اور سجدہ و رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

مسئلہ بی بی مریم کو نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ ہی نماز کے ارکان یعنے قیام و رکوع اور سجود کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے تاکہ تنبیہ ہو کہ ارکان کی ادائیگی کے وقت ان کی پوری نگہداشت ہو اور تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان ارکان کا ہر رکن اپنی جگہ پر بہت زیادہ شان کو متضمن اور براہ راست مستقل رکن ہے۔

سوال: اس آیت میں سجدے کو رکوع پر مقدم کیوں کیا گیا ہے۔ حالانکہ نماز میں رکوع کے بعد سجود کیا جاتا ہے؟

جواب (۱) ان کی شریعت میں نماز کی ترتیب یونہی تھی یعنے ان کی شریعت میں سجدہ پہلے اور رکوع بعد کو ہوتا تھا۔

(۲) چونکہ سجود نماز میں اعلیٰ درجات کا حامل اور باقی تمام ارکان پر فضیلت رکھتا ہے اور پھر یہ خشوع و خضوع کا انتہائی مقام ہے۔ بنا بریں اسے مقدم کرنا مناسب تھا۔ اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ ترتیب مذکور خارجی ترتیب پر دلالت

کرتی ہے بلکہ ترقی من الادنی الی الاعلی سے بھی ثابت نہیں کہ خارج میں بھی یونہی ہو۔

(۳) چونکہ "الراکعین" کے ساتھ "ارکعی" کو مناسبت تھی اسی لیے سجدہ کو مؤخر کر دیا گیا اور اس میں اشارہ کر دیا گیا کہ وہ نماز نماز نہیں جس میں رکوع نہ ہو۔

ف: بی بی مریم کو جب قیام و رکوع و سجود کا حکم ہوا تو نماز میں کھڑی ہوگئیں یہاں تک کہ ان کے قدم مبارک سوج گئے بلکہ قدموں سے خون اور پیپ بہنے لگی۔

ذٰلِكَ . وہ تمام جو مذکور ہوا یعنے بی بی حنّہ اور بی بی مریم اور ان کے صاحبزادے حضرت عیسٰی علیہ السلام اور زکریا و یحیٰے علی نبینا وعلیہم السلام کے واقعات - **مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ**، غیب کی خبروں سے ہیں۔ ان پر مشاہدہ یا کسی کتاب سے پڑھے بغیر واقفیت حاصل نہیں ہوسکتی۔ ہاں، کسی عالم دین سے حاصل کیا جائے یا اللہ تعالٰی کی طرف سے وحی آئے۔ پہلے تینوں تو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ناممکن تھیں لامحالہ جو تھی متعین ہوگئی یعنے یہ قصص وحی ربانی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتے۔ **نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ** ہم اسے آپ کی طرف وحی کرتے ہیں تاکہ آپ کی نبوت کی تصدیق ہو اور کفار پر حجت قائم ہو جائے جو آپ سے جھگڑتے ہیں۔

حلِ لغات: قرآن مجید میں لفظ "وحی" چند معنوں میں مستعمل ہوا ہے:

(۱) الارسال الی الانبیاء -

کما قال تعالٰے :

نوحی الیھم

(۲) الہام -

چنانچہ فرمایا :

واوحینا الی ام موسٰی .

(۳) القاء (المعنے المراد) -

چنانچہ فرمایا :

بان ربک اوحی لھا .

(۴) اشارہ کے لیے -

مثلاً فرمایا :

فاوحی الیھم ان سبحوہ بکرۃ وعیشا -

ان سب میں حقیقی معنے ہے یعنے الاعلام فی الخفا، چپکے چپکے کوئی بات بتانا۔

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ ، اور آپ ان کے ہاں موجود نہ تھے جبھوں نے بی بی مریم کی تربیت کے متعلق اختلاف کیا تھا۔

یہ بوحیہ کے لیے تقریر و تاکید ہے کہ واقعی حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ واقعات وحی کے ذریعے معلوم کئے اس سے مخالفین نبوت کا منہ کالا کرنا اور ان سے تہکم مقصود ہے کہ جب انھیں معلوم ہے اور کسی قسم کا شک شبہ نہیں کہ آپ نے وہ قصے نہ تو کسی کتاب سے پڑھے اور نہ ہی کسی کی صحبت میں بیٹھ کر یہ واقعات معلوم کیے ہیں۔ جب یہ دونوں باتیں آپ میں نہیں اور ان واقعات کے وقوع سے عرصہ دراز کے بعد آپ کی پیدائش ہوتی تو ان کے دعولے کے تردید فرمائی - گویا انھوں نے کہا ہوگا کہ یہ واقعات نبی علیہ السلام کو وحی کے ذریعے حاصل نہیں ہوئے تو پھر ان کی جسمانی موجودگی ثابت کرو اور وہ ان کے لیے عقلاً و نقلاً محال ہے۔

ف : ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالےٰ نے اپنے حواشی میں لکھا ہے :

" گویا اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اے میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وحی کے منکرو ! اور نبوت کے بارے میں متہم کرنے والو! جب مانتے ہو کہ یہ واقعات میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحیح و سچے بیان فرمائے ہیں۔ اب تم ان کی نبوت کا انکار کیسے کر سکتے ہو۔ ہاں، تمہارے تہمت لگانے کا صرف ایک سرا باقی رہتا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ان واقعات کے وقت موجود ہوں گے، تمہارا یہ اتہام بھی مبنی بر سفاہت و حماقت اور پرلے درجے کی بے وقوفی ہے بلکہ تمہاری گمراہی کی کھلی اور واضح دلیل ہے کہ تم اس بات کا انکار ہی انکار کیے جا رہے ہو جو روشن معجزات اور واضح دلائل و براہین سے ثابت ہے اور ایسے احتمال کی طرف جاتے ہو کہ جس کا نہ کوئی سر نہ منہ اور جسے کوئی بھی ذی شعور ماننے کے لیے تیار نہیں بلکہ جو بھی تمہارے نظریہ کو سنے گا تو وہ تمہارے اوپر مذاق اڑائے گا اور تمہاری حماقت و سفاہت ضرب المثل ہو جائے گی بلکہ تم جیسا بے وقوف اور احمق دنیا میں کوئی نہیں ہوگا۔"

إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ ، جب وہ قلمیں کہ جن سے توراۃ لکھتے تھے ڈالتے تھے۔

مسئلہ : ان قلموں کو متبرک سمجھ کر قرعہ اندازی کی۔

أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ، ان میں سے بی بی مریم کی کفالت کون کرے۔ یہ فعل محذوف کے متعلق ہے جس پر " یلقون اقلامھم " دلالت کرتا ہے یعنے انھیں ڈالتے تاکہ دیکھیں یا قلمیں ڈالتے تاکہ معلوم کریں کہ انھیں سے کون اس کی کفالت کرتا ہے۔

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۝ اور آپ ان کے ہاں موجود نہیں تھے جب وہ جھگڑتے تھے یعنی بی بی مریم کی کفالت کا سبب کو قلبی شوق تھا جیسا کہ سابقاً مفصل طور پر مذکور ہوا۔

فضائل بی بی مریم علیہ السلام : آیت میں بی بی مریم کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے کہ انھیں تمام عالم دنیا کی عورتوں سے برگزیدہ بنایا اور پھر ان کے شایانِ شان جسمانی تربیت بچپن میں اور روحانی تربیت عمر کے دوسرے حصہ میں ہوئی اور یہ وہ فضیلت ہے کہ ان کی پیدائش سے پہلے کسی دوسری عورت کو نصیب نہ ہوئی۔

حدیث شریف (۱) : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ عالم دنیا کی تمام عورتوں سے افضل مریم پھر فاطمہ پھر خدیجہ پھر آسیہ ہے۔ (رضی اللہ عنہن)

حدیث شریف (۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : عالم کی تمام عورتوں سے بی بی مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آسیہ امراۃ فرعون، افضل ہیں۔

مسئلہ : اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عالم دنیا کی تمام عورتوں سے یہی بیبیاں افضل ہیں۔

مسئلہ : مردوں میں اہل کمال کا تو کوئی شمار ہی نہیں لیکن عورتوں میں کمال صرف ان چار بیبیوں پر ختم ہے۔

ف : کمال کا مطلب یہ ہے کہ فضائل اور نیکی و تقویٰ اور اچھی عادتیں کسی میں پیدا ہو جائیں اور کسی میں کمال کے پائے جانے کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ اس کمال کا اہل بھی ہو اور چونکہ عورتیں نبوت کی اہل نہیں اس لیے کہ نبوت کھلم کھلا تبلیغ اور واضح طور پر دعوت دینا ضروری ہوتا ہے اور عورتوں کو پردہ نشینی لازم۔

اس سے ثابت ہوا کہ ان کے لیے نبوت کا حصول (بمراد ملنا[ے]) کمال نہیں بلکہ ان میں کمال یہ ہے کہ ان میں صدیقیت پائی جائے اور صدیقیت بھی نبوت کے قریب قریب ہوتی ہے۔ اور صدیق وہ ہے جو اپنے جمیع اقوال افعال و احوال میں سچا ہو۔ پس بعض عورتیں کامل اور عارف اور واصل باللہ ہوتی ہے۔ مقامِ ولایت میں وہ مردوں کے ہم پلہ ہوتی ہیں، بلکہ درحقیقت وہ مرد ہوتی ہیں۔

حکایت : کسی بزرگ سے سوال ہوا کہ دنیا میں ابدال کتنے ہوتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: چالیس نفوس۔ عرض کیا گیا کہ آپ نے چالیس نفوس کی بجائے چالیس مرد کیوں نہ کہا۔ انھوں نے فرمایا کہ وا اس لیے کہ ابدال جیسے مرد ہوتے ہیں ویسے عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ اس لیے میں نے چالیس نفوس کہا۔

کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا :

لَوْ كَانَ النِّسَاءُ كَمَنْ ذَكَرْنَا - لَفُضِّلَتِ النِّسَاءُ عَلَى الرِّجَالِ فَلَا التَّانِيثُ لِاسْمِ الشَّمْسِ عَيْبٌ وَلَا التَّذْكِيرُ فَخْرٌ لِلْهِلَالِ

ترجمہ : اگر عورتیں ایسی ہوں جیسے ہم نے بیان کیا تو پھر عورتیں مردوں سے افضل ہیں نہ تو تانیث سورج کے لئے عیب ہے اور نہ ہی پہلی رات کے چاند کے لئے فخر۔

ے : کیونکہ نبوت کسبی نہیں بلکہ عطائی ہے۔

ولو کان النساء من ذکرنا

لفضلت النساء علی الرجال

فلا التانیث لاسم الشمس عیب

ولا التذکیر فخر للهلال

ترجمہ: اگر عورتیں ایسی ہوں جیسے ہم نے بیان کیا ہے تو پھر عورتیں مردوں سے افضل ہیں۔ نہ تو تانیث سورج کے لیے عیب ہے نہ ہی تذکیر چاند کے لیے فخر کا موجب۔

حکایت منقول ہے کہ محمد شیخ ابوعبداللہ الخفیف کی عادت تھی کہ وہ رمضان مبارک کے پچھلے عشرہ کی راتوں کو لیلۃ القدر کے حصول کے لیے بیدار رہتے۔ اور ان کا طریقہ تھا کہ وہ اپنے گھر کی چھت پر مصروفِ نماز رہتے اور ان کی والدہ ماجدہ[1] گھر کے اندر متوجہ الی اللہ رہتیں۔ ایک رات لیلۃ القدر کے انوار چمکتے نظر آ رہے تھے مائی صاحبہ نے اپنے بیٹے کو بلا کر کہا: اے پیارے بیٹے! نیچے اتر ئیے، وہ دیکھو! انوارِ لیلۃ القدر سامنے ہیں جسے تو گھر کی چھت پر طلب کر رہا ہے، وہ مجھے گھر کے اندر نظر آ گئے۔ حضرت ابوعبداللہ نے نیچے اترتے ہی دیکھا تو انوار بی بی صاحبہ کو محیط ہو چکے تھے۔ انوار کا مشاہدہ کرتے ہی والدہ کے قدموں پر گر گئے اور کہنے لگے کہ اب مجھے اپنی والدہ ماجدہ کی قدر و منزلت معلوم ہوئی ہے ورنہ اس سے قبل میں ان کی شانِ اقدس سے بے خبر تھا۔

سبق اس سے معلوم ہوا کہ بعض عورتیں مردوں سے قدر و منزلت میں افضل و اعلیٰ ہوتی ہیں۔ اور یہ صرف اس لیے کہ انھیں جنابِ قدس تک رسائی نصیب ہوتی اور یہ حسن استعداد اور بہترین امداد منجانب اللہ حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو سعادت مند بنائے۔ (آمین) (اور ہم اپنی ہم زماں عورتوں سے پناہ مانگتے ہیں اس لیے کہ ان میں تقویٰ و طہارت کا نام و نشان تک کا ملنا دشوار ہے)۔

حدیث شریف مع شرح: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

"صنفان من اهل النار لم اراهما (یعنے دو گروہ ایسے ہیں جو وہ مجھے اب نظر آ رہے ہیں) (اس لیے کہ آپ کا زمانہ اقدس نہایت ہی پاکیزہ تھا اور یہ دو گروہ بعد میں پیدا ہوئے)۔

قوم معهم سیاط، ایک وہ قوم ہے جن کے ہاتھ میں موٹے موٹے ڈنڈے ہیں۔

سیاط سوط کی جمع ہے بمعنے ڈنڈا۔

کاذناب البقرة یضربون بها الناس، وہ ڈنڈے بیلوں کے کانوں کی طرح معلوم ہوتے ہیں، انھیں ڈنڈوں سے

---

[1] بڑی عابدہ اور نیک بخت بی بی تھی۔ ۱۲۔ اویسی غفرلہ۔

ان لوگوں کو مارتے ہیں۔

ان سے مراد چور ہیں کہ انھیں ننگا کر کے خوب مارا جائے گا یعنے قیامت میں۔ یا اس سے وہ خوشامدی مراد ہیں جو ظالموں کے دروازوں پر جاتے ہیں لیکن وہ انہیں کتوں کی طرح ڈنڈے مار کر اور گالیاں دے کر اپنے دروازوں سے ہٹا دیتے ہیں۔

ونساء۔ اور دوسرا گروہ عورتوں کا ہے۔

کاسیات۔ جو وہ کپڑے تو پہنے ہوئے ہوں لیکن ہیں وہ درحقیقت (عاریات) ننگی یعنے تقویٰ و طہارت کے لباس سے ننگی ہوں گی۔

ممیلات۔ اور وہ مردوں کے قلوب کو فساد کی طرف میلان دینے والی ہوں گی۔

مائلات۔ مردوں کی طرف میلان رکھنے والی۔

رؤسھن کاسنمۃ البخت۔ ان کے سر ٹوپیوں کی وجہ سے عجمی اونٹوں کے سروں کی طرح موٹے نظر آئیں گے۔ یہ 'المیل' سے مشتق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ کا کوہان زاید گوشت کی وجہ سے اوپر کو ابھرا ہوا ہوتا ہے۔

لا یدخلن الجنۃ ولا تجدن ریحھا وان ریحھا لیوجد من میسرۃ کذا وکذا۔ اور ایسی عورتیں بہشت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ ہی بہشت کی خوشبو سونگھیں گی، بہشت کی وہ خوشبو جو اتنی اتنی یعنی چالیس سال کی مسافت دُور دُور سے سونگھی جاتی ہے۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ، جب ملائکہ نے کہا۔ یہ بدل ہے "واذ قالت الملٰئکۃ" سابقہ سے اور یہ اسی کے ناصب سے منصوب ہے اور یہاں بھی "الملائکہ" سے جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں اور بصیغہ جمع لانا ان کی تعظیم کے لیے ہے (جیسے پہلے گزرا ہے)۔ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ، اے مریم! بے شک اللہ تعالےٰ تمھیں خوشخبری سناتا ہے یعنے راحت و فرحت دیتا ہے۔ بِكَلِمَةٍ، ساتھ کلمہ کے جو ہونے والا ہے مِنْهُ یعنی اللہ تعالےٰ سے۔

سوال: عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: یہ سبب بول کر مسبب مراد لینے کے قبیل سے ہے اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور اور پیدائش کا سبب وہی کلمہ ہے جو اللہ تعالےٰ سے صادر ہوا یعنے کلمہ "کُن"۔

سوال: اس کلمہ "کُن" سے تو تمام مخلوق پیدا ہوئی پھر عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کا کیا معنیٰ؟

جواب: چونکہ دوسری تمام اشیاء کے اسباب پیدائش مشہور و معروف ہیں اور وہ عیسیٰ علیہ السلام میں مفقود ہیں اس لیے مناسب ترین یہی ہے کہ کلمہ کا اسناد صرف انہی کی طرف ہو۔ گویا وہ اس اعتبار سے کلمہ کا عین ہیں۔

اِسْمُهُ یعنے اس مسمّٰی کا نام کلمہ ہے۔

سوال: کلمہ مؤنث ہے اس کے لیے مؤنث کی ضمیر لانا مناسب تھی یعنی اسمہا کہنا تھا نہ کہ اسمہ ؟
جواب: چونکہ اس سے حضرت عیسٰی علیٰ نبینا علیہ السلام مراد ہیں اس لیے انہی کی وجہ سے اسمہ کہا گیا۔ اس لحاظ سے یہی مناسب ہے۔

اَلْمَسِیْحُ ۔ یہ لقب ان القاب سے ہے جو عند اللہ بہت بڑی شرافت اور بزرگی کے حامل ہوتے ہیں جیسے صدیق اور فاروق۔

تحقیق مسیح: مسیح دراصل مشیح (بالشین معجمہ) بمعنے المبارک تھا عیسٰی یہ المسیح سے بدل ہے۔ یہ الیشوع کا معرب ہے۔

ابْنُ مَرْیَمَ ۔ یہ لفظ عیسٰی کی صفت ہے۔

سوال: یہ خطابات بی بی مریم کو کیوں ہیں ؟
جواب (۱) اس لیے کہ گویا انہیں یوں کہا گیا ہے اعیسٰی ابنک عیسٰی علیہ السلام تیرے صاحبزادے ہیں اے مریم!۔
(۲) اس میں تنبیہ ہے کہ عموماً بیٹے آباء کی طرف منسوب ہوتے ہیں لیکن جب اسے بی بی مریم کی طرف منسوب کیا گیا تو تو قبل از وقت مریم (علیہ السلام) کو بتایا گیا کہ یہ بچہ باپ کے بغیر پیدا ہو گا۔ اسی لیے اس کی نسبت ماں کی طرف ہی کی جائے۔ اس وجہ سے انہیں فضیلت دی گئی اور عالم دنیا کی تمام عورتوں سے برگزیدہ بنایا گیا۔

سوال: اسمہ المسیح عیسٰی ابن مریم کیوں کہا یعنے تین اسماء کو ایک نام سے کیوں کہا گیا ہے۔ اس لیے یہ علیحدہ تین اسماء علیحدہ حیثیات سے ہیں۔ عیسٰی ان کا نام ہے۔ مسیح و ابن ان کا لقب اور صفت ہے ؟
جواب (۱) اسم مسمٰی کی ایک ایسی علامت ہوتی ہے جو دوسروں سے اسے ممیز کر کے اس کی پہچان کراتا ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ وہ ذات کہ وہ اس سے پہچانی جائے گی اور غیروں سے ممیز کی جائے گی، وہ جملہ ان تینوں کا مجموعہ ہے۔
(۲) تفسیر تیسیر میں ہے کہ لقب جب معرفہ ہو کر آئے تو وہ بھی اسم کا حکم رکھتا ہے۔

وَجِیْهًا ، ذو وجاہت ہو گا۔ یہ کلمۃ سے حال ہے۔

سوال: کلمہ نکرہ ہے اور نکرہ سے حال کیسا ؟
جواب: جب نکرہ موصولہ ہو تو ذوالحال نکرہ سے حال بنانا جائز ہوتا ہے۔

الوجیہ بمعنے ذو الجاہ اور جاہ بمعنے قوت، منعت، شرف۔ یہاں پر تینوں معنے مراد ہو سکتے ہیں۔

فِی الدُّنْیَا ، دنیا میں نبوت سے نواز کر اور لوگوں کا امام بنا کر۔ **وَالْاٰخِرَةِ** ، اور آخرت میں شفاعت دے کر اور بہشت میں بہت بلند مراتب سے نواز کر۔ **وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ۝** اور مقربین سے کہ انہیں اللہ تعالےٰ نے آسمان پر بلایا اور وہاں ملائکہ کی صحبتوں سے نوازا۔

وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَکَهْلًا ، اور لوگوں سے گہوارے اور بڑھاپے میں کلام کریں گے۔

نبیوں جیسی لوگوں سے کلام کریں گے۔ اس کے بچپن اور بڑھاپے کے کلام میں کسی قسم کا فرق نہیں ہوگا یعنی بچپن میں ان کا کلام انبیاء و حکماء جیسا ہوگا۔

مسئلہ: اس میں شک نہیں کہ یہ بہت بڑا معجزہ ہے۔

حکایت و معجزہ عیسوی امام مجاہد نے فرمایا کہ بی بی مریم علی نبینا علیہا الصلوٰۃ والسلام فرماتی ہیں کہ تنہائی میں میرے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کلام کرتے اور جب وہ مجھ سے کوئی اور انسان بولتا تو پیٹ کے اندر ہی عیسیٰ علیہ السلام تسبیح میں مشغول ہو جاتے جسے میں اپنے کانوں سے سنتی تھی۔

مسئلہ: عیسیٰ علیہ السلام کا لوگوں سے کلام کرنا ان کے حادث ہونے کی دلیل ہے اس لیے کہ کلام کا آواز اور اس کے حروف حدوث کی علامت ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیس سال کی عمر کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں بنی اسرائیل کا رسول بنا کر بھیجا اور تینتیس (۳۳) ماہ تک نبوت کا پیغام پہنچاتے رہے اس کے بعد انھیں آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔

بعض کے نزدیک ترتیب یوں ہے کہ تیس سال کی عمر میں ان کے پاس وحی آئی اور تیس سال اور چند ماہ نبوت کا پیغام پہنچاتے رہے۔ اس کے بعد آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔

حل لغات: الکھل تیس سال سے چالیس سال کے زمانہ کو کہا جاتا ہے یعنے ہر وہ شخص جو بڑھاپے کی سرحد تک پہنچ جائے یہ اکھل البنت سے ہے۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب کھیتی خشک ہو جانا شروع ہو جائے۔ اسی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بڑھاپے تک پہنچ گئے تھے۔ اور لوگوں سے کلام کیا۔ اس کے بعد آسمان کی طرف اٹھائے گئے تھے۔ لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ بڑھاپا چالیس سال سے شروع ہوتا ہے تو ان کے نزدیک معنے یہ ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان کی طرف جوانی میں اٹھا لیے گئے۔ اور ان کے بڑھاپے میں کلام کا معنیٰ یہ ہوا کہ وہ قرب قیامت بعد نزولِ آسمان بڑھاپے میں لوگوں سے ہمکلام ہونگے جب وہ تشریف لائیں گے تو لوگوں سے کلام کریں گے اور دجال کو بھی قتل کر دیں گے۔

وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ اور وہ صالحین سے ہیں۔ یہ چاروں 'کلمۃ' سے احوال واقع ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں اے مریم! ایسے صاحبزادے کی خوشخبری سناتا ہے جو انھی اوصاف سے موصوف ہوں گے۔

نکتہ: الصالحین کو باقی دوسری صفات سے مؤخر کر کے ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ انسان کے نیک بخت (صالح) ہونے سے اونچا اور کوئی مرتبہ نہیں۔ اس لیے کہ انسان کا صالح اور نیک بخت بننا اس وقت ہے جب تمام اوامر و نواہی کا پورے طور پر پابند ہو۔ بلکہ تا دمِ زیست انہی پر مواظبت و مداومت کرے۔

نکتہ: اس سے معلوم ہوا کہ صالحیت دین و دنیا اور آخرت کے تمام مقامات کو شامل ہے اور تمام افعال اس میں آ جاتے ہیں

خواہ وہ افعال قلوب سے متعلق ہوں یا افعال جوارح سے۔

قَالَتْ : بی بی مریم نے اللہ تعالٰی سے عجز و نیاز سے عرض کیا۔ **رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ** ، اے میرے رب ! یہ کیسے ہوسکتا ہے یا کس سے ہوسکتا ہے۔ **لِیْ وَلَدٌ** مجھے بچہ۔

سوال : بی بی مریم نے انکار کیوں کیا جب کہ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالٰی قادر ہے ؟

جواب (۱) عام طور کی عادت کے خلاف دیکھ کر استفسار عرض کیا۔

(۲) اللہ تعالٰی کی بہت بڑی قدرت کو سن کر اس کی عظمت کے اظہار کے لیے بطور تعجب کہا اس لیے کہ بشریت کو فطرتاً تعجب لاحق ہوتا ہے جب کوئی شئے عادت کے خلاف دیکھے یا سنے۔ اور یہ واضح بات ہے کہ بی بی نے پہلی بار سنا کہ بچہ باپ کے بغیر پیدا ہوگا۔

وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ؕ حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔

نکتہ : آدمی کے بجائے بشر اس لیے کہا کہ بشریت ظاہری وجود کو مستلزم ہے۔

ف : آدمی کا ہاتھ نہ لگانا جماع سے کنایہ ہے یعنے اے رب تعالٰی میں اب ایسے حال میں ہوں جو بچہ جننے کے منافی ہے۔

قَالَ ، فرمایا اللہ عزوجل نے یا جبرائیل علیہ السلام نے۔ **کَذٰلِکِ** . یخلق کے مصدر کی طرف اشارہ ہے جو آیت **اللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ** ؕ میں ہے یعنے اللہ تعالٰی جب چاہتا ہے کہ وہ عجیب و غریب مخلوق پیدا کرے تو ویسے ہی پیدا کرتا ہے مثلاً بچے کو باپ کے بغیر پیدا کرنا یہ بھی اس کی مشیت میں داخل ہے۔ کذلك کا کاف محلاً منصوب ہے اور یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔

اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا ، جب کسی امر کا ارادہ کرتا ہے۔ در اصل قضاء احکام کو کہا جاتا ہے لیکن اب اس ارادہ الٰہیہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو اس شئے کے وجود سے متعلق ہو کہ جس کا پیدا کرنا لازم اور ضروری سمجھا جاتا ہو۔ **فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ** ۝ تو وہ اسے فرماتا ہے : ہو جا ! تو وہ ہو ہی جاتا ہے۔ یعنے اس کی پیدائش میں کسی قسم کی تاخیر بھی نہیں ہوتی۔

خلاصہ تفسیر یہ اس کے کمال قدرت کی تمثیل ہے اور بتایا گیا ہے کہ جمیع مقدورات اس کے لیے آسان سے آسان تر ہیں جیسے اس کی مشیت کا تقاضا ہوتا ہے ویسے ہی ہو جاتا ہے اور سمجھایا گیا ہے کہ اسے اشیاء کے تو پیدا کرنے میں کوئی دیر بھی نہیں لگتی جیسے سب کو معلوم ہے کہ مطیع ما مور آمر قوی کی کیسے اطاعت کرتا ہے۔ ایسے ہی جمیع مقدرات کا حال ہے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسے وہ اشیاء کو مواد و اسباب کے ذریعے پیدا کرتا ہے ایسے ہی وہ قادر ہے کہ مواد و اسباب کے بغیر یکبارگی اشیاء کو پیدا کر سکتا ہے۔

واقعہ بی بی مریم : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت بی بی مریم بیت المقدس میں ایک علیحدہ

حجرے میں رہتی تھیں اور آپ کے دروازے کے سامنے ہمیشہ پردہ لٹکا رہتا تھا۔ اچانک دیکھا کہ آپ کے حجرہ کے اندر نوجوان آگیا۔ جو سفید کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اور وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے، جو مکمل طور پر بشری صورت میں متمثل ہو کر تشریف لائے۔ جب بی بی مریم نے انہیں دیکھا تو کہا! میری پناہ کہ اگر تو پرہیز گار ہے (تو مجھ سے دور ہوجا)۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آتے ہی بی بی کے گریبان میں پھونک مار دی، یہاں تک کہ اس پھونک کا اثر بی بی صاحبہ کے رحم تک پہنچا۔ اس کے بعد بی بی نے اوڑھنی اوڑھ لی اور حجرے کے ایک گوشہ میں بیٹھ گئیں۔

بی بی مریم کے فہم و ذکاء کی حکایت

حضرت وہب فرماتے ہیں کہ بی بی کا ایک ذی قرابت یوسف نجار نامی حجرے میں رہتا تھا۔ وہ بی بی کے حمل ٹھہرنے پر بدگمان ہوگیا۔ بی بی کو متہم کرنے پر اسے کوئی چارہ نظر نہ آتا۔ جب بھی تدبیر سوچتا تو بی بی کا تقویٰ وطہارت حائل ہو جاتا۔ اور بی بی کی برأت بھی اس کے لیے بارگراں تھی۔ جب بی بی کو حاملہ محسوس کیا۔ ایک دن بی بی کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ میرے دل میں ایک بات کھٹکتی ہے، میں نے ہر چند کوشش کی ہے کہ اسے چھپاؤں لیکن وہ کسی طریق سے چھپ نہیں سکتی لیکن وہ بتانے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ سناؤ تو سہی۔ اس نے کہا: بتائیے! کیا بیج کے بغیر کوئی کھیتی اگ سکتی ہے؟ بی بی صاحبہ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے پھر سوال کیا کہ کوئی بچہ بھی بغیر باپ کے پیدا ہو سکتا ہے؟ بی بی صاحبہ نے فرمایا: ہاں۔ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بی بی صاحبہ نے فرمایا: اے یوسف! تجھے معلوم نہیں کہ جب اللہ تعالےٰ نے اس کھیتی کو ابتداً پیدا فرمایا تھا تو کون سا بیج تھا۔ بلکہ یہی بیج اس کھیتی سے بنا ہے جسے اللہ تعالےٰ نے اُگایا اسی طرح حضرت آدم اور بی بی حوا علیہما کو بھی ماں باپ کے بغیر پیدا فرمایا۔ وہ قادر مطلق ہے۔ یوسف نجار بی بی صاحبہ کی یہ جامع تقریر سن کر سمجھ گیا کہ بی بی کو جو حمل ہوا ہے وہ اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ماں کے پیٹ کے اندر تورات کا حافظ ہو جانا

مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ السلام ماں کے پیٹ میں ہی تورات کے حافظ ہو گئے تھے اور ماں کے پیٹ کے اندر اس کی تلاوت کرتے اور بی بی مریم علیہا السلام اپنے کانوں سے سنتی تھیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شب و روز

حضرت عیسیٰ علیہ السلام عالم شہود میں تشریف لائے تو انہیں اللہ تعالےٰ نے زہد و تقویٰ کی توفیق عنایت فرمائی۔ ان کا لباس بالوں سے بنا ہوا تھا یعنی صوفیانہ لباس۔ اور ان کا سرہانہ پتھر ہوتا تھا یعنی سوتے وقت اینٹ سرہانے ہوتی، اور رات کو روشنی کی ضرورت ہوتی تو صرف چاند ستاروں کی روشنی سے کام چلاتے اور لکڑی کے پیالے میں پانی پیتے اور اس سے ہی وضو فرماتے۔

حکایت ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بجائے پیالے کے پانی ہاتھ کے چلو میں پی رہا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے دل میں اپنے آپ سے کہا کہ یہ شخص مجھ سے زہد میں بڑھا ہوا ہے۔ آپ نے پیالہ زمین پر دے مارا اور اسے توڑ کر چل دیئے۔

حکایت ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک بڑھیا کے خیمے کے سایہ کے نیچے بیٹھے تھے اور گرمی بڑی سخت تھی، بڑھیا آئی اور آپ کو خیمہ سے اٹھا دیا۔ آپ اٹھتے ہی ہنسنے لگے اور فرمایا اے بڑھیا! تو نے مجھے یہاں سے نہیں اٹھایا بلکہ مجھے اس نے اٹھایا جس نے میرے لیے نعمت دنیویہ سے کچھ نہیں رکھا تھا۔

ف: جب آسمان پر اٹھائے گئے تو آپ کے گھر سے صرف ایک سوئی ملی کہ جس سے وہ اپنے پھٹے پرانے کپڑے سیتے تھے۔ اس کے بعد بتقاضائے حکمتِ الٰہی آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے۔

سبق: اس میں سالک کو سبق ہے کہ ماسویٰ اللہ سے انقطاع اختیار کرے اور دنیا کے تمام تعلقات سے آزاد ہو جائے اس سے اسے ملأ الاعلیٰ کی سیر نصیب ہوگی اور "قاب قوسین او ادنیٰ" کے مرتبہ پر فائز ہوگا۔

حکایت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ الٰہ العالمین مجھے اپنے کسی دوست کی ملاقات نصیب فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، فلاں پہاڑ پر چڑھ جاؤ۔ اس کے فلاں گوشہ کی فلاں غار میں جائیے۔ وہاں میرے ایک دوست کی ملاقات ہوگی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی لیکن وہاں پہنچے تو ایک مردہ انسان دیکھا۔ جس کے سرہانے ایک کچی اینٹ اور عورات غلیظہ پر ایک پھٹا پرانا کپڑا تھا اور خالی ہاتھ تھا یعنے اس کے ہاں درہم و دنانیر وغیرہ کوئی شے نہ تھی۔ موسےٰ علیہ السلام نے عرض کی: الٰہ العالمین! میں نے عرض کی تھی کہ مجھے اپنے کسی دوست کی ملاقات کا شرف بخشئے۔ یہاں تو اس مردہ کے سوا اور کوئی نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: یہی تو میرا دوست ہے۔ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں اسے جب بہشت میں داخل کروں گا تو صرف اس سے اینٹ اور پھٹے کپڑے کا حساب لوں گا لیکن پوچھوں گا کہ یہ دونوں تو نے کہاں سے حاصل کیں۔

سبق: اولیاء اللہ کو فقر اور ترکِ دنیا اور اللہ تعالےٰ کی تقدیر پر صبر کرنے پر اسی لیے فخر ہوتا ہے۔

ے

صبر باشد مشتہائے زیرکاں
ہست حلوہ آرزوئے کودکاں
ہر کہ صبر آورد گردوں برود
ہر کہ حلوہ خورد او پس تر رود

ترجمہ: صبر داناؤں کا کام ہے اور بچوں کو میٹھی شے کی آرزو ہوتی ہے جو صبر کرتا ہے اس کا آشیانہ عرش پر ہوگا اور جو حلوہ کھاتا ہے تو اس کا درجہ گھٹتا ہے۔

سبق قوتِ روحانیہ کے ذریعہ انسان ترقی کرتا ہوا ملائکہ کی طرح ہو جاتا ہے اور یہ مرتبہ خواہشات نفسانیہ کے ترک کرنے پر حاصل ہوتا ہے اس کی دلیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال کافی ہے۔ اللہ تعالےٰ سے دنیوی تعلقات کے انقطاع بلکہ دارین سے روگردانی کی التجا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ ، یہ جملہ مستانفہ ہے اور اللہ تعالےٰ انھیں کتاب بذریعہ الہام و وحی کتابت اور قلم سے لکھنا سکھائے گا۔ اسی لیے اللہ تعالےٰ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے زمانہ میں فن کتابت میں یکتا تھے۔ وَالْحِكْمَةَ ، اس سے علوم عقلیہ و شرعیہ اور تہذیب الاخلاق مراد ہیں۔ اس لیے کہ انسان کا کمال اسی میں ہے کہ وہ حق کو ذاتی طور پر پہچانے اور خود بخود خیر کو سمجھے۔ ان دونوں پر عمل کرنے کی وجہ۔ اور علم و عمل ہر دونوں کو حکمت کہتے ہیں۔ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ اور تورات و انجیل کا حکم دے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو یہ دونوں کتابیں زبانی یاد تھیں۔ اور یہ خوشخبری قبل از وقت دی گئی تاکہ بی بی مریم کا دل خوش ہو جائے اور اس غم کا ازالہ کیا گیا ہے کہ یہ بچہ جب پیدا ہوگا تو لوگ مجھے تہمت دیں گے کہ بچہ باپ کے بغیر کیسے پیدا ہوا۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اور انھیں بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا اور وہ ان سے بچپن میں کلام کریں گے۔

ف: بعض یہودیوں کا خیال تھا کہ وہ مخصوص قوم کے نبی ہیں۔

ف: نبی اسرائیل کے وہ آخری نبی تھے۔ جیسے سب سے پہلے یوسف علیہ السلام تھے۔

اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ ، یہ " رسولاً " کا معمول ہے۔ اس لیے کہ یہ نطق کے معنے کو متضمن ہے یعنے وہ رسول بن کر تشریف لائیں گے اور فرمائیں گے کہ میں تمھارے پاس آیا ہوں۔ بِاٰيَةٍ ، بہت بڑی آیت۔ مِّنْ رَّبِّكُمْ تمھارے رب کی طرف سے۔ اور اس آیت سے خلق طیر وغیرہ مراد ہے۔

اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ ۔ یہ انی قد جئتکم ..... الخ سے بدل ہے یعنے میں تمھارے لیے مقدر کروں گا اور شکل و صورت بناؤں گا۔ اس لیے کہ بندہ خالق نہیں ہوتا یعنے اسے تکوین و تخلیق اور ابداع کی قدرت نہیں ہوتی اس لیے خلق کا معنیٰ تسویہ و تقدیر ضروری ہے۔ لکم تمھارے لیے۔ یہ لام تحصیلیہ ہے یعنے تاکہ تمھیں ان معجزات سے دولتِ ایمان نصیب ہو اور نبوت کی تکذیب سے بچ جاؤ۔

مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ ، مٹی سے پرندے کی شکل و صورت میں۔ فَاَنْفُخُ فِيْهِ ۔ پس میں پھونکوں گا اس میں۔ یہ ضمیر اس کاف کی طرف لوٹتی ہے جو کھیئۃ الطیر میں ہے یعنے وہ شے جو پرندوں کے

مماثل ہوتی تھی۔

فَيَكُونُ طَيْرًا تو وہ دوسرے پرندوں کی طرح زندہ پرندہ ہو جائے گا۔ بِإِذْنِ اللّٰهِ اللہ تعالےٰ کے حکم سے۔ اس میں اشارہ ہے کہ زندہ کرنا اللہ تعالےٰ سے ہوا نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام سے۔ اس لیے کہ موت و حیات کو اس نے پیدا کیا ہے۔ جب عیسیٰ علیہ السلام پرندے میں پھونک مارتے تو اللہ تعالےٰ اپنی قدرت کاملہ سے ان پرندوں کے جسموں میں حیات پیدا فرما دیتا تاکہ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کا ظہور ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب نبوت کا دعویٰ کیا اور معجزات ظاہر کئے تو لوگوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ چمگادڑ کی صورت تیار کرکے اس کے اندر روح پھونک دیں تو ہم مانیں۔ آپ نے مٹی لے کر چمگادڑ کی صورت بنائی پھر اس کے اندر پھونک ماری تو وہ زمین و آسمان کے درمیان میں اڑنے لگا۔

ف: حضرت وہب رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جب تک لوگ اسے دیکھتے رہتے تو وہ اڑتا رہتا۔ جب لوگوں کی نگاہ سے اوجھل ہو جاتا تو مر کر زمین پر گر جاتا تاکہ فعل اللہ و فعل الخلق کے مابین فرق ہو۔

چمگادڑ کے متعلق عجائبات: چمگادڑ کا اس لیے مطالبہ کیا گیا کہ وہ تمام جانوروں میں عجیب الخلقت ہے کیونکہ وہ صرف گوشت اور خون کا مجموعہ ہے اس میں ہڈیاں نہیں ہوتیں علاوہ ازیں اڑتا ہے لیکن اس کے پر و بال نہیں ہوتے۔ باوجودیکہ وہ پرندوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہ بچے جنتا ہے، دوسرے پرندوں کی طرح انڈے نہیں دیتا۔ اس کے پستان بھی ہوتے ہیں جن سے دودھ نکلتا ہے۔ سورج کی روشنی میں دیکھ سکتا ہے نہ ہی سخت اندھیری رات میں۔ صرف دو وقت دیکھتا ہے۔ سورج کے غروب کے بعد اور صبح صادق کے بعد جب تک کہ اس کی پوری روشنی نہیں پھیلتی۔ جب پورے طور پر روشنی پھیلنے لگ جاتی ہے تو پھر وہ آنکھیں بند کر دیتا ہے۔ اور وہ انسانوں کی طرح ہنستا ہے۔ اس کے دانت بھی ہوتے ہیں اور اس کی مادہ کو عورتوں کی طرح حیض بھی آتا ہے۔

ف: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن پاک نے شہادت دی ہے کہ وہ بی بی مریم کے گریبان میں جبریل علیہ السلام کی پھونک سے پیدا ہوں گے چونکہ جبریل علیہ السلام محض روح اور روحانی ہیں اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جھاڑ پھونک حیات اور روح کا سبب تھی۔

وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ اور میں شفا دیتا ہوں اور تندرست کرتا ہوں نابیناؤں کو۔ الاکمہ، پیدائشی نابینا۔

اعجوبہ: علامہ زمخشری نے کہا ہے کہ اس امت میں کوئی ایک بھی مادر زاد نابینا پیدا نہیں ہوا سوائے قتادہ بن دعامہ سدوسی صاحب تفسیر کے۔

وَالْأَبْرَصَ، اور برص والوں کو۔ الابرص وہ شخص ہے جس کے جسم میں سفید داغ پھیلتے پھیلتے تمام جسم کو گھیر لیں جب

وہ جسم میں گھر کر لیتے ہیں تو وہ لاعلاج ہو جاتا ہے۔ کوشش بسیار کے باوجود جسم سے وہ داغ دفع نہیں ہوتے۔ اہل عرب کو اس سے سخت نفرت تھی۔

نکتہ : بنی اسرائیل نے صرف ان دو بیماریوں کو اس لیے مخصوص کیا کہ اس وقت یہ ایسی گندی بیماریاں تھیں کہ ان کے علاج سے اطباء اور ڈاکٹر عاجز آ چکے تھے باوجودیکہ اس زمانہ میں مایۂ ناز حاذق طبیب موجود تھے۔

حکایت جالینوس

جب عیسیٰ علیہ السلام نے نبوت کا اظہار فرما کر بیماروں کو شفا دینے کا دعوےٰ کیا تو لوگوں نے اطباء اور ڈاکٹروں سے مشورہ لیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے کونسے بیمار پیش کیے جائیں۔ جالینوس[1] اور اس کے شاگردوں نے کہا کہ جو بچہ پیدائشی نابینا ہو یا جسے برص کی بیماری ہو انھیں عیسیٰ علیہ السلام کے پاس لے جائیے اس لیے کہ یہ دونوں بیماریاں لاعلاج ہیں۔

چنانچہ جالینوس کے مشورہ پر بنی اسرائیل ایک مادرزاد نابینا اور دوسرا برص والا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے دعا مانگ کر دونوں پر ہاتھ پھیرا تو نابینا بینا اور برص والا تندرست ہو گیا۔

یہ معجزہ دیکھتے ہی بعض لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو مان لیا اور بعض منکر رہے۔ بلکہ کہتے کہ یہ تو عیسیٰ علیہ السلام نے جادو کیا ہے۔

اعجوبہ : مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف ایک دن میں پچاس ہزار بیماروں کو شفایاب فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کا طریقہ تھا کہ جو آپ تک پہنچنے کی طاقت نہ رکھتا تھا تو خود بیمار کے ہاں تشریف لے جاتے اور ان کا علاج دعا سے صرف اس شرط پر کرتے کہ وہ ان کا دین قبول کرلے۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیگر دعویٰ کیا : وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ج اور میں اللہ تعالےٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔

حکایت جالینوس

بنی اسرائیل نے یہ دعویٰ سن کر جالینوس سے مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے۔ جالینوس نے کہا کہ مردہ علاج سے زندہ نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ مردوں کو زندہ کر دکھائیں تو یقین کر لو کہ وہ نبی برحق ہیں طبیب یا ڈاکٹر نہیں۔ جالینوس سے مشورہ لے کر بنی اسرائیل عیسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے اور کہا کہ ہمیں مردے زندہ کر کے دکھائیے۔ آپ نے پہلے چار مردے زندہ کئے۔

---

[1] : ایک مشہور و معروف حکیم

معجزاتِ عیسیٰ علیہ السلام

معجزہ نمبر (۱) : (دربارہ احیا الموتیٰ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عازر نامی شخص کو زندہ کیا جو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوست تھے۔ جب وہ قریب الموت تھا تو عازر کی بہن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ کا بھائی عازر فوت ہو رہا ہے۔ آپ جلد تشریف لا ئیے۔ عازر کا گھر وہاں سے تین دن کے سفر پر تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے معتقدین سمیت جب عازر کے گھر پہنچے تو عازر فوت ہو چکا تھا اور اسے مرے ہوئے تین دن بھی گزر چکے تھے۔ آپ نے پہنچتے ہی عازر کی بہن کو کہا کہ مجھے عازر کی قبر دکھائیے۔ جب آپ عازر کی قبر پر پہنچے تو دیکھا کہ اس کی قبر پر ایک بہت بوجھل پتھر رکھا ہوا ہے۔ آپ نے قبر پر کھڑے ہو یوں دعا کی :

"اے ساتوں آسمانوں اور زمینوں کے رب تو نے ہی مجھے حکم فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کو دین کی دعوت دے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں انھیں کہوں کہ میں مُردوں کو زندہ کر سکتا ہوں۔ میں نے انھیں دین کی دعوت دی ہے اور مُردوں کو زندہ کرنے کا دعوٰے بھی کیا ہے۔ اب کرم فرمائیے۔ عازر کو زندہ کیجئے۔"

آپ کی دعا کی برکت سے عازر قبر سے اٹھ کھڑا ہوا اور پانی کے قطرات اس کے جسم سے ٹپک رہے تھے پھر ایک عرصہ تک زندہ رہا۔ اس نے شادی بھی کی اور اس کے بچے بھی ہوئے۔

معجزہ نمبر (۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بڑھیا کے بیٹے کو بھی زندہ فرمایا جب کہ اسے دفن کرنے کے لیے لوگ چارپائی پر رکھ کر کاندھے دے کر گورستان کی طرف لے جا رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے زندہ ہونے کی دعا کی تو وہ وہیں پر زندہ ہو کر اس چارپائی سے اٹھ بیٹھا اور اٹھتے ہی لوگوں کی گردنوں سے چھلانگ لگا کر چارپائی سے نیچے آگیا۔ اور زندوں جیسے کپڑے پہنے اور اپنی چارپائی خود اپنے سر پر اٹھائی اور گھر واپس لوٹا۔ پھر اس کی شادی ہوئی اور اس کے بچے بھی پیدا ہوئے۔

معجزہ نمبر (۳) ایک دلال کی لڑکی کو بھی زندہ کیا۔ وہ دلالی کا کاروبار کرتا تھا۔ اس کی لڑکی فوت ہو گئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ یہ لڑکی کل فوت ہو گئی ہے آپ اسے زندہ کر دیجئے۔ آپ نے اس کے لیے دُعا فرمائی تو وہ زندہ ہو گئی۔ اس کے بعد اس کی شادی ہوئی اور اس کے بچے ہوئے۔

معجزہ نمبر (۴) جب لوگوں نے یہ تینوں معجزے دیکھے تو کہنے لگے کہ عیسیٰ علیہ السلام صرف ان مُردوں کو زندہ کرتے ہیں جنھیں مرے ہوئے قلیل مدت گزری ہے ممکن ہے کہ وہ سکتہ سے مرے ہوں اور سکتہ والا چند ساعات کے بعد خود ہی زندہ ہو جاتا ہے۔ فلہذا اب ہمارا سوال یہ ہے کہ ہمیں سام بن نوح علیہ السلام کو زندہ کر کے دکھائیں۔ آپ نے فرمایا : مجھے اس کی قبر دکھاؤ ؟ چنانچہ بہت بڑا لشکر چل پڑا۔ آپ جب سام بن نوح علیہ السلام کی قبر

پر پہنچے تو آپ نے اسم اعظم کے وسیلہ سے دعا مانگی تو سام بن نوح علیہ السلام قبر سے نکلے۔ اس وقت ان کے بال سفید تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تیرے بال سفید کیوں؟ جب کہ تمہارا زمانہ بڑھاپے کو نہیں پہنچا تھا۔ سام بن نوح نے عرض کی: اے حضرت روح اللہ علیہ السلام! جب آپ نے مجھے بلایا تو مجھے قبر میں آواز پہنچی کہ عیسےٰ علیہ السلام تجھے بلا رہے ہیں، فوراً حاضری دیجئے۔ مجھے اس وقت یوں محسوس ہوتا تھا کہ قیامت آگئی ہے۔ اس کے ڈر اور خطرہ سے میرے بال سفید ہوگئے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سام بن نوح سے پوچھا، بتایئے! سکرات الموت کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔ عرض کی: کیا پوچھتے ہو۔ اس وقت مجھے تمام غم بھول گئے ہیں لیکن سکرات کی سختی ابھی تک میرے حلقوم میں گھوم رہی ہے۔

تنبیہ: غور کیجئے! جب حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے سام بن نوح علیہ السلام کو زندہ فرمایا تو اس وقت اسے فوت ہوئے چار ہزار سال گزر چکے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم سے سام بن نوح علیہ السلام مخاطب ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! عیسی علیہ السلام کی تصدیق کر لو، یہ واقعی سچے اور برحق نبی ہیں۔

یہ معجزہ دیکھ کر ان میں سے بعض لوگ مسلمان ہوگئے اور بعض کافر رہے۔ اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نے سام بن نوح سے فرمایا: اب مر جاؤ۔ اس نے عرض کی: میں تب مرتا ہوں کہ آپ اللہ تعالےٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے دوبارہ سکرات کی سختی سے اماں نصیب ہو۔ تو ایسے ہی ہوا۔

ربط: اس کے بعد بنی اسرائیل نے آپ سے آپ کی نبوت کی دلیل کے لیے اور معجزہ مانگا تو آپ نے فرمایا:

وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ اور میں تمہیں تمہارے مختلف طعاموں کی خبر دوں گا۔ **وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ** اور اس کی بھی خبر دوں گا جو تم کل کے لیے جمع رکھتے ہو۔ **فِیْ بُیُوْتِكُمْ** اپنے گھروں میں۔

چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام انھیں اس طعام کی خبر دیتے جو انھوں نے کل کھایا یا آئندہ کھائیں گے۔ اور بچوں کو مدرسہ میں خبر دیتے: تمہارے گھر یہ ہو رہا ہے اور گھر میں کیا اور کہاں چھپا رکھا ہے۔ جب بچے واپس گھر لوٹتے تو وہ اپنی منہ مانگی چیز لیتے اور اگر نہ ملتی تو روتے اور خود بتاتے کہ فلاں شے فلاں جگہ رکھی ہے اور فلاں شے فلاں جگہ۔ اس پر گھر والے بچوں کو منہ مانگی چیز دینے کے لیے مجبور ہو جاتے اور بچوں کو کہتے کہ اس جادوگر کے قریب بھی نہ پھٹکو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک عجیب وغریب معجزہ

جب بچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جانے سے روکے گئے اور وہ نہ رُکے تو ان لوگوں نے ان سب بچوں کو جمع کر کے ایک مکان میں بند کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے بچے کہاں گئے؟ کہا: نامعلوم، کہاں گئے۔ آپ کو تو سب کچھ معلوم تھا۔ ایک مکان کی طرف اشارہ کر کے (جس میں بچے بند کر دیئے

گئے تھے)، پوچھا! اس میں کون ہیں؟ کہا: اس میں خنزیر ہیں، آپ نے فرمایا اچھا ایسے ہی ہوں گے۔ مکان کا دروازہ کھول کر دیکھا گیا تو وہ تمام کے تمام خنزیر ہی تھے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ ، یہ خوارق عادات اور بڑے بڑے معجزات جو مذکور ہوئے۔ لَاٰیَةً ، بہت بڑی دلیل ہیں۔ لَّكُمْ تمہارے لیے (یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) یہ میری رسالت کی بہت بڑی اور واضح دلیلیں ہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اگر تم ایمان رکھتے ہو یعنی ان سے نفع پاتے۔

وَمُصَدِّقًا یعنی تمہارے پاس دلائل لے کر اور تصدیق کرنے والا ہو کر آیا ہوں۔ لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ ، جو مجھ سے پہلے گزرے۔ مِنَ التَّوْرٰىةِ ، تورات سے یعنی وہ مجھ سے پہلے ہوا وہ بھی میرے موافق تھا۔ وَ اور تمہارے پاس آیا ہوں۔ لِاُحِلَّ لَكُمْ ، تاکہ تمہارے لیے حلال کردوں یعنی رخصت دو۔ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ بعض اس کا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں حرام کیا گیا تھا۔ مثلاً مچھلی اور اونٹوں کا گوشت اور موٹی اور نرم چربی۔

عربی میں ثروب ثرب کی جمع ہے۔ اس نرم چربی کو کہتے ہیں جو آنتوں سے متصل ہے۔ اسی طرح ان پر بعض جانوروں کا گوشت بھی حرام تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے مچھلی اور وہ پرندے حلال کئے جن میں کانٹے نہیں ہوتے۔ دراصل اصطلیہ جولاہے کے اس کانٹے کو کہا جاتا ہے جس سے وہ کپڑا بننے میں مدد لیتا ہے۔

وَجِئْتُكُمْ ، اور میں تمہارے لیے لایا ہوں۔ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ، دلیل تمہارے رب کی طرف سے یعنی ایسا واضح برہان جو میری رسالت کی صحت پر شاہد ہے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔ رسالت کے دلائل کو قبول نہ کرنے اور اس کے مدلول سے مخالفت کرنے پر اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ اس کے ان امور میں جن کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں اور جن برائیوں سے میں روکتا ہوں۔ ان میں میری اطاعت کرو اور وہ دلیل یہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے صرف اس کی عبادت کرو۔ شرک کرکے اس کی نافرمانی نہ کرو۔ هٰذَا ، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت کرنا۔ صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ سیدھا راستہ ہے ایسا سیدھا راہ کہ چلنے والے کو بہشت میں پہنچا دے۔ اس سے مراد وہ حق صریح ہے جس پر تمام انبیاء علیہم السلام کا اتفاق ہے اور یہ رسول (عیسیٰ علیہ السلام) بھی منجملہ انہیں سے ہیں تو یہ بھی انہی کی طرح اللہ تعالیٰ کی واضح برہان ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

ان اللّٰہ ربی و ربکم، اس میں قوت نظریہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے جو عقائد حقہ سے مستحکم ہوتی ہے اور عقائد حقہ کا خلاصہ توحید ہے اور "فاعبدوہ" میں اس قوت عملیہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے۔ جو طاعت کے التزام سے حاصل ہوتی ہے اور اطاعت اوامر پر عمل کرنے اور نواہی (برائیوں) سے بچنے کو کہتے ہیں پھر بتایا گیا ہے کہ ایک اور طریقہ بھی ہے جو ان دونوں کا جامع ہے یعنی استقامت۔ اللہ تعالیٰ نے حضور

صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرمایا:

"قل اٰمنت باللّٰہ ثم استقم" (کہہ میں اللہ پر ایمان لایا اور ثابت قدم رہ) ۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم و عمل استقامت کے مبادی ہیں۔

سبق: سالک کو چاہیے کہ وہ حجت قویہ کا دامن مضبوط پکڑے ۔

رُوحانی نسخے: سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ سے پوچھا گیا کہ انقطاع ماسوی اللہ کا کوئی نسخہ بتاییے، تو آپ نے فرمایا:

(۱) گناہوں سے توبہ بار بار گناہ کرنے کی عادت سے بچاتی ہے ۔

(۲) خوفِ خدا افسوس کے ہاتھ ملنے سے بچاتا ہے ۔

(۳) رجا بر رحمتِ خدا نیک عمل کرنے پر ابھارتی اور مختلف اوقات میں ذکر الٰہی کی توفیق بخشتی ہے ۔

(۴) نفس کو ذلیل رکھنے میں موت آنکھوں کے سامنے رہتی ہے اور آرزوئیں کم ہو جاتی ہیں ۔

پھر آپ سے پوچھا گیا کہ اس طریقہ کو اپنانے کا کوئی دوسرا نسخہ بتاییے ۔ آپ نے فرمایا: قلب کو غیروں کے دھیان سے بچا کر صرف ایک ذات کے قیام کے لیے فارغ کر لو ۔

ف: سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: بہشت ہر اس شخص کو نصیب ہو جاتی ہے جو اس کے لیے کوشش کرتا ہے ۔

الاستقامۃ خیر من الکرامۃ

استقامت پر عمل کرنا اکابر اولیاء کے سوا ہر ایک کا کام نہیں اس لیے کہ خواہشاتِ نفسانیہ اور رسوم و عادات سے بالکلیہ علیحدہ ہو جانے کا نام استقامت ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس میں ہر وقت اللہ تعالےٰ کے سامنے کا تصور علیٰ سبیل الصدق ضروری ہے ۔ صرف رسمی و اسمی خیال منہ پہ مارا جاتا ہے ۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

"تم اس گندے بندے کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے آقا کے ڈر سے کام کرتا ہے اور نہ ہی اس بُرے مزدور کی طرح کہ جسے کچھ نہ ملے تو کام کرنا بھی چھوڑ دے ۔"

مسئلہ بعض نے کہا کہ حظوظ نفسانیہ سے بالکل فارغ ہو جانا ناممکن ہے ۔ اس لیے کہ یہ تو ربوبیت کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے ہاں یوں مراد لی جائے کہ بہشت یا اللہ تبارک وتعالےٰ کا دیدار عمل کے عوض نہیں بلکہ محض اس کا فضل و کرم ہے ۔

نکتہ: سچے اور پکے بندے کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے آقا کے در پر پڑا رہے اور پھر سوائے اس کے باقی تمام تمناؤں کو سہ[۳] طلاق دے دے نہ بہشت کی طلب اور نہ دوزخ کا خوف ۔ پس جس کا عمل اور توحید خالص ذات حق کے لیے ہو گا اور تمام اغراض

سے فارغ ہو جائے گا۔ تو سمجھ لو کہ اسے راہ مستقیم پر چلنا نصیب ہو گیا اور اسے استقامت حاصل ہو گئی اور اسے اللہ والوں کا راستہ مل گیا۔ لیکن یہ تو اس کے نصیب جس کا بخت ازل سے بیدار ہوا اور اس کی ایسے راہ پر چلنے کی استعداد و قابلیت بھی ہو۔

مرشدِ کامل کی نظرِ عنایت: مرشدِ کامل کی تربیت سے بھی یہ مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے کہ مرشد اسے انوارِ صفاتِ الٰہیہ کے قابل بنا دیتا ہے بلکہ ظلماتِ بشریہ سے بھی اسے نکال دیتا ہے۔

سالک کے لیے ضروری بلکہ واجب ہے کہ وہ کاملین کی خدمت میں سر کی بازی لگا دے اور طریق الیقین پر ثابت قدمی رکھے ؎

ز خود بہترے جوی و فرصت شمار
کہ با چوں خودی گم کنی روزگار

اپنے سے بہتر کی صحبت اختیار کر اور اسے غنیمت سمجھ اپنے جیسے کے ساتھ تو نبھا نہیں سکے گا۔

بیعت کے فوائد کاملین کی صحبت میں بہت بزرگی نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: فبھداھم اقتدہ۔ اور رسولِ پاک صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے سچے غلاموں کی اطاعت سے ہی تقویٰ کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالےٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کا قول دلیل کے طور پر حکایۃً ارشاد فرمایا: فاتقوا اللہ واطیعون۔

خلاصہ یہ ہے کہ بندہ کو طاعات الٰہی اور بندگاہِ خدا کی غلامی پر مداومت کرنے پر استقامت نصیب ہوگی۔ یہ معمولی شے نہیں کہ چند روز میں ہی حاصل کی جا سکے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

سالہا باید کہ اندر آفتاب
لعل یابد رنگ درخشانی و تاب

بہت سالوں کے بعد سورج سے لعل چمک دمک اور رنگ پاتا ہے۔

تفسیرِ عالمانہ ربط: یہ وفا، فصیحہ ہے یعنے جو کچھ ملائکہ نے کہا وہ ہو کر رہا۔ جو بات بالقوہ سمجھائی جا رہی تھی اب وہ بالکل ہو کر کھل کر آگئی ہے گویا یوں کہا گیا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حاملہ ہوئیں اور اسی سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے پھر عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یوں ہوا اور ایسے گذری اور اس طرح ہوا یہاں تک کہ جب رفع الی السماء کا وقت قریب ہوا تو انھیں یہودیوں کی سازشوں کا احساس ہونے لگا۔ اس لیے فرمایا:

فَلَمَّآ پس جب کہ اَحَسَّ یہ احساس سے مشتق ہے لیکن یہ علم یقینی کے لیے استعارہ کیا گیا ہے یعنے ایسا علم کہ اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو۔ الاحساس یعنی شے کو حاسہ سے حاصل کرنا مثلاً آنکھ سے دیکھنا کان سے سننا وغیرہ وغیرہ۔ گویا اب کہا گیا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے یقین کر لیا۔ عِیْسٰی ۔ مِنْهُمُ الْكُفْرَ ، ان سے کفر کا یعنی انہیں ایسا علم ہوا کہ جس میں کوئی شبہ نہ تھا جیسے حواس سے ادراک کیا جاتا ہے کہ وہ شے بہ بدیہیات سے مانی جاتی ہے۔ منھم سے مراد بنی اسرائیل کے وہ بعض لوگ ہیں جنھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کا عزم کر لیا تھا اب وہ دلائل مانیں گے نہیں بلکہ انکار نبوت کا جادو سر چڑھ گیا اب انھیں عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ قَالَ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مخلصین احبار کو مدد مانگنے کی نیت سے فرمایا تا کہ وہ کفار سے ان کی جان بچانے پر مدد کریں۔ مَنْ اَنْصَارِيْٓ ، میرے مددگار کون ہیں۔ انصار ، نصیر کی جمع ہے بمعنے مددگار۔ اِلَى اللّٰهِ ۭ یہ محذوف سے متعلق ہے اور انصاری کی یا متکلم سے حال واقع ہے۔ اصل عبارت یوں ہے :

انصاری متوجھا الی اللّٰہ ۔

میرے وہ مددگار کہ جن کی مدد سے میں اللہ تعالےٰ کی طرف توجہ اور التجا کر سکوں یعنی اقامت دین میں تم میں سے کون میری مدد کرے گا۔

قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ ۔ یہ الحواری کی جمع ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

" فلان حواری فلان " یعنے فلان فلان کا برگزیدہ اور خاصہ ہے ۔ اور وہ کل بارہ تھے۔ ان میں بعض بادشاہ تھے اور بعض مچھلیوں کے شکاری اور بعض دھوبی اور بعض رنگریز۔ ان سب کو حواریوں کہا جاتا۔ اس لیے کہ صرف وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معین و مددگار اور مخلصین فی المحبۃ والطاعۃ تھے۔

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ ہم اللہ تعالےٰ کے دین اور اس کے رسول کی مدد کریں گے۔ یہ آیت ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم " (اللہ تعالےٰ اس کی مدد کرتا ہے جو اُس کے دین ورسول کی مدد کرے) کی طرح ہے ۔

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ ہم اللہ تعالےٰ پر ایمان لائے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ ماقبل کی علت کے قائم مقام واقع ہے اس لیے کہ اللہ تعالےٰ پر ایمان لانے سے پتہ چلتا ہے کہ واقعی یہی اس کے دین ورسول کی مدد کرے گا۔ اور اس کے اولیاء کو اُن کے دشمنوں سے بچائے گا اور اس کے دین کے دشمنوں سے جنگ کرے گا۔

وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ اور گواہ ہو کہ ہم ہی مسلمان ہیں یعنے ایمان لاتے ہیں اور جس کا تو ارادہ رکھتا ہے اس میں مخلص اور فرمانبردار اور جو تیرا حکم ہوگا اس کے پابند ہیں۔ ان کا مطالبہ ہوا کہ ہم آپ کی مدد کریں گے لیکن آپ قیامت میں ہمارے متعلق گواہی دینا کہ ہم پکے اور سچے مسلمان ہیں۔ اس سے ان کا صرف اخروی سعادت کا حصول مقصود تھا۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ ، اے ہمارے رب ! جو کچھ تم نے نازل فرمایا ہمارا اس پر ایمان ہے یعنی

انجیل پر جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ اس سے ان کا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کرنا مقصود ہے جبکہ اس سے پہلے انھوں نے اپنے آپ کو رسول علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس میں مبالغہ ہے کہ وہ اپنے معاملہ میں بہت مضبوط ہیں۔

وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ ، اور ہم ہیں رسول علیہ السلام کے پیچھے تابعدار۔ یعنی ہم عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ہیں یا وہ احکام جو ہماری طرف لائے ہیں یا جن امور سے وہ روکتے ہیں ہمارا سب پر پختہ ایمان ہے۔

ف : اظہار ایمان میں عیسیٰ علیہ السلام کی مدد و اتباع میں تو یقینی طور پر داخل ہو گئے۔

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تیری وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں یا ان انبیاء علیہم السلام کے ساتھ لکھ دیجئے جو تابعداروں کی گواہی دیں گے یا ہمیں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں لکھ دیجئے کہ وہ یقینی طور پر شہداء علی الناس ہیں۔

مع الشٰھدین ، فاکتبنا کے مفعول سے حال ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کے نامۂ اعمال کی کتاب ملائکہ کے ساتھ آسمانوں میں ہوتی ہے کما قال تعالیٰ :

"کَلَّا ان کتاب الابرار لفی علیین"

جب اللہ تعالیٰ انھیں شہداء مؤمنین کے ساتھ لکھتا ہے تو لامحالہ ان کا ان کے ساتھ ذکر بھی ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ان لوگوں کا ذکر ملاء الاعلیٰ اور ملائکہ مقربین کے ہاں مشہور ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ط اور انھوں نے مکر کیا۔ اس سے وہ یہودی مراد ہیں جن کے کفر کا علم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تھا۔ ان کا مکر یوں تھا کہ انھوں نے ایک شخص کو بھیجا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو دھوکہ کے ساتھ ایک ایسے مقام پر لے آئے کہ جہاں وہ انھیں آسانی سے قتل کر سکیں۔ ومکر اللہ ، اور اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کے مکر کی سزا دی کہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا اور جو شخص عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے گیا تھا اسے عیسیٰ علیہ السلام کی شکل و صورت میں بنا دیا۔ پھر یہودیوں نے اسے قتل کر دیا۔

وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ تمام پوشیدہ تدبیر کرنے والوں سے غالب اور قوی تر ہے اور اتنی بڑی قدرت رکھتا ہے کہ دھوکہ دینے والے کو سزا بھی دیتا ہے جب کہ اسے معلوم بھی نہیں ہوتا۔

واقعہ رفع عیسیٰ علیہ السلام مروی ہے کہ جب بنی اسرائیل (یہودیوں) کے بادشاہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اپنے گھر کے اس کمرہ میں تشریف رکھیں جس کا دریچہ کھلا ہوا ہو۔ یہودیوں کی سازش کے وقت جبریل عیسیٰ علیہ السلام کو اس دریچہ سے آسمان کی طرف لے گئے تو اللہ تعالیٰ

نے عیسیٰ علیہ السلام کو پر لگائے اور نورانی لباس پہنایا اور ان سے کھانے پینے کی لذت منقطع فرمائی۔ اس کے بعد وہ ملائکہ کرام کے ساتھ عرش الہٰی کے نیچے تک اڑتے ہوئے گئے۔ اس اعتبار سے انھیں ملکوتی انسان اور سماوی و ارضی انسان کہا جا سکتا ہے۔

بقایا واقعہ: یہودیوں کے بادشاہ نے ایک بڑے بدمعاش کے ذمہ لگایا کہ وہ چوری چھپے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کر ڈالے چنانچہ وہ اپنے بادشاہ کے کہنے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھر گھس گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا۔ اس نے گھر میں ہر چند ڈھونڈا لیکن وہ نہ ملے تو باہر نکل کر انھیں کہا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) گھر کے اندر نہیں ہیں۔ انھوں نے سمجھا کہ یہی عیسیٰ (علیہ السلام) ہے اس لیے اسے قتل کر کے سولی پر چڑھایا۔ لیکن اس شبہ میں پڑ گئے کہ اس کا چہرہ تو عیسےٰ (علیہ السلام) جیسا ہے لیکن باقی تمام جسم ہمارے فرستادہ (بدمعاش) کی طرح ہے۔ اگر یہی عیسیٰ علیہ السلام ہے تو ہمارا ساتھی کہاں گیا۔ اس پر ان کا آپس میں سخت جھگڑا ہوا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عجیب اور بہترین معجزہ جب عیسیٰ علیہ السلام کے شبیہ کو سولی پر چڑھایا گیا تو حضرت بی بی مریم تشریف لائیں۔ اور ان کے ساتھ وہ عورت بھی تھی جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے جنوں سے نجات نصیب ہوئی۔ دونوں آتے ہی گریہ اور آہ و فغاں کرنے لگیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اترے اور دونوں کو فرمایا، کیوں رو رہی ہو؟ انھوں نے کہا، آپ کی موت کا غم ہے۔ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مجھے آسمان پر اٹھا لیا۔ اور مجھے وہاں بہت زیادہ آرام اور عیش و عشرت حاصل ہے اور یہ میرا شبیہ بنا کر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ ہفتہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر عیسیٰ علیہ السلام کو جد لانیہ کی طرف اترنے کا حکم فرمایا کیونکہ وہی آپ کے لیے سخت مغموم تھے وہاں پہنچتے ہی آپ نے اپنے حواریوں کو جمع فرمایا اور پھر تبلیغ احکام کی دعوت کے لیے آپ نے اپنے حواریوں کو ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا۔ جب انھیں اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اتارا تو وہ پہاڑ نور ہی نور ہو گیا۔ آپ نے اپنے حواریوں کو جمع فرما کر ملک کے چپہ چپہ میں تبلیغ حق کی دعوت کے لیے پھیل جانے کا حکم فرمایا اور پھر آسمان پر چلے گئے۔

عیسیٰ علیہ السلام کا جدید معجزہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس موقعہ پر جس رات آسمان پر تشریف لے گئے تو نصاریٰ اس رات دھواں ڈالتے ہیں۔ جب حواری حضرات صبح کو اٹھے تو جہاں جہاں تبلیغ کے لیے جانا تھا وہ اس علاقہ کی بولی بولنے لگا۔

بعض مفسرین نے ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین کی یہی تفسیر کی ہے۔

حل لغات: مکر کی نسبت مخلوق کی طرف ہو تو بمعنے الخبیث والحذیقۃ والحیلہ۔ اگر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو بمعنے (استدراج العبد ..... الخ) ہے یعنے بندے کو چند روز مہلت دے کر اچانک ایسی گرفت کرنا کہ اسے علم تک نہ ہو۔

سبق اے سالک! اللہ تعالےٰ کے اتنے احسان وکرم کو دیکھ کر اور اپنے آپ کو خطاء و جرم میں بھرپور رہ کر پھر کبھی اس کے لطف وکرم سے دھوکہ نہ کھانا بلکہ اس سے بھی تجھیں ڈرنا چاہیئے۔ اس لیے ممکن ہے کہ اس کریم کا تیرے ساتھ یہ برتاؤ محض استدراج کے طور پر ہو یعنے اس نے تجھے چند روز مہلت دے رکھی ہو تاکہ چند روز اس حال پر رکھ کر سخت گرفت کی جائے۔ (اگر تجھے توبہ کا موقعہ ملے تو) اور تو اس سے خوش ہوتا رہے اور تجھے اس سے دھوکہ ہو کہ شاید میرے اوپر فضل وکرم کی وجہ سے یہ معاملہ ہے حالانکہ بات اس کے برعکس ہو کہ وہ چند روز تجھے مہلت دے کر ایسی گرفت کرے کہ تجھے محسوس تک بھی نہ ہو۔ چنانچہ فرمایا:

سنستدرجھم من حیث لا یعلمون۔ (آہستہ آہستہ انھیں عذاب کی طرف لے جائیں گے جہاں سے انھیں خبر نہ ہوگی)۔

تفسیر صوفیانہ حضرت سہل رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کا معنے یہ ہے کہ ہم اپنے بندوں کو ناز و نعم سے چند روز ایسا نوازتے ہیں کہ اسے شکر انہ ادا کرنے کا موقعہ بھی میسر نہیں ہوتا۔ جب ایسے بندے غفلت میں منہمک ہوتے ہیں اور اپنے منعم حقیقی سے دور جا پڑتے ہیں تو پھر ان کی سخت گرفت کی جاتی ہے۔

حضرت ابو العباس ابن عطار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں تو ہم بھی ان کے لیے نعمتوں کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ پھر انھیں ان گناہوں سے توبہ کرنے کا موقع تک نہیں ملتا۔

مریدین کو تنبیہ وہ مرید اپنے نفس اور اپنے رب کے حقوق سے نہایت درجہ کا جاہل ہے جو بے ادبی کر کے غلط دعویٰ کر بیٹھے یا کسی مصیبت یا آزمائش میں اچھلے کودے یعنے بے صبری کرے۔ پھر اس کو مہلت دی جاتی ہے وہ اس مہلت کو اپنی فضیلت سمجھتا ہے اور نفس کے دھوکا میں آکر خیال کرتا ہے کہ اگر میری کوتاہی کی سزا ملنے والی ہوتی تو مجھ پر اتنا فضل نہ ہوتا۔ بظاہر وہ اسے فضل وکرم سمجھتا ہے حالانکہ وہ اللہ تعالےٰ کے لطف سے دور ہوتا ہے۔ وہ اس ظاہری حالت پر خوش رہتا ہے اسے گہرائیوں کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ یہ دراصل اس سے نورِ بصیرت چھن چکا ہوتا ہے یا کچھ ہوتا ہے تو اس میں ضعف کی وجہ سے کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے وہ کچھ نہیں سمجھ سکتا بلکہ الٹا وہ اس گمان میں ہوتا ہے کہ میری یہ کیفیت میری ترقی کی علامت ہے۔ حالانکہ وہ ترقی درحقیقت اس کی کوتاہی اور تقصیر ہی ہوتی ہے۔ یوں بھی ہوتا ہے کہ جس پر فضل و کرم روکا نہیں گیا لیکن اس میں اضافہ نہیں ہوا تو بھی وہ سمجھے یہی قطع مدد ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جسے کسی معاملہ میں اضافہ نصیب نہ ہو تو وہ سمجھے کہ میں گھاٹے میں ہوں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جس کے دو دن برابر ہوں تو سمجھو کہ اس کا سودا گھاٹے میں ہے اگر وہ شخص بارگاہِ حق سے دور ہونے والوں سے نہ ہوتا تو اسے خلوت میں سے کچھ حصہ ملتا یا اسے مراد در ہونے کی بجائے نامراد بنایا جاتا (العیاذ باللہ)۔

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسٰى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا
وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ
فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ○ فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ
عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَمَا لَهُمْ مِنْ نٰصِرِينَ ○ وَأَمَّا الَّذِينَ
اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِينَ ○ ذٰلِكَ
نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ○ إِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ
اٰدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ○ اَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ
مِنَ الْمُمْتَرِينَ ○ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ
تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ
ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ○ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ
الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ فَإِنْ تَوَلَّوْا
فَإِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ○

ترجمہ: یاد کیجئے جب اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تجھے عمر پہنچانے والا اور تجھے اپنی طرف اٹھانے والا اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا اور قیامت تک تیرے تابع فرمانوں کو منکروں پر غلبہ دینے والا ہوں پھر میری طرف تمہارا لوٹنا ہے تو میں تم میں اس کا فیصلہ فرمادوں گا جو تم اختلاف کرتے ہو۔ وہ یہ کہ جو کافر ہیں انہیں دنیا و آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی حامی کار نہ ہوگا اور جو مومن ہیں اور ان کے اعمال بھی اچھے ہیں تو اللہ تعالےٰ انہیں پورا پورا اجر دے گا اور اللہ تعالےٰ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا، یہ ہم تم پر پڑھتے ہیں حکمت والی نصیحت، بے شک عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالےٰ کے نزدیک آدم کی طرح ہیں اسے اللہ تعالےٰ نے مٹی سے بنایا پھر حکم فرمایا ہوجا وہ فوراً ہوجاتا ہے یہ تمہارے رب سے حق ہے (فلہذا اے سامعین) شک والوں سے نہ ہونا پھر لیں اے محبوب! (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں اس کا علم آچکا تو انہیں فرماؤ آؤ! ہم اپنے اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانیں اور تمہاری جانوں کو بلائیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ تعالےٰ کی لعنت بھیجیں بے شک یہی سچا بیان ہے اور اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ تعالےٰ ہی غلبہ والا حکمت والا ہے۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو بے شک اللہ تعالےٰ فساد کرنے والوں کو

خوب جانتا ہے ۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۵۶)

سمجھ لو کہ مہلت اس کے لیے نقصان و خسران کا موجب ہے ۔

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے بعض دوستوں کو فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالٰی کے عدل کے غلبہ کا خوف رکھنا لازم ہے ہاں، اس کے فضل سے بھی نا امید نہ ہونا چاہئے۔ البتہ اس کی خفیہ تدبیر سے بھی ڈرنا ضروری ہے۔ اگرچہ وہ کریم تمہیں بہشت کا مالک بھی بنا دے ۔

حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ بہشت میں کیا کیا گیا اور اقوام گذشتہ کو عام حکم ہو چکا تھا کہ بے شک کھاؤ پیو۔ کما قال :

کلوا واشربوا هنیا بما اسلفتم فی الایام الخالیه

اس کے بعد ان پر ناراضگی ہوئی تو تمام نعمتیں چھین لیں اس سے اور کیا مزید لاپرواہی کا مظاہرہ ہو سکتا ہے اور لوگوں کے لیے اس سے مزید بدنصیبی اور کیا ہو سکتی ہے ۔

(تفسیر آیات صفحہ نمبر ۲۵۷)

تفسیر عالمانہ

اِذْ قَالَ اللّٰهُ ، یاد کیجئے جب فرمایا اللہ تعالٰی نے یٰعِیْسٰۤى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ ، اے عیسٰی علیہ السلام میں تمہارے اجل کو مکمل کرنے والا ہوں اس کا معنٰی یہ ہے کہ میں تمہیں دشمنوں سے بچانے والا ہوں اور تیری حفاظت کروں گا۔ اس میعاد تک جو میں نے تیرے لیے لکھی ہے اور تم اپنی طبعی موت مرو گے نہ کہ کسی سے مقتول ہو کر۔ وَرَافِعُكَ ، اور اب میں تمہیں اٹھانے والا ہوں ۔ اِلَیَّ ، اپنی طرف یعنی ایسے مقام کی طرف جو نہایت برگزیدہ ہے اور ملائکہ کے ساتھ گذارنے کی جگہ کی طرف ۔ اور تمہارا میری طرف اٹھایا جانا تمہارا اعزاز و اکرام ہے ۔ اس کی مثال جیسے ابراہیم علیہ السلام نے کہا :

"انی ذاهب الی ربی سیهدین"

اس سے ابراہیم علیہ السلام کا عراق سے شام کی طرف تشریف لے جانا اعزاز و اکرام ہے اسی لیے حجاج کو زوار اللہ (اللہ کے زائرین) اور مجاورین کو جیران اللہ (اللہ کے ہمسائیگاں) کہا جاتا ہے اور یہ سب کچھ بطور اعزازاً و اکراماً ہوتا ہے ورنہ اللہ تعالٰی کے لیے مکانیت ممتنع ہے ۔

وَمُطَهِّرُكَ ، اور تجھے پاک کرنے والا ہے یعنی بعید کرنے اور ہٹانے والا ہے ۔ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ، ان سے جنھوں نے کفر کیا یعنی ان کی بُری ہمسائیگی اور گندی صحبت اور خراب معاشرت ہے ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمان سے زمین پر تشریف آوری بعض نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت میں آسمان سے حاکم عادل کی حیثیت سے زمین پر اتریں گے، صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ مقرر کریں گے مال اتنا کثیر ہو جائے گا کہ کوئی بھی اسے قبول نہ کرے گا۔ ان کے زمانہ میں سوائے اسلام کے باقی ادیان باطلہ مٹ جائیں گے اور وہ تشریف لاکر دجّال کو قتل کریں گے۔ دجال کے قتل کرنے کے بعد عرب عورت سے نکاح کریں گے۔ اس سے آپ کے بچے بھی پیدا ہوں گے۔ اس کے بعد آپ کا وصال ہو جائے گا۔ نزول کے بعد وصال تک چالیس سال عمر مبارک پوری کر کے فوت ہوں گے۔ آپ کا جنازہ اہل اسلام پڑھیں گے۔ آپ نے دعا مانگی تھی کہ اللہ تعالےٰ انھیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا امتی بنا دے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ ، اور اللہ تعالےٰ تیرے تابعداروں کو بنانے والا ہے۔ الخ سے اہل اسلام مراد ہیں۔ اس لیے انھوں نے ہی اصل اسلام میں عیسیٰ علیہ السلام کی تابعداری کی۔ اگرچہ طرائق و شرائع مختلف ہوتی رہیں لیکن درحقیقت سب کے سب ایک ہیں۔ چنانچہ گزرا۔ اس سے وہ لوگ مراد نہیں جنھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی یا ان پر جھوٹے بہتان تراشے، جیسے یہود و نصاریٰ (جھوٹے مدعی) مراد نہیں

فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ، ان کافروں سے اُونچے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دھوکا کر کے ان کے طریقے پر نہ چلے جیسے یہودی۔ بفضلہٖ تعالےٰ اہل اسلام عزت اور مرتبہ اور حجت میں ان پر فوقیت رکھتے ہیں۔

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ، یہ جاعل الذین ... الخ کے جعل کی غایت ہے۔ اس کا یہ معنٰی نہیں کہ اللہ تعالےٰ کے معاملہ کا انتہا ہو جائے گا اور کفّار کی ذلت سے جان چھوٹ جائے گی بلکہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ اہل اسلام کفار پر اس غایت تک غالب رہیں گے۔ اس غایت کے بعد جیسے چاہے گا کرے گا۔

ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ ، پھر تمھارا میری طرف قیامت میں لوٹنا ہو گا۔ اس ضمیر خطاب سے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین مراد ہیں اور تغلیباً کفار بھی مراد ہو سکتے ہیں جب کہ از قبیل التفات بنایا جائے۔ اور یہ طریقہ تبشیر اور انذار کے لیے زیادہ بلیغ ہے۔

فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ، جب تم میری طرف رجوع کرو گے تو تمھارے مابین فیصلہ کروں گا۔ **فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ** ۝ ان امور دین میں جو تم آپس میں اختلاف کرتے ہو۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا ، پس کافروں کو تو بہت سخت عذاب دوں گا۔ دنیا میں تلوار اور قید سے اور یہ جزیہ لے کر اور بیماریوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر کے۔ اس لیے کہ

یہ کافر کے حق میں سزا اور مومن کے لیے جزا ہوتی ہیں۔

سوال: مصائب وامراض مومن کے لیے جزاء کا کیا معنیٰ؟

جواب: اس لیے کہ مومن کو امراض ومصائب میں مبتلا کرنے سے اس کی آزمائش مطلوب ہوتی ہے۔

وَ الْاٰخِرَةِ: اور آخرت میں جہنم کے عذاب میں مبتلا کرکے۔ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○ ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالےٰ کے عذاب سے انھیں کوئی چھڑانے والا نہیں ہوگا۔

ف: جمع کا صیغہ ضمیر جمع کے لیے مقابلۃً لائی گئی ہے۔ یعنی ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، اور وہ لوگ جو آپ کے لائے ہوئے احکام پر ایمان لائے۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور نیک عمل کیے جیسے اہلِ ایمان کا شیوہ ہے۔ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ، تو اللہ تعالےٰ ان کے اعمال کا انھیں پورا اجر دے گا۔ یعنے کامل طور پر ان کے اعمال کا اجر عنایت فرمائے گا۔

سوال: مخاطب کے ضمائر وصیغہ کے بعد اب غیبوبت میں کیا راز ہے؟

جواب: تعذیب واثابت دونوں مصدروں کا ذکر سابقاً ہوا ہے اور یہ دونوں دو مختلف حیثیتیں ہیں بوجہ جمال وجلال کے۔

وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○ اور اللہ تبارک وتعالےٰ ظالمین سے محبت نہیں کرتا یعنی ان سے بغض کرتا ہے اور ان سے راضی نہیں۔

ذٰلِكَ، یہ عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کے ان حالات کی طرف اشارہ ہے جو ابھی بیان ہوئے۔ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ ہم آپ کو اے حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم پڑھ کر سناتے ہیں۔

سوال: آیت میں تلاوت کا اسناد اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف کیوں فرمایا۔ حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے تلاوت کرنے والا تو وہ فرشتہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک پہنچانے پر مامور فرمایا تھا؟

جواب (۱): یہ اسناد مجازی ہے علی طریق اسناد الفعل الی السبب الآمر۔

(۲) اس میں قرآن پاک لانے والے فرشتے یعنے جبرائیل علیہ السلام کی تعظیم بلیغ وتشریف عظیم مطلوب ہے۔

سوال: اس طریق سے تعظیم کیسی جب کہ عینیت کا شائبہ ہوتا ہے؟

جواب: یہاں یونہی مناسب بلکہ احسن تھا کہ چونکہ جبریل علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک پہنچانے کا حکم دیا تھا۔ بنابریں جبریل علیہ السلام کا پڑھنا گویا خود اللہ تعالےٰ کا پڑھنا ہے اس لیے کہ اس وقت جبریل علیہ السلام کے بجائے اللہ تعالےٰ کی طرف تلاوت کو منسوب کیا گیا۔

مِنَ الْاٰيٰتِ۔ یہ نتلوہ کی ضمیر منصوب سے حال ہے یعنے وہ علامات جو آپ کی رسالت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس لیے کہ یہ وہ علامات ہیں کہ سوائے کتاب اللہ کے قاری کے اور کسی کو معلوم نہیں ہوسکتیں یا وہ جان سکتا ہے۔

جس کی طرف یہ آیات اتریں اور ظاہر ہے کہ آپ نہ لکھتے ہیں اور نہ کسی سے جا کر پڑھتے ہیں، تو لا محالہ ماننا پڑے گا کہ واقعی یہ آیات وحی ربانی ہیں۔

وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝ اور ذکر یعنی قرآن حکیم۔ یعنی وہ قرآن جو حکم پر مشتمل ہے یا حکیم بمعنے محکم ہے یعنے قرآن ایسا محفوظ کلام ہے کہ اس میں خلل ونقصان کا شائبہ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ! علیہ السلام میں تجھے صفات نفسانیہ اور اوصاف حیوانیہ سے فوت کرنے والا ہوں اور جذبات عنایت سے تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ انسان جب تک ماسوائے اللہ سے فانی نہ ہو جائے اسے معرفتِ الٰہی کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔ عیسیٰ علیہ السلام جونہی آسمان پر تشریف لے گئے تو ان کی ملائکہ جیسی حالت ہو گئی کہ ان سے شہوات، غضب اور اخلاقِ ذمیمہ مٹا دیئے گئے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کو شہوات سے روکے اور ہدایت کے راستوں پر چلے۔ قرآنی آیات سے نصیحت حاصل کرے تاکہ دائمی نعمتوں تک پہنچ سکے۔ اور ظلم سے بھی کنارہ کش رہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالےٰ کو ظلم بالکل پسند نہیں۔

چنانچہ فرمایا:

واللہ لا یحب الظلمین، یعنی ظالم سے وہ لوگ مراد ہیں جو مدۃ العمر غیر اللہ کی طلب میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ؎

خلاف طریقت بود کا ولیاء
تمنا کنند از خدا جز خدا

ترجمہ: یہ طریقت کے خلاف ہے کہ اولیاء اللہ ذاتِ خدا کے سوا اس سے کچھ اور مانگیں۔

اہل طریقت سے وہ لوگ مراد ہیں جو صفاتِ دل سے غیر اللہ کا نقش مٹانے اور اوصاف ذمیمہ سے نفوس کو پاک و صاف کرنے میں کوشاں رہتے ہیں اس لیے کہ یہی اوصاف مذمومہ سالک کو عروج الی سماء المعرفۃ وعلو الوصال کے مرتبہ سے مانع ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

حکایت:

آن یکے نحوی بکشتی در نشست
رو بکشتیبان نہاد آن خود پرست

گفت ہیچ از نحو خواندی گفت لا
گفت نیم عمر تو شد و رفناً
دل شکستہ گشت کشتیبان زتاب
لیک آں دم کرد خامش از جواب
بازکشتی را بگرابے فگند !
گفت کشتیباں بآن نحوی بلند
ہیچ دانی آشنا کردن بگو
گفت نے اے خوش خواب خوب رو
گفت کل عمرت اے نحوی فناست
زانکہ کشتی غرق ایں گردابہاست
محومی باید نہ نحو ایں جا بداں !
گر تو محوی بے خطر در آب رواں
آب دریا مردہ را بر سر نہد
در بود زندہ ز دریا کے رہد
چوں بمردی تو زاوصاف بشر
بحر الرارت نہد بر فرق سر

خلاصہ حکایت ایک نحوی صاحب دریا عبور کرنے کے لیے کشتی میں بیٹھے بیٹھے ملاح سے پوچھنے لگے کہ بابا تو نے نحو پڑھی ہے؟ ملاح نے کہا: نہیں۔ نحوی نے کہا، تیری آدھی زندگی برباد گئی۔ ملاح اس وقت تو خاموش رہا لیکن جب کشتی دریا کے گرداب میں پہنچی تو ملاح نے نحوی صاحب سے پوچھا، جناب آپ تیرنا جانتے ہیں۔ نحوی نے کہا، نہیں۔ ملاح نے کہا: اب اپنی خیر منائیے۔ آپ کی زندگی ہی نہیں رہے گی۔ مولانا نے فرمایا کہ تم نحوی بننے کی بجائے محوی بنو تاکہ تمہیں بحرِ معرفت کے اسرار نصیب ہوں۔

سبق اس سے معلوم ہوا کہ جو غیر اللہ کے طالب ہیں وہ شہوات و خواہشات کے دریا میں ڈوب کر مر جاتے ہیں جب اس دریا میں ڈوبتے ہیں تو پھر اس سے ان کا باہر نکلنا مشکل ہو جاتا ہے اور جو حضرات وجود کے چھلکے سے صاف ہو گئے اور فنا پاکر عالم شہود میں جاگزیں ہوئے اور وہاں وہ نورانی پروں سے اڑتے پھرتے ہیں۔ ان کا حال ملائکہ مقربین جیسا ہو جاتا ہے اس لیے کہ وہ دنیا کے گورکھ دھندوں سے جان بچا گئے اور جسم و جسمانیات کے علائق سے چھوٹ گئے

اللہ تعالٰے نے فرمایا :

"ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوات والارض" یعنے زمین وآسمان میں حیات جسمانیہ اور تعلقات بدنیہ سے فارغ ہو جاؤ۔ اور پھر ارادہٴ ملکوتیہ ونفوس جبروتیہ کے گروہ میں شامل ہو کر حضرت علیہ میں پہنچ جاؤ لیکن جتنی پرواز کروگے اللہ تعالٰے کے ملک سے باہر نہیں جاسکو گے یعنے اس کی حجت بینہ سے ہی یہ مرتبہ حاصل کرسکوگے اور حجت بینۂ سے توحید اور تفرید و تجرید بالعلم والعمل والفنا فی اللہ مراد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، ملکوت السمٰوات میں اسے سیر نصیب ہوتی ہے جو دوبارہ پیدا ہوتا ہے۔

ولادت دو قسم کی ہے :

(۱) اضطراری یعنی اللہ تعالٰے کا پیدا کرنا۔ اس میں کسب واختیار کو کسی قسم کا دخل نہیں۔

(۲) اختیاری، یہ کسب سے حاصل ہوسکتی ہے۔

انہی دو قسموں کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اشارہ فرمایا۔ اللہ تعالٰے ہم سب کو اس کی توفیق بخشے جسے وہ پسند کرے اور جس سے محبت کرتا ہے اور ہمارے نفوس کا اپنے فضل وکرم سے علاج فرمائے۔ بے شک وہ ہر شے پہ قادر ہے اور وہ مشکل کو آسان کرنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی، بے شک عیسیٰ علیہ السلام کی مثل یعنی اس کا وہ شان جو عجائب میں ہے۔ عِنْدَ اللّٰہِ، اللہ تعالٰے کے ہاں یعنے اس کی تقدیر اور اس کے حکم میں۔ کَمَثَلِ اٰدَمَ جیسے آدم علیہ السلام کی حالت بھی عجیبہ ہے کہ اس میں نہ کوئی شک کرنے والا شک کرسکتا ہے اور نہ ہی جھگڑنے والا جھگڑ سکتا ہے۔ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ، اسے اللہ تعالٰے نے مٹی سے پیدا فرمایا۔ یہ مَثَل کی تفسیر ہے اعراب کے لحاظ سے اس کا کوئی محل نہیں۔ یعنے اللہ تعالٰے نے آدم علیہ السلام کے جسم کو مٹی سے پیدا فرمایا۔

سوال : خلقہ کی ضمیر آدم علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے حالانکہ اس وقت تو وہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ تو اس وقت مٹی کا ڈھیر تھا۔ اور وہ مٹی کا ڈھیر آدم علیہ السلام نہیں تھے۔ گویا یوں کہو کہ وہ اس وقت موجود بھی نہیں تھے ضمیر لوٹانے کا کیا معنٰے ؟

جواب : چونکہ وہی مٹی کا ڈھیر حضرت آدم علیہ السلام کا جسم تیار ہونے والا تھا جس کا نام آدم علیہ السلام رکھا جانے والا تھا اس لیے مایئول کا اعتبار کرتے ہوتے اسے موجود قرار دے کر ضمیر لوٹائی گئی ہے۔

ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ، پھر اللہ تعالٰے نے اسے فرمایا : ہو جا۔ یعنے اس مٹی کے ڈھیر کو انسان بنا لیا۔ فَیَکُوْنُ پس وہ ہو گیا۔

سوال : عبارت کا تقاضا تھا کہ یہ بجائے فیکون کے فکان ہوتا یعنے جسے اللہ تعالٰے نے حکم فرمایا ویسے ہی ہو گیا ؟

جواب: ماضی سے مضارع کی طرف عدول کرنے میں حکایت مطلوب ہے یعنے آدم علیہ السلام کا وہ حال بتانا مقصود ہے کہ جس پر وہ آئندہ چل کر ہوں گے یعنے یہ دکھانا ہے کہ وہ آدم علیہ السلام جن کا ابھی نقشہ قضاء و قدر کے تصور میں ہے وہ صورۃً مشاہدہ میں یونہی ہوں گے جیسے ابھی ان کی شکل و صورت ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ وفد نجران مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا۔ وہ اس وقت اپنی قوم کے منتخب اور برگزیدہ چودہ افراد تھے ان میں ایک ان کا قائد تھا، اور ان کا امام تھا۔ اس کا نام اہیب تھا۔ اس کے پیچھے ان کا صاحب رائے تھا اس کا نام عبدالمسیح تھا، تیسرا ان میں ابوحارثہ بن علقمہ الاسقف تھا۔ وہ بھی بڑی شان و شوکت رکھتا تھا بلکہ اس کا مقام اتنا بلند تھا کہ رومی بادشاہ نے اس کے لیے ایک بہترین عبادت گاہ تیار کرائی اور اس کے پاس اعلیٰ قسم کے تحائف بھیجا کرتا۔ بہرحال وہ تینوں مسجد نبوی میں حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عصر کے بعد حاضر ہوئے۔ وہ بہترین لباسوں میں ملبوس تھے اور نہایت شان و شوکت سے آئے اور آتے ہی مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے شروع ہو گئے اور مسجد نبوی میں اپنے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خیال ہوا کہ انھیں مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے سے روک دیا جائے۔ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: انھیں مت روکو۔ جیسے پڑھ رہے ہیں، پڑھنے دو۔ وفد کے آنے سے پہلے سورہ آل عمران کی پہلی چند آیات نازل ہو چکی تھیں۔ جن کا مضمون یہی تھا کہ وہ آپ کے پاس آئیں گے اور آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق سوال و جواب کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ پھر یہی ابوحارثہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کے ساتھ دوسرا ساتھی بھی تھا۔ آپ نے ان دونوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

اسلما (مسلمان ہو جاؤ)۔

انھوں نے کہا:

اسلمنا قبلك (ہم تو آپ سے پہلے مسلمان ہیں)۔

آپ نے فرمایا:

تم جھوٹ بولتے ہو تمھیں اسلام لانے سے تین چیزیں روکتی ہیں:

① صلیب کی عبادت۔
② خنزیر کا کھانا۔
③ تمھاری بدگمانی کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔

انھوں نے کہا:

یا محمد فلم تشتم صاحبنا عیسی (اے محمد! (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے آقا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو گالی کیوں دیتے ہیں۔

آپ نے فرمایا :
ہاں، وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول اور کلمہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بی بی مریم کے پیٹ سے پیدا فرمایا۔
اس سے وہ ناراض ہوکر کہنے لگے :
کیا آپ ثابت کرسکتے ہیں کہ کوئی بھی باپ کے بغیر پیدا ہوسکتا ہے؟ اور یہ تم مانتے ہو کہ جس کا باپ نہ ہو وہ خدا ہوتا ہے۔
آپ نے فرمایا :
آدم علیہ السلام کا باپ ہے نہ ماں۔ لیکن اس سے تو لازم نہیں آتا کہ وہ خدا تعالیٰ کے بیٹے ہوں۔ یہی حال عیسیٰ علیہ السلام کا ہے وہ جو ماں باپ کے بغیر پیدا ہو وہ زیادہ عجیب وغریب ہے بہ نسبت اس کے جو صرف باپ کے بغیر پیدا ہو۔
آیت میں اللہ تعالیٰ نے غریب کو اغرب سے تشبیہ دی ہے تاکہ بالمقابل کے ظن فاسد کا پورے طور پر قلع قمع ہو جب کہ وہ معمولی سی غرابت سے دھوکہ کھا گئے۔ اس سے اور بڑی غرابت کو دیکھ کر ان کا کچھ تو ہوش ٹھکانے لگے۔
اَلْحَقُّ یعنے وہ جو ہم نے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کا واقعہ بیان کیا ہے وہ حق اور وہ ہونے والا ہے۔
مِنْ رَّبِّكَ ، تیرے رب سے۔
نصاریٰ کا قول غلط ہے جب کہ وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بی بی مریم نے خدا کو جنا وغیرہ وغیرہ (معاذ اللہ)
فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۞ پس تم شک کرنے والوں سے نہ ہو جاؤ۔ یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے محض جوش دلانے اور مذکورہ بالا حکم پر برانگیختہ کرنے کی بنا پر تاکہ اس عقیدہ پر مزید استحکام ہو۔
ازالہ وہم قاعدہ ہے کہ کسی معاملہ سے روکنے سے ثابت نہیں ہوتا کہ اس سے اس کا صدور بھی ہو۔ حضور علیہ السلام سے تو ما انزل الیہ پر شک کا تصور ہی نہیں ہوسکتا۔
اب آیت کا معنٰے یہ ہوا کہ اے میرے محبوب صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس حال پر آپ ہیں اس پر مداومت فرمایئے کہ آپ کو اطمینان حاصل ہو اور ما انزل پر شک کے معاملہ میں آپ بالکل بری الذمہ ہیں۔
مسئلہ : امام ابومنصور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کسی کے معصوم ہونے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ اس سے آزمائش بھی نہ ہو یا اس سے اس فعل سے منع بھی کیا جائے۔
فَمَنْ حَآجَّكَ ، پس وہ جو آپ سے جھگڑے یعنے نصاریٰ اس لیے کہ وہ ہمیشہ آپ سے جھگڑتے رہتے ہیں۔

فِیْهِ ، عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کے معاملات میں ، جب کہ ان کا ظن فاسد ہے کہ یہ باتیں ان دونوں کے لائق نہیں (جو حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے متعلق سناتے ہیں) ۔

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ، بعد اس کے کہ آپ کو علم ہوا یعنے آپ کے پاس ایسے دلائل موجود ہیں جن سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپ حق پر ہیں اور انھوں نے بھی آپ کے دلائل سنے ہیں لیکن مانتے نہیں دراصل انھیں ضلالت اور گمراہی نے اندھا کر دیا ہے ۔ فَقُلْ ، تو فرما دیجئے یعنی اب کے بعد ان سے پورے طور سے کیجئے کہ جس سے وہ حجت بازی نہ کر سکیں ۔ اور انھیں ملاعنہ (ایک دوسرے پر بددعا (لعنت کرنا) اور مباہلہ کی دعوت دیجئے اور فرمایئے ؛ تَعَالَوْا ۔ تعالیٰ سے مشتق ہے جو دراصل التصاعد کو کہا جاتا ہے ۔ گویا داعی بلندی پر ہوتا ہے اور مدعو (بلایا ہوا) نیچے پھر وہ اسے مدعو اوپر چڑھنے کو اپنی طرف بلائے ۔ اب ہر مدعو پر اس کا اطلاق ہوتا ہے وہ جہاں بھی ہو اوپر یا نیچے وغیرہ وغیرہ ۔ یعنے اہلِ کتاب لاؤ اپنی رائے اور ارادہ کو ۔ یہ اجسام کو لانے کی دعوت نہیں ۔ اس لیے کہ وہ تو اس وقت اپنے ابدان و اجسام کے ساتھ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر و موجود تھے ۔ نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ ، بلائیں اپنے اپنے بیٹوں کو ۔

سوال : لڑکوں کی کیا تخصیص ہے جب کہ ایسے مواقع پر لڑکیاں بھی بلائی جاتی ہیں ؟

جواب ؛ چونکہ لڑکے بہ نسبت لڑکیوں کے زیادہ معزز و مکرم ہوتے ہیں اس لیے جب اعلیٰ کا ذکر کیا گیا تو ادنیٰ خود بخود ضمناً مذکور ہو گیا ۔

سوال ؛ پھر عورتوں کو علیحدہ کرنے کا کیا فائدہ ؟

جواب ؛ چونکہ عورتوں سے ایک دوسرے طریق سے تعلق ہوتا ہے اس لیے انھیں علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو فرمایا ؛

وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ، اور اپنی اور تمھاری عورتوں اور اپنے نفسوں کو یعنے ہم میں اپنے علاوہ اپنے اقارب میں سے سب سے عزیز ترین کو بلائیں ۔ آپ نے پورے عزم سے مباہلہ کی طرف بلایا ۔ بلکہ اس پر انھیں ابھارا ۔ چنانچہ فرمایا ؛

ثُمَّ نَبْتَهِلْ ، پھر مباہلہ کریں ۔ یعنے جھوٹے پر لعنت بھیجیں اور کہیں ؛ لعنة الله على الكاذب منا و منكم ، ہم میں سے یا تم میں سے جو بھی جھوٹا ہو اس پر اللہ تعالےٰ کی لعنت ۔

چنانچہ فرمایا ؛

فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○ ہم جھوٹوں پر اللہ تعالےٰ کی لعنت بھیجتے ہیں ۔ اس کا عطف نبتھل پر ہے اور یہ جملہ نبتھل کے معنے کی وضاحت کے لیے ہے ۔

واقعہ مروی ہے کہ جب وہ لوگ مباہلہ کی طرف بلائے گئے تو انھوں نے کہا کہ ہمیں تھوڑی دیر مہلت چاہیئے تاکہ ہم مشورہ کرلیں۔ جب تنہائی میں مشورہ کے لیے بیٹھے تو عبدالمسیح (پادری) سے پوچھا: جناب! آپ کا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: اے نصرانیو! تمہیں معلوم ہے کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی مرسل ہیں اور وہ تمہارے آقا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حکم جیسے احکام لائے ہیں اور یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ جو قوم نبی سے مباہلہ کرتی ہے تو ان کی جڑ کٹ جاتی ہے پھر ان کا ہر ایک چھوٹا بڑا تباہ ہو جاتا ہے۔ اگر تم ان سے مباہلہ کروگے تو مر مٹو گے۔ اگر تم اپنے دین کو اچھا سمجھتے ہو اور اس پر قایم و دایم رہنا چاہتے ہو تو چھوڑو جھگڑا اور کرو کوچ اور چلو اپنے اپنے گھروں کو۔

پنجتن پاک صلی اللہ علیہ وسلم: یہ مشورہ سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو گلے لگائے اور حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ کو لیے آرہے ہیں۔ آپ کے پیچھے حضرت بی بی فاطمہ اور ان کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما چلے آرہے ہیں اور آپ انھیں فرما رہے ہیں کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔

اسقف نجران یعنی وفد کے دینی امور کے سب سے زیادہ واقف یعنے ابو حارثہ نے کہا: اے نصرانیو! یہ چہرے ایسے ہیں کہ اگر وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹ جانے کا حکم دیں تو بھی وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا۔ خبردار! تم ان سے مباہلہ مت کرو۔ ورنہ مارے جاؤگے اور ایسے تباہ و برباد ہوؤگے کہ زمین سے تمہارا نام و نشان مٹ جائے گا یعنے نصرانیوں کا بچہ بچہ صفحۂ ہستی سے قیامت تک کے لیے نیست و نابود ہو جائے گا۔ اس کے بعد نصرانیوں نے کہا: اے ابوالقاسم! (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے طے کیا ہے کہ ہم آپ سے مباہلہ نہ کریں بلکہ اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ تمھیں تمہارا دین مبارک اور ہمیں ہمارا دین۔ آپ نے فرمایا: اگر تم مباہلہ نہیں کرتے تو مسلمان ہو جاؤ۔ تمہارے لیے وہی احکام نافذ ہوں گے جو عام مسلمانوں پر۔ نصرانیوں نے کہا: یہ تو ہم سے نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا: تو پھر تیار ہو جاؤ۔ ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں گے۔ نصرانیوں نے کہا: ہم تو عرب کی لڑائی سے گھبراتے ہیں۔

جزیہ قبول البتہ اتنا کیجیے کہ ہم سے جزیہ قبول کیجئے کہ ہم ہر سال آپ کو دو ہزار حلّے پیش کیا کریں۔ ایک ہزار ماہ صفر میں اور ایک ہزار ماہِ رجب میں اور تیس ذرہیں جو خالص لوہے سے تیار کردہ ہیں لیکن اس شرط پر کہ آپ ہمارے ساتھ نہ لڑائی کریں اور نہ ہی ڈرائیں نہ ہی دھمکائیں اور نہ ہی ہمیں اپنے دین اسلام قبول کرنے پر مجبور کریں۔ آپ نے ان کی شرائط قبول فرما کر صلح نامہ لکھا اور جو معاملات طے ہوئے انھیں کتابی صورت میں لکھوا کر محفوظ فرمالیا۔

معجزہ محمدی: حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں

میری جان ہے کہ تباہی و بربادی اہل نجران کے سروں پر منڈلا رہی تھی اگر وہ مباہلہ کرتے تو وہ فوراً بندر اور خنزیر کی صورتوں میں تبدیل ہو جاتے اور ان کی وادی میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھتے اور انھیں وہ تباہی نصیب ہوتی کہ نہ صرف وہ مٹ جاتے بلکہ ان کے اہل و عیال کے ساتھ ان کے درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندوں کی بھی بیخ کنی ہو جاتی اور صرف ایک سال کے اندر اندر ان کا ستیاناس ہو جاتا۔

اِنَّ هٰذَا، بے شک وہ جو ہم نے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کا بیان کیا۔ لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ، وہ واقعات حق ہیں جھوٹی اور من گھڑت کہانیاں نہیں جو نصاریٰ بیان کرتے ہیں۔ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ، اور کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ اِلَّا اللّٰهُ، اللہ تعالیٰ کے سوا۔

سوال: اس جملہ میں 'ما' استغراقیہ کا کیا فائدہ؟

جواب: تاکہ نصاریٰ کے عقیدۂ تثلیث (تین خدا ماننا) کی پوری طور پر کٹ جائے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑا غالب اور حکمت والا ہے، یعنے جمیع مقدرات پر قادر اور جمیع معلومات کو محیط ہے نہ کوئی اس کا قدرت میں شریک ہے اور نہ ہی حکمت میں تاکہ اس کی الوہیت میں شریک نہ مانا جاسکے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا، پس اگر وہ قبول توحید اور اس حق سے انکار کریں جو آپ سے بیان کیا گیا ہے۔ باوجودیکہ وہ دلائل ظاہرہ اور براہین کا معائنہ بھی کر چکے ہیں۔ فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِالْمُفْسِدِيْنَ تو بے شک اللہ تعالیٰ مفسدین کو جانتا ہے۔ یعنے اب ان سے فیصلہ کن بات کیجئے اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیجئے۔ اس لیے کہ وہ مفسدین کے فساد کو خوب جانتا ہے اور ان کے قلبی ارادوں پر بھی مطلع ہے اور اسے معلوم ہے کہ ان کے اغراض فاسدہ کیا ہیں اور پھر ان کو سزا دینے پر بھی قادر ہے۔

ف: انبیاء علیہم السلام کے مباہلہ میں بہت زیادہ تاثیر ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان قدسی نفوس کو روح القدس سے اتصال ہوتا ہے اور انھیں تائید ایزدی نصیب ہوتی ہے اس لحاظ سے ان کا مباہلہ باذن اللہ تعالیٰ عنصری عالم میں خوب اثر رکھتا ہے۔ عالمِ عنصری عالمِ قدس سے ایسے ہی جلد اثر لیتا ہے جو واردات روح کے اندر ہوتے ہیں وہی جسم سے ظاہر ہوتے ہیں جیسے غضب و خوف اور سرور و فکر فی احوال المعشوق وغیرہ وغیرہ۔ جیسے روح کے ارادے ہوتے ہیں ویسے اعضاء کا حرکت میں آجانا وغیرہ وغیرہ اور نفوس ملکیہ کی تاثیر عالم پر پڑتی ہے جب کہ توجہ اتصالی ہو تو جو اشیاء اس سے متصل ہوں ان پر بھی اثر پڑتا ہے جس سے عناصر کے اجرام اور نفوس انسانیہ ناقصہ پر بھی اثر قبول کرتے ہیں جب کہ وہ اس کا ارادہ کرے۔ مثال کے طور پر نصاریٰ کو دیکھئے کہ مباہلہ سے پہلے بھانپ گئے کہ اگر ہم مباہلہ کریں گے تو تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اتصال (اگرچہ ناقص سہی سے) انھیں

محسوس ہوا۔ اس لیے وہ لوگ مباہلہ سے خوف کھا کر جزیہ دینے پر راضی ہو گئے۔ (کذا فی التاویلات النقاشانیہ)

ف : کچھ یہی حال ولی اللہ کا ہوتا ہے کہ جب وہ کسی بندے کو بدعا کرتے ہیں تو ان کی بدعا کا اس پر ضرور اثر پڑتا ہے کہ یا تو بیمار ہو جاتا ہے یا وہ مر جاتا ہے یا پھر مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

حکایت : شاعر بساطی نے ایک دن حضرت الشیخ کمال الدین الخجندی رحمہ اللہ تعالٰے کو مجلس مشاعرہ میں دیکھ کر ازراہِ تمسخر کہا ؎

ع از کجائی از کجائی اے بوند

حضرت الشیخ قدس سرہٗ نے فوراً اس کے جواب میں فرمایا ؎

ع از خجندم از خجندم از خجند

لیکن اس بساطی شاعر کے اس غلط رویہ سے انھیں دکھ پہنچا۔ اس کے لیے فرمایا کہ یہ نوجوان (شاعر بساطی) مخمور و مست معلوم ہوتا ہے۔ بساطی شاعر نے جب سنا کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالٰے میرے بارے میں یوں فرماتے ہیں۔ تو اس نے بالبدیہہ یہ شعر پڑھا ؎

سیہ چشمیت مردم کش خراب غمزدہ ادیم
ازاں در عین ہوشیاری سخن مستانہ می گویم

ترجمہ : سیہ چشمی مردم کش مخمور سے غمزدہ ہوں اسی لیے میں ہوشیاری میں ہوں لیکن مستوں کی طرح سخن کہتا ہوں۔

اس کے بعد حضرت الشیخ رحمہ اللہ تعالٰے کی ہجو میں یوں بکواس کی ؎

اے ملحد خجندی ریش بزرگ داری
کز غایت بزرگی دہ ریش میتواں گفت

ترجمہ : اے خجندی ملحد تو لمبی ڈارھی رکھتا ہے تیری ایک ڈارھی سے دس ڈارھیاں نکل سکتی ہیں اسی لیے تمہیں دس ڈارھیوں والا کہا جائے تو موزوں ہے۔

جب حضرت الشیخ رحمہ اللہ تعالٰے نے اس کی یہ بکواس سنی تو آپ کو اور دکھ ہوا۔ آپ کے منہ سے اس کے متعلق بددعا نکلی۔ چنانچہ آپ کے قدسی نفس کی تاثیر اس بساطی شاعر پر اثر انداز ہوئی تو وہ فوراً اسی وقت اسی مجلس میں مر گیا۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ وہ اولیاء کی بے ادبی و گستاخی سے بچے۔ ان کی بے ادبی و گستاخی سے ان کا تو کچھ نہیں بگڑتا البتہ بے ادب و گستاخ کا بیڑا ضرور غرق ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالٰے فرماتا ہے :

ولا یحیق المکر السیٔ الا باھلہ۔
کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

نالہ کند نالہ بدیں قول راست
از نفس پیر بترس اے جوان!

ترجمہ: نے فریاد کرکے سچ کہتا ہے کہ بوڑھے نفس سے اے نوجوان ڈرتا رہ۔

نسخہ کیمیائی: اللہ والوں کے دل کو راضی رکھنا اور ان کی بے ادبی وگستاخی سے بچنے سے روحانی ترقی اور بہت بڑے بلند مراتب نصیب ہوتے ہیں اور دارین میں اعزاز و احترام بڑھ جاتا ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو نوجوان کسی بزرگ کی عزت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس سن بڑھاپے میں ایک ایسا انسان مقرر فرماتے گا جو اس کی عزت افزائی فرمائے گا۔

مسئلہ: استاذ وشاگرد۔ اساتذہ کے نافرمان (شرعی) کی توبہ بھی قبول نہیں۔

حکایت: حضرت حسن ہمدانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات جعفر خالدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں موجود تھا۔ اور جاتے وقت میں گھر والوں کو کہہ گیا تھا کہ میری واپسی تک فلاں پرندہ کو بھون لینا، واپسی پر کھاؤں گا۔ جعفر خالدی نے کہا کہ آج رات میرے ہاں بسر کیجئے۔ میں نے اس سے معذرت کی اور حیلے بہانے کرکے گھر واپس پہنچا تو گھر والوں نے بھونا ہوا پرندہ پلیٹ میں رکھ کر مجھے پیش کیا۔ لیکن اچانک کتّا دروازے سے لپکا اور میرے سامنے رکھی ہوئی پلیٹ سے گوشت اٹھا لیا۔ حالانکہ اس وقت میرے سامنے کافی جماعت موجود تھی لیکن سب بے خبر بیٹھے رہے۔ وہ کتّا میرے ہاں سے گوشت کی پلیٹ اٹھا کر اپنے مقام پر چلا گیا۔ جب کتّا جلدی سے بھاگا تو ہماری خادمہ کا ڈوپٹہ اس کے پاؤں پر لپٹا تو گوشت کی پلیٹ زمین پر گر گئی۔ جب صبح کے وقت میں حضرت جعفر خالدی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت کی نگاہ میرے اوپر پڑی تو فرمایا:

من لم یحفظ قلوب المشائخ یسلط علیہ کلب یوذیہ۔ (جو بھی مشائخ کرام کو ناراض کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کتے کو مسلط کر دیتا ہے جو اسے دکھ پہنچاتا ہے)۔

حکایت: جب محمد بن الفضل رحمہ اللہ تعالیٰ کو بلخ والوں نے شہر بدر کیا تو آپ نے ان کے لیے یوں بد دعا کی:

"اللھم منعھم الصدق" (اے اللہ ان لوگوں سے صدق وصفائی دور رکھ)۔

چنانچہ ان کی بد دعا کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج تک بلخ میں کوئی سچا (نیک دل) انسان پیدا نہیں ہوا۔

(بقیہ صفحہ ۲۷۲ پر)

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا
نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا
فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ
وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَ الْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝
هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ
لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ
يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝
اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ
وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَ
مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝

ترجمہ: اے محبوب! (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرمائیے کہ اے اہل کتاب، آؤ ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے برابر ہے وہ یہ کہ اللہ تعالٰے کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ ہی کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور نہ ہی ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ تعالٰے کے سوا رب بنائے۔ پھر اگر وہ اعراض کریں تو کہو تم گواہ رہو کہ ہم ماننے والے ہیں۔ اے اہل کتاب! تم ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں کیوں حجت بازی کرتے ہو حالانکہ تورات وانجیل تو ان کے بعد ہی اتری ہیں تم عقل سے بے بہرہ ہو۔ ہاں تم ایسے ہی ہو کہ ایسی بات میں حجت بازی کر چکے ہو جس کا تمھیں علم تھا تو اس میں کیوں حجت بازی کرتے ہو جس کا تمھیں علم ہی نہیں اور اللہ تعالٰے جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی، بلکہ ہر باطل سے دور اور (پکے) مسلمان تھے اور نہ ہی وہ مشرکوں سے تھے۔ بے شک تمام لوگوں سے ابراہیم (علیہ السلام) کے زیادہ حقدار وہ تھے جو ان کی تابعداری کرتے اور یہ نبی اور ایمان والے اور ایمان والوں کا حامی کار اللہ تعالٰے ہے اور اہل کتاب کا ایک گروہ دل سے چاہتا ہے کہ کسی طرح وہ تمھیں گمراہ کردیں اور وہ گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے آپ کو اور انھیں شعور نہیں۔ اے اہل کتاب! تم اللہ تعالٰے کی آیات سے کیوں کفر کرتے ہو حالانکہ تم خود شاہد ہو۔ اے اہل کتاب! حق میں باطل کیوں ملاتے ہو اور حق کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔

تفسیر عالمانہ قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ، اے حبیب پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل کتاب یعنے یہود ونصاریٰ کو فرمایئے۔ تَعَالَوْا، آؤ۔

ربط: چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ آرزو رکھتے تھے کہ کسی طرح اہل کتاب دولتِ اسلام سے نوازے جائیں اسی لیے اب اللہ تعالٰی نے مجادلہ ومناظرہ کے طریق سے ہٹ کر دوسرا طریقہ بتایا کہ سن کر عقل سلیم والے کو انکار کی گنجائش نہ ہو۔ کیونکہ یہ طریقہ منصفانہ اور جھگڑے سے کوسوں دور ہے۔ اس کا سوائے حقیقت کے کسی دوسری جانب جھکاؤ نہیں۔ کوئی اسے تعصب سے تعبیر نہیں کرسکتا۔ کیونکہ تعصب کے شائبہ سے دور رکھا گیا ہے۔ یہ کلام ایسے بہترین مرکز پر مرکوز ہے کہ جس کی ہماری طرف بھی نسبت ہے اور ان کی طرف بھی لیکن علی سبیل الاستواء والاعتدال۔ اسی لیے قل تعالوا بمعنے آؤ۔ اس سے یہی مراد ہے کہ جس کی انھیں دعوت دی جارہی ہے۔ اس کی تعین اور اس میں غور وخوض کرنا نہ یہ کہ ایک اعتقاد کو چھوڑ کر دوسرے اعتقاد پہ آجانا جیسا کہ "تَعَالَوْا" کا تقاضا ہے کہ اس میں معنے ہوتا ہے کہ ایک جگہ سے منتقل ہوکر دوسری جگہ چلا جانا۔ اس لیے کہ تعالیٰ سے مشتق ہے اور تعالیٰ کا معنی یہ ہے کہ نیچے سے اوپر کے مکان کی طرف جانا۔ اب اس کا استعمال اکثر ہونے لگا تو اسے طلب کے معنیٰ میں استعمال کیا گیا کہ کسی جگہ جمع ہونے کی دعوت دی جائے تو یہی لفظ بولا جاتا ہے۔

اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ، ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمھارے مابین برابر ہے۔ اس میں نہ کسی رسول کا اختلاف ہے اور نہ کسی کی کتاب کا بلکہ وہ انصاف سے بھرپور ہے جو ہمارے تمھارے درمیان برابر ہے اس میں ایک دوسرے کے مسلک کی ترجیح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور یہ ہے کہ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ، ہم اللہ تعالٰی کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں۔ یعنے عبادت کا مستحق سوائے اس کے اور کسی کو نہ سمجھیں اور اس میں ہم اور تم پُرخلوص ہو جائیں۔ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا یعنے استحقاقِ عبادت میں اس کا کوئی شریک نہ بنائیں بلکہ کسی کو اس کا اہل بھی نہ مانیں۔ وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط اور نہ ہی ایک دوسرے کو اللہ تعالٰی کے ماسوا رب مانیں مثلاً یہ کہ کہیں عزیر بن اللہ یا عیسیٰ بن اللہ (معاذ اللہ) اور نہ ہم علماء کی وہ باتیں مانیں جو انھوں نے از خود دین میں نکالی ہیں کیونکہ اپنی طرف سے ایجاد بندہ کے طور پر چند چیزیں حلال اور چند حرام دے دیں۔ کیونکہ وہ سب کے سب ہمارے جیسے انسان ہیں۔

ف: حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ اللہ تعالٰی کی نافرمانی کرکے کسی غیر کی اطاعت کروں یا غیر قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھوں۔ یعنے صرف اللہ تعالٰی کی اطاعت کروں گا اور صرف قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھوں گا۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا۔ پس اگر وہ روگردانی کرتے ہیں اس سے کہ جس کی طرف آپ انھیں بلاتے ہیں یعنے اللہ تعالیٰ کی

توحید و ترک الاشراک ۔ فَقُوْلُوا تو اے مومنین کہو کہ اِشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ گواہ ہو جاؤ کہ ہم مسلمان ہیں ۔ یعنی اب تم پر حجت قایم ہوگئی اور معترف ہو جاؤ کہ صرف ہم ہی مسلمان ہیں ۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات گرامی

مکتوبِ گرامی (۱) : مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قیصر روم کی طرف مکتوب گرامی لکھا جس کا مضمون مندرجہ ذیل ہے :

اصل عبارت	ترجمہ
عن محمد رسول الله الی هرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الهدی ۔	یہ خط حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہرقل عظیم الروم کی طرف یہ کہ سلام ہوں اُس پر جو ہدایت کی تابعداری کرتا ہے ۔
امّا بعد !	امّا بعد !
فانی ادعوک بدعایة الاسلام اسلم تسلم ۔	میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں ۔ مسلمان ہو جا سلامتی پا جائے گا ۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کی شرح قولہ علیہ السلام اسلم تسلم ..... الخ یعنی اسلام قبول کرلے دنیا میں قید سے بچ جائے گا اور آخرت میں عذاب سے جب کفار کو جہنم میں ڈالا جائے گا ۔ اور تو مسلمان ہو جا تجھے دوہرا ثواب ملے گا اور اگر تو انکار کرے گا تو رعایا کا گناہ بھی تیرے سر ہوگا ۔ اے اہل کتاب ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو تمہارے اور ہمارے مابین برابر ہے وہ یہ کہ ہم اللہ تعالےٰ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں ۔ اگر وہ نہیں مانتے تو انھیں کہو کہ گواہ ہو جاؤ کہ ہم مسلمان ہیں ۔

مکتوب گرامی کا جواب صحیح حدیث میں ہے کہ جب یہ مکتوب گرامی ہرقل کے پاس پہنچا تو ہرقل نے فرستادہ سے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ والہ وسلم کے حالات پوچھے ۔ فرستادہ نے آپ کا مکمل طور پر تعارف کرایا ۔ آپ کے حالات سن کر ہرقل نے کہا : اگر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو قدم چومتا ۔ اس لیے کہ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کریمہ قدیمی کتب میں لکھے ہوئے تھے اور ہرقل آپ کو پورے طور پر جانتا تھا لیکن چونکہ اس نے اپنی شاہی کے چھن جانے کا خطرہ محسوس کیا تو لکھا :

" ہمیں یقین ہے کہ آپ سچے نبی ہیں لیکن ہم مجبور ہیں کہ ہم اس دین کو نہیں چھوڑ سکتے جو دین اللہ تعالےٰ نے اپنے پیارے

عیسیٰ بن مریم کے لیے چن لیا تھا۔

علمِ غیب نبوی اس کا جواب سن کر حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم متعجب ہوئے اور فرمایا:
لقد ثبت ملکهم الی یوم القیٰمۃ ابداً۔ (بے شک ان کا ملک قیامت تک قایم و دایم رہے گا۔

مکتوبِ گرامی (۲): حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دوسرا مکتوب گرامی کسریٰ فارس کے بادشاہ کے نام لکھا لیکن اس بدبخت نے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا مکتوبِ گرامی پھاڑ ڈالا۔ اور قاصد کو واپس لوٹا دیا۔ بلکہ قتل کی بھی دھمکیاں دی گئیں۔

اختیار اور علمِ غیب نبوی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسریٰ کی بدخلقی سے کبیدہ خاطر ہو کر بددعا فرمائی اور فرمایا: اللہ تعالےٰ نے قیامت تک کے لیے ان کا ملک پھاڑ ڈالا یعنے تا قیامت ان کی بادشاہی قایم نہیں ہو سکے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ تمام ادیان کا مسلّم ضابطہ ہے کہ عبادت خالص اللہ تعالےٰ کے لیے ہے۔ کما قال تعالےٰ:

الا نعبد الا الله ولا نشرك به شيأ۔ جیسے ہم سوائے اس کے اور کسی کی عبادت نہ کریں۔ اسی طرح اس کے سوا اور کوئی طلب نہ رکھیں۔ طلبِ رزق ہو یا امور کے اسباب۔ بس صرف اس سے ہی مانگیں۔ ایسے ہی ہم کسی دوسرے کو رب نہ بنائیں۔ اگر وہ اس قانون سے پھر جائیں تو انھیں کہو کہ تم گواہ ہو جاؤ کہ ہم مسلمان ہیں اور سرِ تسلیم خم ہے۔ اس کے حکم کے سامنے جس کی طرف اللہ تعالےٰ ہمیں بلاتا ہے یعنے توحید اور اخلاص فی العبودیۃ اور نفی الشرک کے لیے۔

نکتہ: دراصل انھیں اپنے اسلام پر گواہ بنانے میں راز یہ ہے کہ کفار مسلمانوں کے لیے قیامت توحید و اسلام کی گواہی دیں گے تو مسلمان کفار کے لیے توحید و اسلام کے انکار کی گواہی دیں گے۔

اذان کی فضیلت حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے فرمایا کہ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ تمھیں جنگل میں بکریوں کو چرانے کی محبت ہے فلہٰذا جب تم جنگل میں بکریوں کو چرانے کے لیے جاؤ تو نماز کی اذان کی آواز بلند کرو۔ اس لیے کہ مؤذن کی آواز کو سن کر کل قیامت میں ڈھیلے اور جن و انس ایمان کی گواہی دیں گے۔ بنا بریں قیامت میں کفار کا اہلِ اسلام کے لیے ایمان کی گواہی دینا الٹا ان پر حجت قایم ہوگی۔

ف: خلاصہ یہ کہ توحید ایک مضبوط رسّی اور تمام اصولوں کی جڑ ہے اور وہ جانبِ غیب سے بھینی بھینی ہوا کی طرح چلتی ہے۔ اور اسے نصیب ہوتی ہے جس کا قلب توحید کو قبول کرتا ہے۔

تنبیہ : دانا پر لازم ہے کہ وہ کتاب اللہ کی مخالفت نہ کرے اور نہ ہی اس کے مفاہیم کے سمجھنے سے اور نہ ہی اس کے معانی میں تدبیر کرنے میں بلکہ اسے چاہئے علم وعمل کی راہ اختیار کرے۔ اور جہل ضلالت وغوایت سے اجتناب کرے لیکن اس سے قبل کہ اس کے سر پر مٹی ڈالی جائے اور اسے کفن میں لپیٹا جاتے۔

حضرت مولانا ملا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

پیش کسریٰ ز خرد مند حکیماں مے رفت

سخن از سخت تریں موج دریں لجۂ غم

آن یکے گفت کہ بیماری و اندوہ دراز

وان دگر گفت کہ ناداری و پیری است بہم

حکایت ایک دن نوشیرواں کی مجلس میں تین حکیم حاضر ہوئے تو وہ ان کا کلام مصائب و شدائد کے متعلق چل نکلا کہ عالم دنیا میں کون سی بلا و مصیبت شدید ترین ہے حکیم رومی نے کہا کہ بڑھاپا اور اس کے ساتھ تنگدستی اور حکیم ہندی نے کہا کہ مرض اور بدن کی تکلیف کے ساتھ غم والم گھیر لے۔ حکیم بزرجمہر نے کہا کہ ادھر موت دکھائی دے ادھر بدعملیوں کی عادت ہو۔ سب نے بزرجمہر کے قول کو پسند کیا اور دوسرے حکماء نے بھی اس کی تائید کی۔

اللہ تبارک وتعالےٰ ہم سب کو طاعات کی لذات سے نوازے اور ہادم اللذات یعنی موت کے آنے سے پہلے نیکی کی توفیق بخشے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ ۔ اے اہلِ کتاب یعنے یہودیو! اور نصرانیو! لِمَ تُحَآجُّونَ ، تم کیوں جھگڑتے ہو۔ فِيٓ إِبۡرَٰهِيمَ ، ابراہیم علیہ السلام کی ملت (شریعت) کے بارے میں۔

شانِ نزول یہود ونصاریٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق جھگڑا اٹھایا اور ہر ایک کا یہی دعویٰ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ان کے مذہب وملت پر تھے۔ یہاں تک کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں جھگڑے تو یہ آیت اتری کہ تم کاہے کے مدعی ہو کہ وہ ابراہیم علیہ السلام تمہیں میں سے تھے۔

وَمَآ أُنزِلَتِ ٱلتَّوۡرَىٰةُ ، اور نہ تو تورات موسیٰ علیہ السلام پر اتری۔ وَٱلۡإِنجِيلُ ، اور نہ انجیل عیسیٰ علیہ السلام پر۔ إِلَّا مِنۢ بَعۡدِهِۦٓ ط ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بعد اور یہودیت ونصرانیت کے نام تم نے ان کتابوں کے نزول کے بعد رکھے ہیں۔

أَفَلَا تَعۡقِلُونَ ○ کیا تم سمجھتے نہیں ہو یعنے کیا تم فکر نہیں کرتے کہ تمہارا مذہب باطل ہے اور تمہارا جھگڑا ایک

محال بات کا ہے۔ اس لیے کہ حضرت ابراہیم و موسےٰ علی نبینا وعلیہما السلام کے مابین ایک ہزار سال کا فرق ہے پھر موسیٰ و عیسیٰ علی نبینا وعلیہما السلام کے مابین دو ہزار سال کا فرق ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کے لیے اس دین کا دعویٰ کیسا جو ان کی وفات کے ہزاروں سال بعد پیدا ہوا۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ۔ یہ جملہ مبتدا و خبر پر مشتمل ہے لیکن اس کا آغاز حرفِ تنبیہ سے کیا گیا ہے پھر اس کے بعد دوسرا جملہ مستانفہ لایا گیا ہے۔ جس میں پہلے جملہ پر عطف وغیرہ نہیں لایا گیا۔ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ نہایت درجہ کے احمق اور پاگل تھے۔ چنانچہ فرمایا:

حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ، تم اس میں جھگڑ چکے ہو جس کا تمہیں علم ہے یعنی تورات و انجیل میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی۔ فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ط پس اس میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم بھی نہیں۔ یعنے اس کا تمہاری کتابوں میں ذکر ہی نہیں۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ، جس بات میں تم جھگڑتے ہو اسے اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے۔ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اور محل نزاع کو تم نہیں جانتے۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی۔ ان دونوں مذہبوں کی تصریح اس لیے نہ ہے کہ ان کی تردید میں برہان قوی موجود ہے۔ وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا۔ اور لیکن تھے وہ حنیف۔ یعنی غلط اور گندے عقائد سے منہ موڑنے والے۔ مُّسْلِمًا ط اللہ تعالےٰ کے سچے فرمانبردار۔ اس سے یہ نہ سمجھنا کہ وہ ملتِ اسلام پر تھے ورنہ جو اعتراضات یہود و نصاریٰ پر وارد ہوئے وہی اہلِ اسلام پر وارد ہو سکتے ہیں۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اور نہ وہ مشرکین میں سے تھے۔ اس میں مشرکین کا بھی رد ہے کہ وہ بھی کہا کرتے تھے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہیں۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ، بے شک لوگوں میں ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ زیادہ قریب اور زیادہ حق وہ رکھتا ہے جو کہہ سکے کہ میں ہی ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہوں۔ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ، البتہ وہ ہیں جنھوں نے ظاہری زندگی کے زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تابعداری کی۔ وَهٰذَا النَّبِيُّ، اور یہی نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس لیے کہ انھوں نے ان کی صحیح اور سچی تابعداری کی ہے اور وہ لوگ جو اللہ تعالےٰ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی۔ اس لیے کہ یہ لوگ اصولی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے احکام کے موافق ہیں۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور اللہ تعالےٰ مومنوں کا مددگار ہے اور ان کی مدد کرتا ہے ان کے ایمان کی وجہ سے، ان کے نیک اعمال کی انھیں نیک جزا عطا فرماتا ہے۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ، اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ تم کو، کاش يُضِلُّوْنَكُمْ ط

وہ تمہیں گمراہ کر ڈالیں یعنے تمہیں دینِ اسلام سے پھیر کر دین کفر کی طرف لے جائیں۔
سوال: آیت میں ایک گروہ کا نام کیوں لیا ہے؟
جواب: اس لیے کہ ان میں بعض اسلام قبول کر چکے اور بہت نیک دل تھے۔
وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ، اور گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے نفسوں کو۔ یہ جملہ حالیہ ہے اور اس لیے لایا گیا ہے تاکہ دلالت کرے کہ مخاطبین کو بات راسخ ہوجاتے اور وہ دین اسلام پر مضبوط اور ثابت قدم ہوجائیں یعنے ان پر گمراہی چڑھ گئی ہے۔ اس لیے کہ گمراہی کا وبال انھیں پر لوٹے گا، اس لیے کہ ان کے کردار سے ان کے لیے جہنم کے عذاب میں اضافہ ہوگا۔ وَمَا يَشْعُرُونَ ○ اور وہ اسے سمجھتے بھی نہیں کہ وہ وبال اور عذاب اور ان کے کردار کا ضرر الٹا ان کے گلے پڑے گا۔

ف: جب اللہ تعالے نے بیان فرمایا ہے کہ اہلِ کتاب کا کام صرف یہی ہے کہ وہ حق سے روگردانی کرتے ہیں اور حجت قوی کو سننا ہی نہیں چاہتے وہ صرف اس حد تک محدود نہیں بلکہ وہ رسول پاک کے ماننے والوں کو مرتد بنانے میں کوشاں رہتے ہیں اور ان پر قسم قسم کے شبہات ڈالتے ہیں۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ شیطان کے شک و شبہ ڈالنے سے دینِ حق کا دامن نہ چھوڑے خواہ وہ اسے کتنا ہی گمراہی کی طرف لے جانا چاہے۔ اللہ تعالے گمراہوں اور گمراہ کرنے والوں کو ہدایت بخشے۔ اور یہ یاد رہے کہ دینِ حق کے ترک کے بعد گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ کس نے پڑھی

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کا وقت قریب ہوا تو آپ نے ہمیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جمع فرمایا۔ پھر ہم سب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے اور ہمیں فرمایا:

مرحباً شاباش! اللہ تعالے تمھیں شاد و آباد رکھے، اللہ تعالے تم پر رحمت فرمائے۔ میں تمھیں تقویٰ و طاعت کی وصیت فرماتا ہوں۔ اب میرے وصال کی گھڑی آگئی ہے، میرا اللہ تعالے کی طرف جانا قریب تر ہوگیا ہے۔ اب میری سدرۃ المنتہیٰ و جنۃ الماویٰ کی طرف تیاری ہے۔ مجھے گھرانے والے نہلائیں اور چاہیں تو انہی کپڑوں میں کفنائیں یا یمنی کپڑوں میں۔ جب تم نہلاؤ اور کفنی سے فراغت پالو تو مجھے میرے گھر ایک چارپائی پر رکھ چھوڑنا لیکن لحد کے کنارے پر۔ پھر مجھ سے تھوڑی دیر کے لیے دور ہوجانا اس لیے کہ میرا جنازہ سب سے پہلے میرے حبیب حضرت جبریل علیہ السلام پڑھیں گے پھر میکائیل پھر اسرافیل اور پھر ملک الموت۔ یہ حضرات اپنی اپنی جماعت لے کر آئیں گے۔ پھر تمھاری باری ہوگی لیکن تم بھی جماعت جماعت بنا کر حاضری دینا اور نماز جنازہ پڑھنا۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے حضور علیہ السلام کے وصال کی بات سنی تو رو لے لگے اور خوب روئے اور عرض کی : یارسول اللہ ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہمارے رب کے رسول اور مجلسوں کی شمع اور ہمارے امور کے بادشاہ جب آپ دنیا سے کوچ کر جائیں گے تو پھر ہم کہاں جائیں گے ۔ اپنے معاملہ میں کس کی طرف رجوع کریں گے ۔ آپ نے فرمایا : میں تمہیں دلیل پر چھوڑ رہا ہوں یعنے ایک ایسا واضح ، کھلا اور روشن راستہ ہے کہ وہ اپنی وضاحت میں اس کی راتیں دن میں زیادہ روشن ہیں اس راہ پر چلنے والا اسے چھوڑ کر ہلاکت کے گڑھے میں ہلاک ہو کر مرے گا ۔ میں تم میں نصیحت کرنے والے دو ناصح چھوڑے جا رہا ہوں :

(۱) ناطق

(۲) صامت

ناطق تو یہی قرآن مجید اور صامت موت ہے ۔ جب کوئی معاملہ درپیش ہوا اور وہ حل نہ ہو سکے تو تم قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنا اور جب تمہارے دل کالے سیاہ یا سخت ہونے لگیں تو تم اموات کے حالات پڑھ کر اور سن کر اپنے قلوب کو نرم اور رقیق یعنی درست کر لینا ۔

جہاں اے پسر ملک جاوید نیست
ز دنیا وفاداری امید نیست

ترجمہ : جہاں اے پسر ! برابر ہمیشہ کا ملک نہیں ۔ دنیا سے وفاداری کی امید نہیں ۔

تفسیر صوفیانہ لوگ اعتقاد و عمل کے لحاظ سے کئی قسم کے ہیں ۔ بعض تو اپنے عقائد میں مضبوط قلعہ کی طرح نہایت ہی سخت ہیں جہاں جم جاتے ہیں تو پھر وہاں سے سرِ مو ہٹنے کا نام تک نہیں لیتے ۔ اگرچہ تمام لوگ گمراہ کرنے پر سر کی بازی لگائیں ۔ یہ بہت اونچا مرتبہ ہے اور دینی امور میں یہ صرف انبیاء علیہم السلام اور اولیاء عظام کو نصیب ہوتا ہے اور مومنین چند افراد کو ۔

ف : سیدنا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے فرمایا کہ اگر پردے ہٹ جائیں تب بھی میں یقین میں بڑھ نہیں جاؤں گا یعنی میرا ایمان مضبوط ہے خواہ غیبی طور پر ہو یا اس کا معائنہ ہو جائے جیسے محسوسات میں شک کو شک کو گنجائش نہیں ۔ اسی طرح وہ اشیاء جو ان کے حکم میں ہیں ۔ (ان میں شک کو گزر نہیں)

بعض لوگ اپنے عقائد وغیرہ کے معاملہ میں ضعیف ہوتے ہیں ان میں کسی قسم کی پختگی نہیں ہوتی ۔ انہیں خواہشات کی ہوائیں جہاں چاہتی ہیں لے جاتی ہیں جب کہ ان کی عنایت ازلیہ بھی معاونت نہیں کرتی ۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ۔ لوگ سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح مختلف ہیں یعنی

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۸۰)

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ
النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ
قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ
رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝
يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا
يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى
الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى
بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ
وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ
وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاِنَّ
مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ
الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى
اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ
وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّىْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ
بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا
الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ع

ترجمہ: اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا وہ جو اہل ایمان پر اترا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ
اور شام کو انکار کر دو شاید وہ پھر جائیں اور مت یقین کرو مگر اس کا جو تمھارے دین کا پیرو ہے۔ فرمائیے
بے شک ہدایت اللہ تعالےٰ ہی کی ہے (یقین نہ کرو) کہ کسی کو ملا ہو جیسے تمھیں عطا ہوا یا کوئی تم پر
حجت کر سکے بے شک فضل تو اللہ تعالےٰ کے قبضہ میں ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالےٰ
وسعت والا علم والا ہے۔ اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالےٰ بڑے فضل والا
ہے اور بعض کتابی وہ ہیں کہ اگر تو اس کے ہاں ایک ڈھیر مال امانت رکھے تو وہ تجھے ادا کر دے گا
اور ان سے بعض ایسے ہیں کہ اگر تو ایک دینار ان کے پاس امانت رکھے تو وہ واپس نہ کریں گے،

جب تک کہ تو اس کے سر پر کھڑا رہے۔ یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر ان پڑھ لوگوں کا کوئی مواخذہ نہیں۔ اور وہ اللہ تعالٰی پر جانتے ہوئے جھوٹ باندھتے ہیں۔ ہاں جس نے اپنا عہد پورا کیا اور پرہیزگاری اختیار کی تو بے شک اللہ تعالٰی پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے بے شک جو لوگ اللہ تعالٰی کے عہد اور قسموں کے بدلے تھوڑا سا مال لے لیتے ہیں آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں اور (قیامت میں) اللہ تعالٰی ان سے بات کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر فرمائے گا اور نہ ہی انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور بے شک ان میں ایک گروہ ایسا ہے جو زبان مروڑ کر کتاب میں کجی کرتے ہیں تاکہ تمھیں گمان ہو کہ وہ بھی کتاب میں ہے حالانکہ وہ کتاب میں نہیں ہے اور وہ اللہ پر عمداً جھوٹ باندھتے ہیں۔ کسی بشر کو حق نہیں پہنچتا کہ اسے اللہ تعالٰی کتاب و حکمت و پیغمبری عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ تعالٰی کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ ہاں یہ کہے گا کہ اللہ والے ہو جاؤ۔ اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس وجہ سے کہ تم خود اسے پڑھتے ہو۔ اور نہ ہی تمھیں حکم دے گا کہ ملائکہ اور پیغمبروں کو خدا بنا لو۔ کیا تمھیں کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو گئے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۷۸)

لوگ اعمال و اخلاق اور اقوال کے گنجینہ ہیں لیکن وہ ان میں مختلف ہیں جیسے سونے اور چاندی کی کانیں مختلف ہوتی ہیں اسی طرح نیچے کے مختلف اور متفاوت درجات کے لوگ ہوتے ہیں۔

ف: شرح المصباح میں ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ طبائع کے گنجینوں میں مکارم اخلاق کے جواہر اور موتی ہوتے ہیں انھیں ریاضتِ نفوس سے نکالا جا سکتا ہے جیسے خزانوں سے موتی نہایت ہی مشکل اور دکھ اور تکلیف کے بعد حاصل کیے جاتے ہیں۔

کسی نے کیا ہی خوب فرمایا:

بقدر الکسب تکسب المعالی

ومن طلب العلی سھر اللیالی

تروم العز ثم تنام لیلا

یغوص البحر من طلب اللالی

ترجمہ: عمل سے زندگی بنتی ہے جو مراتب علیا کا طالب ہے وہ راتوں کو جاگتا ہے۔ اے سالک! عزت و مرتبہ

کا طالب ہوکر بھر راتوں کو سونا رہتا ہے جو موتیوں کا طالب ہے وہ دریاؤں میں غوطہ لگاتا ہے۔

سبق: اوتاد و ابدال سے اجتہاد و استمداد ضروری ہے پھر اللہ تعالیٰ سے امید رکھے کہ یہ راستہ آسان ہوگا اور جو اس گہرائی والے دریا کے خطرات ہیں۔ ان سے محفوظ ہو جائے گا۔

بارے کہ آسمان وزمین سر کشیدا زاں
مشکل بود بیاوری جسم و جان کشید
ہمت قوی کن از مدد رہروان عشق
کان یار را القوت ہمت توان کشید

ترجمہ: ایک بار آسمان وزمین نے سرکشی کی مشکل ہے کہ جسم و جان سے ہمت کیجئے اور رہبران عشق سے مدد حاصل کیجئے اس لیے کہ محبوب ہمت کی قوت سے نصیب ہوتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

يَآ أَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ، اے کتاب والو! اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو۔ یعنے وہ آیات جن پر تورات و انجیل شاہد ہیں جو حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں۔ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ○ اور تم جانتے بھی ہو۔ اور حال یہ ہے کہ تم اس پر خود شاہد ہو کہ واقعی وہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ، حق کو باطل سے کیوں ملاتے ہو۔ حق سے اللہ تعالیٰ کی وہ کتابیں مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام پر اتریں اور باطل سے ان کی وہ تحریف کردہ باتیں مراد ہیں جو انھوں نے اپنی خود غرضی سے ان کتابوں میں ملا دی تھیں۔ اور خلط ملط سے مراد یہ ہے کہ باطل کو حق کے رنگ میں پیش کرنا اور کہنا کہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ، اور حق کو کیوں چھپاتے ہو۔ یہاں پر حق سے مراد حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ والہ وسلم کی نبوت اور آپ کی نعت ہے۔ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ اور تم جانتے ہو کہ وہ حق ہے اور وہ تمہاری کتابوں میں بھی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ، اور اہل کتاب کے ایک گروہ یعنے ان کے مقتدا اور بڑے لیڈروں نے اپنے چھوٹے اور معمولی لوگوں کو کہا ؛ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ ، ایمان لاؤ ، قرآن پہ یعنے اس کے لیے ایمان کا اظہار کرو۔ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ، جو اہل اسلام پر نازل ہوا۔ وَجْهَ النَّهَارِ ، دن کے حصے میں۔

سوال : وجہ النہار سے اول النہار کیوں مراد لیا گیا ہے ؟

جواب : چونکہ دن کا پہلا حصہ ہی سب سے پہلے نظر آتا ہے۔ اس لیے وجہ النہار سے اول النہار مراد لیا گیا ہے یہ ایسے ہے جیسے انسان کی ملاقات کے وقت سب سے پہلے اس کا چہرہ نظر پڑتا ہے تو گویا اس کا چہرہ اس لائق ہے کہ اسے اول الاعضاء کہا جائے۔ ایسے ہی یہاں ہے۔

وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ ، اور اس کے آخری حصہ میں کفر کا اظہار کرو۔ یعنے دن کے پچھلے اوقات میں اس عقیدہ کا اظہار کرو جس پر تم پہلے ہو۔ یوں احساس دلا کر کہ ہم نے ان کے دین کو سرسری طور پر قبول کر لیا لیکن اس کے اندر غور و خوض کیا تو اس کے اندر بہت بڑی خامیاں پائیں اس لیے ہم اپنے اصلی دین کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ لَعَلَّهُمْ ، امید ہے وہ یعنے مومنین ، یَرْجِعُوْنَ ۝ یعنے جیسے تم نے رجوع کر لیا۔ ایسے ہی وہ بھی اپنے ایمان (کہ جس پر وہ اس وقت ہیں) سے رجوع کر کے تمہارے ساتھ ہو جائیں گے۔

طائفہ سے کعب بن اشرف اور مالک بن صیف مراد ہیں۔ تحویل قبلہ کے موقعہ پر انھوں نے اپنے معتقدین سے کہا کہ تم صبح کے وقت مان جاؤ اور کہو : اے مسلمانو ! وہ حکم جو تمہارے لیے تحویل قبلہ کے بارے میں اترا ہے حق ہے۔ بلکہ تم ان کے ساتھ ہو کر ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔ لیکن شام کے وقت قبلہ کعبہ سے پھر کر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگ جاؤ تاکہ وہ سمجھیں کہ جب یہ اہل کتاب (جو اہل علم ہیں اور ہم مسلمانوں سے علم میں بڑھے ہوئے ہیں) قبلہ کعبہ سے منحرف ہو گئے ہیں۔ تو پھر کیوں ہم نہ پھریں۔ امید ہے کہ اس تدبیر سے اہل اسلام دھوکہ میں آ جائیں گے۔

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا ، اور نہ ایمان لانا یعنے قلبی طور پر کسی کو نہ ماننا۔ اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ سوائے اس کے جو تمہارے دین کی اتباع کرے۔ یعنے اپنے دین والوں کو ماننا نہ کہ حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ماننے والوں کو۔ یہ اہل کتاب کے لیڈروں کا بتایا کلام ہے جب کہ ان کے حکم سے عوام نے دن کے پہلے حصہ میں قرآن اور اسلام کی تصدیق کی اور اہل اسلام سے اٹھنے بیٹھنے لگے تو ان کے لیڈروں نے انھیں بلا کر سمجھایا کہ خبردار ! یہ معاملہ صرف ظاہر تک محدود رہے قلبی طور پر انھیں ہرگز نہ ماننا اور یہ بات بھی تمہارے اور ہمارے مابین راز ہے اسے مسلمانوں کے سامنے ظاہر نہ کرنا کہ ہمارے لیڈروں نے ہمیں یوں ہی سمجھایا ہے۔ ہاں ! اگر اپنے دین والوں کے سامنے اس کا اظہار کر دو تو کوئی حرج نہیں۔

قُلْ ، اے میرے محبوب ! (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) ان لیڈروں کو فرما دیجئے۔ اِنَّ الْهُدٰی هُدَى اللّٰهِ ۙ

بے شک ہدایت صرف اللہ تعالٰے کے ہاتھ میں ہے جس کے لیے چاہتا ہے اس کی طرف راہ دکھاتا ہے اور اس پر ثابت قدم رکھتا ہے پس جب کہ ہدایت و توفیق اللہ تعالٰے کے ہاتھ میں ہے۔ تو پھر اے لیڈرو! نہ تمہارا مکر و فریب ہمیں نقصان دے سکتا ہے اور نہ ہی اور کوئی تدبیر و تجویز۔

یہ جملہ معترضہ ہے اور اس سے مفید ہے کہ لیڈروں کا مکر و فریب کسی بھی فائدہ پر مشتمل نہیں۔

اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ. بتقدیر اللام یہ جملہ فعل محذوف کی علت ہے۔ یعنے یہ تمہارا قول مکر و فریب اس لیے ہے کہ تمہاری طرح کسی دوسرے کو دیا جاتے۔ کتاب کی فضیلت اور علم نہ دیگر وجہ سے یعنی تمہارا مکر و فریب حسد کی بنا پر ہے۔ اس حسد نے تمھیں ان باتوں کے کہنے پر ابھارا ہے۔ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ. یا تمہارے ساتھ وہ جھگڑتے ہیں۔ اس کا عطف ان یوتی پر ہے اور یحاجوکم کی ضمیر جمع غائب احد کی طرف لوٹتی ہے۔

سوال: احد واحد اور ضمیر جمع؟

جواب: احد بمعنے جمع ہے۔ یعنے اے لیڈرو! تم نے مکر و فریب کی جو تدبیریں بنائیں، اس حسد کی بنا ہے یا اس لیے کہ وہ تمہارے ساتھ حجت قایم کریں یا بوجہ تمہارے اس کے ساتھ کفر کرنے کے جو تمہارے خیال میں ہے کہ تمہاری کتاب جیسی کسی کو عطا نہیں کی جائے گی۔

عِنْدَ رَبِّكُمْ، تمہارے رب کے ہاں قیامت میں یعنے قیامت میں حجت قایم کر کے تمہارے اوپر غالب ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ جسے اللہ تعالٰے کی طرف سے وحی آتی ہے اسے حق پہنچتا ہے کہ اپنے مخالفین کے خلاف اللہ تعالٰے کے ہاں حجت قایم کرے۔

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ، فرمائیے، اے محبوب! صلے اللہ علیہ وسلم کہ بے شک فضل یعنی ہدایت و توفیق اور علم و کتاب کی عطاء اللہ تعالٰی کی قدرت و مشیت میں ہے۔

يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ، اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ، اور اللہ تعالٰے کامل قدرت والا عَلِيْمٌ ۝ اور کامل العلم ہے۔ وہ اپنے کمال قدرت کی وجہ سے جس پر چاہے جتنا چاہے فضل کر دے۔ اور اپنے کمال علم کی وجہ سے اس کے تمام افعال حکمت و صواب پر مبنی ہوتے ہیں۔

يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ، مخصوص کرتا ہے اپنی رحمت کو۔ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ جس کے لیے چاہتا ہے، اللہ تعالٰے بہت بڑے فضل والا ہے۔

یہ دونوں ماقبل کا تتمہ اور تاکید کے لیے ہے۔

حسد کی مذمت: آیاتِ مذکورہ میں اشارہ ہے کہ حسد نے انسان کی طبیعت میں ڈیرا جمایا ہوا ہوتا ہے خصوصاً علماء

میں بہت زیادہ ہوتا ہے لیکن سے وہ عالم مراد ہے جو علم صرف اس لیے پڑھے کہ سفہاء کو اپنی طرف متوجہ کرے گا اور علماء کی مجلس میں بیٹھ کر شیخی بگھارے گا اور اس کے علم کی وجہ سے مال و دولت جمع کرے گا اور اس کا مقصد جاہ و جلال کا حصول ہوگا اور اہل دنیا علمی مراتب کو دیکھ کر سلام کریں گے یعنی عزت وعظمت نصیب ہوگی۔ پھر یہ ہر عالم دین سے حسد کرتا ہے۔ اور اُس کی جو بات بھی خلاف توقع سنتا ہے اسے خوب اچھالتا ہے تاکہ عوام میں اس کا مرتبہ گر جائے اور اس کی شہرت ہو اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حسد صرف دو شخصوں پر ہوتا ہے:

① جسے اللہ تعالےٰ مال دے اور وہ اسے اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ کر ڈالے۔

② وہ عالم دین جسے اللہ تعالےٰ علم وحکمت کی دولت سے نوازے۔ پس وہ اس سے فیصلہ کرتا ہے اور دوسروں کو بھی سکھاتا ہے۔

شرح حدیث: اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جیسے ان دو گروہوں پر حسد ہوتا ہے اور کسی پر نہیں ہوسکتا۔ یہود کے علماء کا حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر حسد اسی قبیل سے تھا۔

حدیث شریف کے چھ جہنمی: حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چھ شخص ایسے ہیں کہ وہ بغیر حساب کے ہی جہنم میں جائیں گے۔ عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وہ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا:

① امرا ظلم وستم کی وجہ سے۔
② عرب لوگ تعصب کی وجہ سے۔
③ دیہاتی تکبر کرنے کی وجہ سے۔
④ تاجر، خیانت کرنے کی وجہ سے۔
⑤ مزدور، جہالت کی وجہ سے۔
⑥ اہل علم، حسد کی وجہ سے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں ہر گناہ کی جڑ ہیں۔ ان سے ڈرو:

① اپنے آپ کو تکبر سے بچاؤ۔ اس تکبر نے ہی ابلیس کو حضرت آدم علیہ السلام کے سجدہ سے محروم رکھا۔

حضرت مولانا عارف جامی قدس سرہٗ السامی نے فرمایا:

لاف بے کبری مزن کاں از نشان پائے مور
در شب تاریک بر سنگ سیہ پنہاں تر است

وز درون گردن بروں آں رائگیر آساں کز اں

کوہ را کندن لبسوزن از زمین آساں تر است

ترجمہ : یہ دعویٰ نہ کر کہ مجھ میں تکبر نہیں کیونکہ یہ بہت بڑا مرض ہے۔ جیسے چیونٹی رات کی تاریکی میں سیاہ پتھر پر نظر نہیں آتی ایسے ہی مرض محسوس نہیں ہوتا۔

اس کے اندر ہی اندر میں گردن مروڑ پہاڑ کو سوئی سے توڑنا تو پھر بھی اس سے آسان ہے لیکن اس کا نکالنا آسان نہیں۔

(۲) اپنے آپ کو حرص سے بچاؤ۔ آدم علیہ السلام کو حرص نے ہی بہشت سے زمین پر تشریف لانے پر مجبور کیا کہ وہ گندم کا دانہ کھا بیٹھے۔

حضرت جامی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ؎

در ہر دلے کہ عز۔ قناعت نہاد پائے

از ہر چہ بود حرص وطمع را بہ بست دست

ہر جا کہ عرصہ کرد قناعت متاع خویش

بازار حرص ومعرکہ آز را سکشت

ترجمہ : جس دل پر قناعت نے غلبہ پاکر قدم رکھا، حرص وطمع سے اس کے ہاتھ باندھ دیتے جاتے ہیں جہاں قناعت نے اپنا سامان رکھا وہاں : حرص کی دال گلتی ہے اور نہ ہوس کو جگہ ملتی ہے۔

(۳) اپنے آپ کو حسد سے دور رکھنا چاہیئے۔ اس حسد کی بنا پر آدم علیہ السلام کے دو صاحبزادوں میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر ڈالا۔

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ؎

توانم آنکہ نیازارم اندروں کسے

حسود را چہ کنم کوز خود برنج درست

بمیرتا برہی اے حسود کین رنجیست

کہ از مشقت آں جز بمرگ نتواں رست

ترجمہ : میں تو یہی چاہتا ہوں کہ کسی کا دل نہ رنجاؤں حاسد کا کیا کروں وہ تو اپنی بیماری میں ایسا مبتلا ہے کہ مرتے دم تک وہ اسے ہرگز نہ چھوڑے گی۔

حکایت : اصمعی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا : میں نے ایک اعرابی کو دیکھا کہ وہ ایک سو بیس سال عمر کو پہنچ چکا تھا۔

میں نے اس سے پوچھا، تم نے اتنی لمبی عمر کس طرح پائی؟ اس نے کہا، میں نے کسی پر حسد نہیں کیا۔ یہ اس کی برکت ہے کہ اللہ تعالٰے نے میری عمر بڑھادی۔

حسد کا فرشتہ ، بعض روایات میں ہے کہ پانچویں آسمان پر ایک فرشتہ ہے کہ اس سے ہر بندے کے اعمال کا گزر ہوتا ہے تو وہ اعمال سورج کی روشنی کی طرح چمکیلے ہوتے ہیں لیکن فرشتہ کہتا ہے کہ اے بندہ کے اعمال ٹھہر جاؤ۔ میں حسد کا فرشتہ ہوں۔ اگر اس بندہ میں حسد ہوتا ہے تو وہ اعمال اس کے منہ پر مارے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے یہ بندہ حسد کرتا ہے، جب تک حسد کو ترک نہیں کرے گا اس کے اعمال اوپر نہیں جاسکتے۔

(اللہ تعالٰے اس بُری مرض سے تمام مومنوں کو محفوظ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین)

حسد کی علامت : حسد کی ایک علامت یہ ہے کہ جب صاحبِ حسد کے سامنے جائے تو خوشامد کرے اور جب اس سے ہٹے تو اس کی غیبت کرے اور مصیبت کی وجہ سے جزع وفزع کرے۔

شاعر نے کہا ہے ؎

واذا اراد اللّٰہ نشر فضیلۃ طویت

اتاح لھا لسان حسود

لولا اشتعال النار فیما جاورت

ما کان یعرف طیب عرف العود

ترجمہ : اللہ تعالٰے کسی کی فضیلت کو عام مشہور کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے حاسدین کی زبانیں کھول دیتا ہے۔ اگر آگ اپنے قریب والی لکڑی کو نہ جلاتی تو عود کی لکڑی کی خوشبو نہ مہکتی۔

خلاصۂ بحث : بہرحال حسد اخلاقِ مذمومہ سے ہے۔ اسے نفوس سے دور کرنا نہایت ہی ضروری اور اہم ہے۔

نسخہ برائے ازالۂ حسد : یہ بیماری کلمۂ توحید اور ذکر الٰہی کی کثرت سے دور ہوسکتی ہے۔ ہاں اللہ تعالٰے کی نشانیوں کو دیکھنے سے بھی یہ مرض دفع ہوسکتا ہے۔

ف : افرادِ انسانیہ کا علم وعمل اور عادات ودیگر صفاتِ حسنہ میں متفاوت ہونا بھی رحمتِ الٰہی ہے اور یہ صرف تقدیرِ ربّانی پر موقوف ہے جب کہ اس نے ازل میں جس طرح قلم چلایا ویسے ہی ہوا۔

نکتہ حاسد دراصل اللہ تعالٰے کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالٰے نے ہی جسے مستحق دیکھا ویسے ہی بنایا لیکن حاسد سمجھتا ہے کہ یہ کیوں ہوا۔ اس کا معنے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالٰے پر طعنہ مارتا ہے کہ اس نے غیر مستحق پر اتنا انعام واکرام فرمایا۔ اللہ تعالٰے بلند شان رکھتا ہے اس سے جو ظالم لوگ کہتے ہیں۔

حاسدین کی قرآن کریم میں مذمت

اللہ تعالےٰ نے حاسدین کی قرآن پاک میں مذمت فرمائی ہے ، کما قال :

ام یحسدون الناس علی ما اتاھم اللہ من فضلہ ۔ (کیا لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا) ۔

مسئلہ : کسی پر رشک کرنا ، یہ نہ صرف جائز بلکہ نہایت ہی مستحسن ہے ۔

ہم اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں صفات شریفہ اور اخلاق لطیفہ سے مزین فرمائے اور ہمیں رذائل خبیثہ سے دُور رکھے ۔ اٰمین یارب العالمین!

وَمِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْہُ بِقِنْطَارٍ ، اگر ان کے پاس بہت سامال امانت رکھو۔

حل لغات : یہ اس مادہ سے ہے کہ کہا جاتا ہے ، امنة بکذا ۔ یہ بار الصاقیہ ہے جو امانت سے ملصق ہوتی ہے اس لیے کہ جس شخص کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ شئے اس شخص کے ساتھ ملصق (چمٹی ہوئی) کے حکم میں ہوجاتی ہے کہ وہ شے اس کے ساتھ قریب ہوتی ہے اور اس شخص کی حفاظت کی وجہ سے وہ شے اس شخص سے متصل ہوتی ہے اور القنطار سے یہاں پر عدد کثیر مراد ہے ۔

یُؤَدِّہٖٓ اِلَیْکَ ، وہ تمہیں بلا انکار اور بغیر کمی کے ادا کرے گا ۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالےٰ کے پاس کسی قریشی نے ایک ہزار اور دوسو اوقیہ سونے کو امانت رکھا تو عند الطلب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ادا کر دیئے ۔ معلوم ہوا کہ اہل کتاب میں سے امانت میں دیانت داری کرنے والے وہی تھے جو مسلمان ہوگئے ۔ وَمِنْھُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْہُ بِدِیْنَارٍ ، اور بعض ان میں سے وہ ہیں کہ اگر اُن کے پاس صرف ایک دینار بھی امانت کے طور پر رکھو ۔

ف : یہاں پہ دینار سے قلیل عدد مراد ہے ۔

لَّا یُؤَدِّہٖٓ اِلَیْکَ ، تو وہ تمہیں واپس نہیں دے گا ۔

ف : اس سے مراد کعب بن اشرف ہے کہ اس کے پاس ایک قریشی نے صرف ایک دینار امانت رکھا تو کعب بن اشرف نے اسے واپس نہ دیا ۔ بلکہ سرے سے منکر ہوگیا ۔ تو اللہ تعالےٰ نے اس کی مذمت کی ۔

معلوم ہوا کہ امانت میں بددیانتی کرنے والے اہل کتاب سب کے سب اسلام کی دولت سے محروم ہوکر یہودیت و نصرانیت پہ قایم رہے ۔

خلاصہ تفسیر : آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل کتاب میں بعض ایسے دیانت دار ہیں کہ اگر ان کے پاس ہزاروں کے کے ہزار مال امانت رکھا جائے تو وہ با امن وامان واپس دے دیتے ہیں اور بعض ان میں ایسے بددیانت ہیں کہ ان کے

پاس معمولی رقم بھی امانت رکھی جائے تو کھا جاتے ہیں ہرگز واپس نہیں دیتے اور خیانت میں یکتا ہیں
اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ، ہاں یہ کہ تم اس پر کھڑے رہو تو ۔ یہ اعم الاحوال یا اعم الاحوال یا اعم الاوقات سے استثنار فرغ ہے یعنے وہ تمام احوال میں سے کسی حال یا تمام اوقات میں سے کسی وقت میں تمھیں تمھاری امانت ادا نہ کرے گا مگر تمھارے دائمی قیام کے وقت کہ تم ہر وقت اور ہر حال میں اس کے سر رہو۔ اس سے امانت کے تقاضا کرنے اور اس پر دلیل قایم کرنے کے بارے میں مبالغہ مطلوب ہے ۔

ذٰلِكَ ، ان کا ادائے حقوق کا ترک ۔ بِاَنَّهُمْ ، اس سبب سے ہے کہ بے شک وہ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ ، کہتے ہیں کہ ان پڑھ لوگوں کا ہمارے اوپر کوئی حق نہیں یعنے جو ہمارے مذہب (اہل کتاب) سے نہیں۔ سَبِيْلٌ ۚ اس کا ہمارے اوپر کوئی حق نہیں ، عتاب یا مواخذہ نہیں۔ 'سبیل' کی نفی سے مطالبہ کی نفی مقصود ہے۔ اس لیے مطالبہ کرنے والا اس وقت اپنے مدعا علیہ سے مطالبہ کر سکتا ہے جب کہ مطلوب تک اس کا چارہ کار ہو۔ الامی، ام کی طرف منسوب ہے اس لیے کہ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لکھتے پڑھتے نہیں تھے ۔ دراصل' ام ' اصل الشئ کو کہا جاتا ہے پھر جو نہ کچھ لکھے اور نہ پڑھے تو گویا وہ اپنے اصلی حال پہ ہے کہ انسان کا اصل حال یہی ہے کہ وہ لکھے نہ پڑھے ۔

بعض کہتے ہیں کہ حضور علیہ السّلام کو اس لیے امّی کہا جاتا ہے کہ آپ مکہ کی طرف منسوب ہوتے تھے اور مکہ کا ایک نام " امّ القریٰ " بھی ہے ۔

وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ، اور اللہ تعالٰے پر جھوٹا بہتان باندھتے تھے ۔ یہ دعویٰ کرکے کہ یہ حکم ان کی کتاب میں ہے جو منزل من اللہ ہے ۔ (معاذ اللہ) وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اور وہ اپنے متعلق جانتے ہیں کہ واقعی وہ جھوٹے اور اللہ پر افترار باندھنے والے ہیں۔ وہ اس لیے کہ ان کے ہاں ہر اس شخص پر ظلم کرنا جائز تھا جو ان کے دین کے مخالف ہو (جیسے مرزائیوں قادیانیوں لاہوری کا مذہب ہے[1] اور کہا کرتے کہ تورات میں ان کے متعلق کوئی حق نہیں لکھا گیا (جو ہمارے دین کا مخالف ہو) دراصل یہی انھوں نے اللہ تعالٰے پر بہتان تراشا۔ ورنہ تمام ادیان حقہ میں یہ مسئلہ مسلم تھا کہ امانت کا ادا کرنا واجب اور ضروری ہے اور غیر کا مال کھانا اور اسے نقصان پہنچانا اور امانت کی خیانت کرنا بالاتفاق حرام ہے ۔

بَلٰى ، ہاں ! جس کی انھوں نے نفی کی اس کا اثبات مطلوب ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ امیوں کا ان پر حق ہے ۔ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ ، جو اللہ تعالٰے کے عہد کو پورا کرتا ہے ۔

بعہدہٖ کی ضمیر من کی طرف راجع ہے ۔ جو بھی وفا کرنے والے کا عہد مکمل کرتا ہے یا اللہ تعالٰے کے اس عہد کو

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

پورا کرتا ہے جو اس سے تورات میں لیا گیا ہے اور وہ یہ تھا : اے اہل کتاب ! تم محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لانا اور امانتیں ادا کرنا۔ وَ اتَّقٰی ، اور بچتا ہے شرک اور خیانت سے۔ شرط کا جواب یہ ہے یعنے فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝ پس بے شک اللہ تعالےٰ متقیوں سے محبت کرتا ہے۔ وہ لوگ جو دھوکا کرنے اور خیانت اور نقض عہد سے ڈرتے ہیں۔

اصل میں یہ یوں ہونا چاہیے تھا : فان اللہ یحبہ۔ کیونکہ ضمیر من کی طرف راجع ہوتی ہے اور وہی جزا ہے شرط کی۔ جس سے تقویٰ مطلوب ہے یعنے اللہ تعالےٰ تقویٰ سے محبت کرتا ہے۔ لیکن اس کے بجائے المتقین لایا گیا۔ اس سے عموم مطلوب ہے کہ وہی لوگ متقی ہیں جنھوں نے اس بات کے وعدے کا ایفا کیا جب کہ وعدہ کہہ چکے ہم نبی پاک حضور محمد مصطفےٰ پر ایمان لائیں گے اور ان کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کریں گے۔

مسئلہ : آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایفائے عہد ایک بہت عظیم امر ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ طاعات دو امروں میں متصور ہے۔

(۱) التعظیم الامر اللہ ، اللہ تعالےٰ کے حکم کی عظمت کا تصور۔

(۲) الشفقہ علی خلق اللہ ، اللہ تعالےٰ کی مخلوق پر شفقت کرنا۔ اور ایفائے عہد میں یہ دونوں امر بطریق اتم پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ ایفائے عہد میں خلق اللہ کا نفع ہے اور جس فعل میں خلق اللہ کا نفع ہو۔ اس کا نام شفقت ہے۔ اور چونکہ اللہ تعالےٰ نے حکم فرمایا ہے کہ ایفائے عہد کرو تو اس کی ادائیگی میں اللہ تعالےٰ کے حکم کی عظمت کا اظہار ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

" چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہی چاروں چیزیں مل جائیں تو سمجھو وہ پکا منافق ہے۔ اور جس میں ان کی ایک پائی جائے تو اس میں منافقت کا اتنا حصہ پایا گیا یہاں تک کہ ان گندی عادتوں کا ترک کرے ورنہ سمجھے کہ اس کے اندر منافقت نے گھر کیا ہوا ہے :

(۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے یعنی اسے کسی چیز کا امین بنایا جائے اور کوئی شے اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

(۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

(۳) جب وعدہ کرے تو دھوکا دے یعنے وعدے کا ایفا نہ کرے۔

(۴) جب جھگڑے تو گالی گلوچ بکے یعنے حق سے تجاوز کرے۔

صاحب تحفہ فرماتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ منافقت کی صرف یہی علامات ہیں بلکہ اس کے علاوہ اور بھی ہیں۔ دراصل منافق وہ ہے کہ ظاہر کچھ تو باطن کچھ۔

سوال: اگر ان کے علاوہ بھی منافقت کی علامات ہوتیں تو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف ان چاروں کو محصور نہ فرماتے؟

جواب: چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ ہے کہ محل ومقام کے تقاضا پر بعض مواقع پر چند امور کو محصور فرماتے۔ حالانکہ ان کے علاوہ اور امور بھی ہوتے چونکہ اس مقام ومحل کا تقاضا یہی تھا کہ دھوکہ کرنے والوں کی مذمت ہو۔ اس لیے ایسے ہی بیان فرمایا۔

مسئلہ تصوّف ممکن ہے یہ ایفائے عہد جیسے غیر کے لیے ضروری ہے ایسے ہی اپنے لیے بھی لازم ہے مثلاً نفس کو عہد ربّانی پر پابند رکھے کہ وہ طاعاتِ الٰہی کو بجا لائے اور محرمات کو ترک کرے۔ اس لیے کہ اس طریقۂ کار سے ثواب نصیب ہوتا ہے۔ اور عتابِ الٰہی سے نجات۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ ہر آن دکھ ہو یا سکھ، خوشی ہو یا رنج اپنے عہد کے ایفاء میں کوشاں رہے اور اس پر پورے طور پر محافظت کرے۔

حکایت ایک نوجوان نے اللہ تعالے سے وعدہ کیا کہ زندگی بھر دنیا کی چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ ایک دن بازار سے گذر رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک بہترین کمربند پر پڑی جو جواہرات اور موتیوں سے جڑا ہوا تھا، اسے وہ کمربند پسند آگیا۔ لیکن وہاں سے وہ آنکھ چرا کر نکل گیا یعنے کمربند کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ چونکہ کمربند کے مالک نے اس نوجوان کو وہاں سے گزرتا ہوا دیکھ لیا تھا۔ اس کے بعد وہ کمربند چوری ہوگیا۔

کمربند کے مالک نے اس نوجوان کو پکڑ لیا اور گرفتار کرکے حاکم وقت کے ہاں لے گیا اور کہا کہ اس نے میرا کمربند چرایا ہے۔ حاکمِ وقت نے اس کی صورت درویشانہ دیکھ کر کہا کہ یہ صورت چوروں جیسی نہیں۔ کمربند کے مالک نے کہا کہ جناب! واقعی یہی میرے کمربند کا چور ہے اور میرے کمربند کی یہ یہ علامات ہیں۔ آپ اس نوجوان کی تلاشی لیں اس سے نہ ملے تو پھر مجھے سزا دینا۔

چنانچہ حاکمِ وقت نے اس کی تلاشی لی تو وہی کمربند اس نوجوان کی کمر سے بندھا ہوا ملا۔ حاکمِ وقت نے کہا: اے نالائق! تجھے شرم کرنی چاہیئے کہ لباس المومنین اور قلوب المنافقین کا مصداق تو ہے۔ نوجوان نے کمربند دیکھ کر کہا:

مولای الاقالۃ الاقالۃ (اے میرے مولا! اب مجھے معاف کردے آئندہ پھر ایسا نہیں کروں گا) لیکن چونکہ جرم صادر ہو چکا تھا۔ اس لیے حاکمِ وقت نے حکم دیا کہ اس نوجوان کے کپڑے اتارو تاکہ اسے سزا دی جائے۔ لیکن ایک غیبی آواز حاکم وقت اور حاضرینِ مجلس کے کانوں میں گونجی جسے وہ سن تو رہے تھے لیکن بولنے والا نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ آواز یوں تھی:

دعوہ ولا تضربوہ انما اردنا تادیبہ (اسے چھوڑ دو، مارومت، ہم نے تادیب کے طور پر اس

کے ساتھ ایسے کیا ہے)۔

حاکم وقت سنتے ہی فوراً نوجوان کے قدموں پر گرا اور اس کے سر کو چوما۔ اور عرض کی کہ حضرت! فرمایئے، اصل ماجرا کیا ہے۔ نوجوان نے تمام حال سنایا تو حاکم وقت حیران ہوگیا۔ اس کے بعد پڑھا واقعی ایسے لوگ بھی دنیا میں ہیں جن کے لیے حکم ہے:

والموفون بعهدهم اذا عاهدوا۔ (جب وہ وعدہ کرتے ہیں تو پورا کر دکھاتے ہیں)۔ اس کے بعد کمربند کے مالک نے کہا: آپ مجھے معاف کر دیجئے۔ نوجوان نے فرمایا: اے بندۂ خدا! اس میں تیرا کیا قصور ہے۔ یہ سب میرے اللہ تعالےٰ کا حکم تھا جو ہو کر رہا۔ اور اس کے حکم کے سوا پتہ بھی نہیں ہلتا۔

حکایت:

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خوی
چو بگذشت بر عارفے جنگ جو
گر ایں مدعی دوست بشناختے
بہ پیکار دشمن نپرداختے
گر از ہستی حق خبر داشتے
ہمہ خلق را نیست پنداشتے

خلاصۂ حکایت: حضرت بہلول دانا کا ایک عارف مدعی پر گزر ہوا۔ دیکھا کہ وہ کسی سے لڑ رہا تھا۔ حضرت بہلول دانا نے فرمایا کہ اسے اگر دوست کی معرفت نصیب ہوتی تو کسی کو دشمن نہ سمجھتا بلکہ اسے عرفان ہوتا تو ساری مخلوق کو نیست سمجھتا۔

تفسیر صوفیانہ اگر تم اسے سالک! اس معرفت سے کچھ حصہ لینا چاہتے ہو تو تمھیں بھی اپنے نفس کی تربیت کرنی چاہیئے تاکہ تمھیں "ہُویّتِ مطلقہ" کا راہ نصیب ہو وہاں تو دوئی کو مٹانا پڑتا ہے۔ پھر شان یہ ہوتی ہے کہ ہر شے میں جلوۂ حق نظر آتا ہے۔ ہم تم اور سب کو اللہ تعالےٰ اپنا مشاہدہ نصیب فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ، بے شک وہ لوگ جو خرید کرتے ہیں یعنے تبدیل کرتے اور لیتے ہیں۔ بِعَهْدِ اللّٰهِ، اللہ تعالےٰ کے عہد کے بدلے میں یعنی اس کے عوض جو انھوں نے اللہ تعالےٰ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ حضور رسول پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں گے اور امانتوں کو ادا کریں گے۔ وَ اَیْمَانِهِمْ اور اپنی قسموں کے عوض اور ساتھ اس کے کہ انھوں نے قسم کھائی تھی وہ یہی کہ کہا تھا: لتؤمنن به ولتنصرنه (اور ہم اس پر ایمان لائیں گے اور اس کی مدد کریں گے)۔

ثَمَنًا قَلِیْلًا، ثمن قلیل لے کر یعنے دنیا کے چند ٹکے لے کر۔ اُولٰٓئِكَ، وہی لوگ جن کے اوصاف قبیحہ اوپر

بیان ہو چکے ہیں۔ لَا خَلَاقَ، ان کا کوئی حصہ نہیں۔ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ، نہ آخرت سے اور نہ ہی اس کی نعمتوں سے۔ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ، نہ ہی اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرے گا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کا غضب مراد ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالك)۔ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، اور نہ ہی قیامت میں ان کی طرف دیکھے گا۔ یہ مجاز ہے اس لیے کہ قیامت میں ان کی سخت اہانت کی جائے گی اور ان پر اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی ہو گی۔ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ اور جیسے اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کی تعریف کرے گا۔ ان کی تعریف نہیں کرے گا۔ اس سے وہی تزکیہ مراد ہے جو گواہ کے لیے صفائی کا پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تزکیہ کبھی ملائکہ کرام کی زبانوں سے ہو گا۔ چنانچہ فرمایا:

والملٰئكة يدخلون عليهم من باب سلام عليكم۔ (اور فرشتے ان پر ہر دروازے سے داخل ہو کر کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو)

اور کبھی بلا واسطہ ہوتا ہے یا دنیا میں۔ چنانچہ فرمایا:

التائبون العابدون۔ (توبہ کرنے والے رجوع کرنے والے)

یا آخرت میں جیسے فرمایا:

سلام قولا من رب رحيم۔ (رب رحیم کی طرف سے ان پر سلام کہا جائے گا)

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ۝ اور ان کے لیے بڑا دردناک عذاب ہو گا۔ ان گناہوں کی وجہ سے جن کے وہ دنیا میں مرتکب ہوئے۔

وَإِنَّ مِنْهُمْ: اور بعض ان میں سے وہ ہیں۔

شانِ نزول یہ آیت ان یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی جنھوں نے تورات میں تحریف کی اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت بدل ڈالی اور ان باتوں پر رشوت لی تو یہ آیت اتری: وان منهم .... الخ اس سے وہی تحریف کرنے والے یہودی مراد ہیں۔

لَفَرِيْقًا۔ اس سے کعب بن اشرف اور مالک بن ضیف اور ان کے دوسرے ساتھی مراد ہیں۔ يَلْوٗنَ۔ یہ لیٌّ سے مشتق ہے۔ لغت میں تاگہ بٹنا۔ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ، اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ بٹتے ہیں یعنے زبانوں کو نازل کردہ حکم سے محرف کی طرف پھیرتے ہیں۔ لِتَحْسَبُوْهُ، تاکہ اس محرف کو تم گمان کرو۔ ضمیر غائب کا مرجع محرف کو اس لیے قرار دیا گیا کہ سے ایسے ہی مراد ہو سکتی ہے۔

مِنَ الْكِتٰبِ، کہ وہ محرف بھی منجملہ اس منزل کتاب میں سے ہے۔ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ، حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں۔ یہ ضمیر منصوب یعنے لتحسبوا کی ضمیر غائب سے حال ہے یعنے حال یہ ہے کہ وہ ان کے اعتقاد میں بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالٰے کی طرف سے یعنے ان کی محرف کلام۔ وَ يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اور اللہ تعالٰے پر جھوٹی باتیں بناتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ بے شک وہ جھوٹے اور اللہ تعالٰے پر بہتان باندھنے والے ہیں اور یہ تاکید اور پختہ بنانے کے لیے ہے۔ اس مضمون کو کہ واقعی وہ اللہ تعالٰے پر بہتان باندھ رہے ہیں اور عمداً ایسے ہی کر رہے ہیں۔

شانِ نزول سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما نے فرمایا کہ یہودی تورات کعب بن اشرف کے پاس لائے اور اس کے مضامین نقل کرتے وقت حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تعریف تورات میں تبدیل کر ڈالی پھر وہی کتاب قریظہ کے پاس پہنچی تو انھوں نے محرف وغیر محرف کا امتیاز ہی اٹھا دیا۔

تفسیر صوفیانہ دونوں آیتوں میں اشارہ ہے کہ بے شک وہ لوگ جنھوں نے روز میثاق میں جو وعدہ کیا توحید و طلب الوحدۃ اور اپنی قسموں کے عوض خریدتے ہیں۔ متاع دنیا اور اس کی وہ رونقیں جو حواس خمسہ اور صفاتِ نفسانیہ کے مناسب ہیں کے تھوڑے ثمن سے آخرت روحانیہ جو اخلاق ربانیہ کی خوشبوؤں کی نسیم میں سے ان کا کوئی حصہ نہیں اور نہ ہی ان سے کلام کرے گا۔ انھیں قریب بلاکر اور تعظیم و تکریم کر کے یا انھیں سمجھانے کے ارادہ پر اور نہ ہی انھیں نظرِ عنایت اور نگاہِ رحمت سے دیکھے گا تاکہ ان پر رحم فرمائے اور نہ ہی انھیں ان صفات ذمیمہ سے پاک کرے گا کہ جن کی وجہ سے وہ نارِ جہنم کے مستحق ہوں گے اور نہ ہی انھیں ان صفاتِ ذمیمہ سے پاک کرے گا جو کہ جہنم کا ایندھن ہیں اور وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کے لیے اس سے چھٹکارا نہیں ہوگا اور امور مذکورہ (یعنے نہ ان سے کلام کرے گا اور نہ نظر کرم اور نہ اوصاف مذمومہ سے صفائی وغیرہ۔) کی وجہ سے ان کے لیے بڑا دردناک عذاب ہوگا اور بے شک مدعیان معرفت میں ایک گروہ ایسا ہے کہ وہ اپنی زبان کو کتاب کے ساتھ ملاتے ہیں یعنے اسے اہل معرفت کے کلمات دکھاتے ہیں تاکہ تم اسے معرفت کی باتیں سمجھو۔ حالانکہ وہ اس کتاب سے نہیں ہوتے جسے اللہ تعالٰے نے اہل معرفت کے قلوب پر لکھا ہے اور وہ مدعیان معرفت کہتے ہیں یہ اللہ تعالٰے کی طرف سے ہے یہی تو علم لدنی ہے حالانکہ وہ اللہ تعالٰے سے نہیں بلکہ اپنے جھوٹی دعاوی کا اظہار کرکے جب کہ ان میں معانی نہیں ہے اللہ تعالٰے پر جھوٹ تراشتے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کرا جامہ پاکست و سیرت پلید
در دوزخش را نباشد کلید

ترجمہ: جس کا بظاہر کپڑا پاک (درویشانہ) ہے لیکن سیرت پلید ہے ایسے شخص کو دوزخ کی چابی کی ضرورت نہیں۔

یعنے جس کا طریقہ کار غلط ہو تو وہ سیدھا جہنم میں جائے گا۔ اس سے حساب لینے کی ضرورت ہی نہیں۔ اس لیے اس کا انجام کار جہنم ہے اگرچہ کسی سے حساب لینا بھی ایک قسم کا عذاب ہے لیکن جہنم کا عذاب اس سے کئی گنا زیادہ سخت ترین ہے۔ ؎

اگر مردی از مردئ خود مگوئے
نہ ہر شہسوارے بدر برد گوئے

ترجمہ: اگر جواں مرد ہو تو ریار کی باتیں نہ کہو اس لیے کہ ہر شہسوار بازی لے جاتا ہے۔

یعنے ہر عابد کی عبادت مبنی بر خلوص ہوتی ہے بلکہ بہت سے بظاہر تو نیک ہوتے ہیں لیکن ان کا انجام بربادی ہی ہوتا ہے۔

کسے سر بزرگی نباشد بچیز
کدو سر بزرگست و بے مغز نیز
میفراز گردن بدستار و ریش
کہ دستار پنبہ است وسبلت حشیش

ترجمہ: جس کے سر میں کچھ نہیں ہوتا کدو کی طرح اس کا سر موٹا تو ہے لیکن اندر سے خالی اور بے مغز ہے دستار اور داڑھی سے گردن نہ بڑھا اس لیے کہ پگڑی تو کپاس کی ہے اور داڑھی صرف چند بال ہیں۔ (یعنے داڑھی چند سوکھے تنکے ہیں۔)

سبق: اے جھوٹے مدعیو! معافی تلاش کرو۔ اے معرفت کے دم بھرنے والو! محبت کی طلب کرو۔ اے محبت کا دعویٰ کرنے والو! اطاعت و فرمانبرداری کا شیوہ اختیار کرو۔

شبِ معراج میں زانی عورتوں کا بُرا حال حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شبِ معراج چند عورتوں کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں مقراض ہیں اور وہ اپنے سینے کو چاک کرکے اسے ٹکڑا ٹکڑا کر رہی ہیں۔ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا تو انھوں نے عرض کی کہ یہ وہ عورتیں ہیں کہ اپنے شوہروں کے ہوتے ہوئے غیروں سے زنا کرا کر بچے جنتی تھیں۔

نتیجہ: حضرت شیخ الصفی قدس سرہ نے فرمایا کہ جو جھوٹے مدعی کہتے ہیں کہ ہم معرفت اور مقام ارشاد میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔ اس طرح کے مکر و فریب سے مالِ دنیا کماتے ہیں تو قیامت میں انھیں ان عورتوں سے ستر گنا زیادہ عذاب ہوگا۔ جو شخص قرآن کو دنیوی مال و متاع کے حصول کا ذریعہ بناتا ہے اس سے وہ افضل ہے جو باجے بجا کر یا کوئی دوسرا تماشا دکھا کر روزی کماتا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کہیں اونچی جگہ پر اچھی شئے رکھی ہوئی ہو اور اسے بھوک نے ستایا ہو۔ اب

اس کے اٹھانے کے لیے کسی شے کو پاؤں کے نیچے رکھ کر اوپر سے اٹھانا پڑتا ہے۔ اس کے پاس پاؤں کے نیچے رکھنے کے لیے یا قرآن مجید ہے یا طنبور۔ اب چاہیئے کہ طنبو کو پاؤں کے نیچے رکھ کر اوپر سے روٹی اٹھالے نہ کہ قرآن مجید کو سے

دین فروشی ما بہ کردن ہست خسران مبین

سود مند آنکس کہ دنیا صرف کرد و دیں خرید

ترجمہ: دین فروشی کرنا سخت گھاٹے کا سودا ہے۔ وہ شخص نفع پا گیا جس نے دنیا دے کر دین خریدا۔

تنبیہ: ہمارے ملک میں بہت سے گندم نما جَو فروش شیخی بگھارنے والے پائے جاتے ہیں جن کے معرفت کے دعوے تو بڑے بڑے ہوتے ہیں لیکن ان کے پلّے کچھ نہیں ہوتا۔ لوگوں کی جھوٹی باتوں سے پھنساتے ہیں بلکہ اس کے سامنے ایسے روپ دھار لیتے ہیں کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قطب زماں ہیں۔ لیکن انھیں حقیقت و معرفت کی بو تک نصیب نہیں ہوتی[1]

سبق: دانا پر لازم ہے کہ ان کے ظاہری ٹھاٹھ کو دیکھ کر ان کے دامِ تزویر میں نہ پھنسے اور نہ ہی ان کی رنگ برنگی باتوں میں پھنس کر جادۂ شریف سے ہٹے، بلکہ کوشش کرے کہ اسے حق و باطل کے مابین امتیاز حاصل ہو اور عارف و جاہل کے متعلق اسے فرق معلوم ہو سکے۔ اس لیے حق سے منہ موڑنے پر گمراہی کے گڑھے میں پھنسا ہو گا۔ اللہ تعالٰے ہم سب کو ٹیڑھے پن اور برے اعمال سے بچاتے اور اے اللہ! میری یہ دعا قبول فرما۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

مَا كَانَ لِبَشَرٍ کسی بشر کے لیے لائق نہیں۔

ربط: یہ اہل کتاب کے اس افترا کا بیان ہے جو انھوں نے انبیاء علیہم السلام پر تراشا۔ نجران کے نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہمیں عیسیٰ علیہ السلام نے حکم فرمایا تھا کہ ہم انھیں اپنا رب سمجھیں۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام ایسے افترا سے پاک تھے۔

شانِ نزول: حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک مسلمان حاضر ہوا اور عرض کی، یا رسول اللہ! صلے اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو ویسے ہی سلام عرض کرتے ہیں جیسے ہم دوسروں کو السلام علیکم کہتے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم نے فرمایا: معاذ اللہ! ہمارے لیے لائق نہیں کہ ہم غیر اللہ کو سجدہ کریں یا ہم غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیں یعنے سجدہ غیر کو صحیح نہیں اور نہ یہ مناسب ہے کہ غیر کو سجدہ کیا جائے خواہ وہ کوئی بشر ہو یا کوئی اور۔

---

[1]: کچھ یہی کیفیت ہمارے دور کے بعض مشائخ اور بعض گدی نشینوں کی ہے بلکہ اس سے بھی بدتر۔ (اویسی غفرلہ)

نکتہ : لفظ بشر کہہ کر حکم کی علت بھی بتادی گئی ہے اس لیے کہ بشریت اس اسناد (یعنے سجدہ) کے منافی ہے جیسے کفار نے سمجھ رکھا ہے کہ وہ سجدہ کا اسناد غیر اللہ کے لیے جائز مانتے ہیں۔

اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ ، یہ کہ اسے اللہ تعالےٰ وہ کتاب دے جو حق بولتی ہے اور توحید کا حکم دیتی اور شرک سے روکتی ہے جیسے تورات، انجیل اور قرآن مجید۔ وَ الْحُكْمَ ، اور حکم یعنے علم و فہم۔ وَ النُّبُوَّةَ ، اور نبوت اور کتاب کا دیا جانا حکم کے مستلزم ہے اور "حکمت"، یعنے علم وعمل کی پختگی۔ اسی لیے کتاب کو "حکمت" پر مقدم کیا ہے اس لیے کہ حکم سے شریعت کا علم اور مقاصد کتاب کا فہم اور اس کے احکام مراد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مفسرین اور اہلِ لغت متفق ہیں کہ یہاں پر حکم سے علم مراد ہے۔

چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا : و اتینا الحکم صبیًا ، یعنے انھیں اللہ تعالےٰ نے بچپن میں ہی علم عطا فرمایا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ نبی علیہ السلام پر پہلے کتاب اترتی ہے اس کے بعد اس کو اس کتاب کا فہم اور اسرار نصیب ہوئے ہیں۔ پھر وہ کتاب کو پورے طور پر سمجھ لیتا ہے۔ اس کے بعد وہی مفہوم خلقِ خدا تک پہنچاتا ہے، اس کا نام نبوت ہے۔ سبحان اللہ ! آیت میں کیسی بہترین ترتیب رکھی گئی ہے۔

ثُمَّ یَقُوْلَ ، پھر بعد اس کے کہ اللہ تعالےٰ اسے مذکورہ بزرگیوں سے نوازے اور اسے حق کی معرفت عطا فرمائے اور بلند مقامات کے بھید بتائے۔ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا ، وہ لوگوں سے کہے کہ ہو جاؤ۔ لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ، میرے بندے عبادت گزار، اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر۔ من دون اللہ کا متعلق "عباد" ہے کہ اس میں فعل کا معنےٰ یعنے عبادت کا مفہوم پایا جاتا ہے

وَ لٰكِنْ ، اور لیکن وہ کہتا ہے : كُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ ، ہو جاؤ، رب والے۔

حلِ لغات : ربانی رب کی طرف منسوب ہے۔ الف و نون زائد ہے جیسے لحیانی طویل اللحیۃ (لمبی داڑھی والا) اس میں دلالت ہے کہ جو اس صفت سے موصوف ہو تو ثابت ہوگا کہ وہ اس صفت میں اتم و اکمل ہے اور اگر صرف لحیہ (داڑھی) کی طرف منسوب ہو تو صرف "لحوی" کہا جائے گا۔ یہ اس وقت ہے جب اس میں مبالغہ مطلوب نہ ہو۔ اب ربّانی کا معنےٰ معلوم ہوا کہ الربانی ھو الکامل فی العلم ۔۔۔۔ الخ یعنے ربانی وہ ہے جو علم و عمل میں کامل اور طاعت الٰہی اور اس کے دین پر نہایت درجہ کی مضبوطی رکھنے والا ہو۔ جیسے کہا جاتا ہے : رجلِ الٰہی اس شخص کو کہتے ہیں جو معرفت الٰہی اور عبادت حق میں یکتا ہو۔

بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ بوجہ اس کے کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور بوجہ اس کے کہ تم اسے پڑھتے ہو یعنے کتاب کی تعلیم اور اس کے پڑھنے کی مداومت کرنے کی وجہ سے تعلیم کو دراست یعنے پڑھنے پر اس لیے مقدم کیا گیا کہ پڑھنے سے تعلیم کو افضلیت و فوقیت حاصل ہے۔

وَ لَا یَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَ النَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا ، اور نہ ہی انھیں حکم

دیتا ہے کہ تم ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کو خدا مانو۔

ترکیب: اس کا عطف ثُمَّ یقول پر ہے اور یہ 'لا' زائدہ ہے اور ما کان لبشرٍ کی نفی کی تاکید کے لیے واقع ہے یعنی اس بشر کے لیے لائق نہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ نے نبی بناتا ہے پھر وہ لوگوں کو حکم دے کہ وہ اسے خدا مانیں یا حکم دے کہ ملائکہ یا انبیاء علیہم السلام کو خدا مانو۔ جیسے قریشیوں اور صابئوں نے کہا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں اور یہود و نصاریٰ نے کہا کہ عیسیٰ و عزیر علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ (معاذ اللہ)

اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ کیا وہ تمھیں کفر کا حکم فرماتا ہے۔ بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو۔ یہ ان کا انکار ہے کہ جس کی بشر سے نفی کی گئی ہے۔ ایامرکم کی ضمیر بشر کی طرف لوٹتی ہے یعنی کیا وہ بشر (کہ جسے نبوت سے نوازا گیا ہے) تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم ملائکہ کی عبادت کرو یا انبیاء علیہم السلام کو سجدہ کرو بعد اس کے کہ تم توحید میں مخلص ہو گئے ہو۔ اگر (بفرض محال) وہ تمھیں ان باتوں کا حکم دیتا ہے تو وہ ان باتوں سے خود کافر ہو گیا۔ اس سے نبوت و ایمان بھی چھین لیا جائے گا۔ لیکن ایسے ہرگز نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ہر وہ شخص کہ جسے اللہ تعالیٰ کتاب و حکمت سے نوازے تو وہ تمام لوگوں سے (ہر علم میں) زیادہ علم رکھتا ہے اور اس وجہ سے وہ ان سے افضل بھی ہوتا ہے اور اس کو علم و حکمت اور نبوت وغیرہ اس سے روکتی ہیں کہ وہ الوہیت کا دعوےٰ کرے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ وحی و کتاب صرف نفوس زکیہ و ارواح طیبہ کو عطا فرماتا ہے یہ بالکل محال ہے کہ کسی بشر میں نبوت بھی ہو اور وہ مخلوق کو غیر اللہ کی عبادت کی دعوت بھی دے۔ اس لیے کہ یہ اجتماع النقیضین ہے۔

عالم بے عمل کی مذمت علم اور درس و تدریس کو ربانیہ کا ذریعہ بنایا ہے اور ربانیہ اس قوت کا نام ہے کہ جس سے طاعتِ الٰہی پر مضبوطی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس شخص کی بدقسمتی کی یہی ایک دلیل کافی ہے کہ اس نے بڑی جد و جہد کر کے اور اپنی جان کو ہلاکت کی بھٹی میں ڈال کر علم حاصل کیا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے علم کو عمل کا ذریعہ نہیں بناتا۔ اس کی مثال اس شخص جیسی ہے کہ جس نے بہترین باغ لگایا کہ جس کے دیکھنے سے پژمردہ دل شاداب ہو جائیں لیکن وہ شخص اپنے اس باغ سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھائے۔ عمل کے لیے علم ضروری ہے اور علم کے لیے عمل۔ ان دونوں میں کسی ایک کی کمی ہو تو ربّانی بننا مشکل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ عالم جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا تو وہ یقین کرے کہ اس کی اللہ تعالیٰ سے نسبت منقطع ہے۔ اس کی نسبت کا اتصال عمل سے ہی ہو گا اسی طرح جاہل عبادت گزار ان دونوں کی نسبت اللہ تعالیٰ سے صحیح نہیں۔

خلاصہ یہ کہ ربّانی نسبت کا حصول اس عمل سے نصیب ہوتا ہے جو مبنی بالعلم ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دو شخصوں نے میری یعنے دین کی کمر توڑ دی ہے:

(۱) عالم متہتک (بدعمل)

(۲) جاہل متنسک (عبادت گذار)

یہ اس لیے کہ عالم بدعمل اپنی بدعملی سے لوگوں کو دین سے متنفر کر رہا ہے اور جاہل عبادت گذار اپنی جہالت کی وجہ سے لوگوں کو جہالت کی دعوت دے رہا ہے۔ (اس سے وہ جاہل مراد ہے جسے کسی اللہ والے کی صحبت نصیب نہ ہو۔)

حدیث شریف : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، میں اس علم سے پناہ مانگتا ہوں جس میں نفع نہ ہو اور اس قلب سے بھی جسے خوف خدا نہ ہو۔

روحانی نسخہ : طالب علم اور عالم دین پر لازم ہے کہ وہ اپنے علم سے صرف رضائے الٰہی طلب کریں پھر اس پر عمل کر کے ربانی ہو جائیں۔

نتیجہ : جو شخص علم وعمل اور تعلیم وتعلم اس مقصد کے سوا کسی اور غرض کے لیے کر رہا ہے تو یقین جانیئے کہ اس کی تمام جدّ و جہد خاک میں مل جائے گی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہل حقیقت پر لازم ہے کہ وہ اپنے شاگردوں اور مریدوں اور معتقدین کی ایسی تربیت کریں کہ وہ ربانی ہو جائیں اور وہ اخلاق پیدا کریں جو ربانی لوگوں کے ہیں اور کتاب اللہ سے جتنا علم حاصل کریں اس سے بڑھ کر عمل کرنے کی جد وجہد کریں اور جس قدر اسے پڑھیں پڑھائیں اس سے کئی گنا زائد اس کے عامل بن کر دکھائیں۔ صرف اس کی درس وتدریس میں منہمک نہ رہیں بلکہ اس پر عمل کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں۔

رسمی پیروں کی گت رسمی پیروں کی بناوٹی باتوں کی طرف بھی کان نہ لگائیں اور ان مدعیوں سے بھی دور رہیں جو ولایت و حقیقت اور طریقت سے تو ناآشنا ہوتے ہیں۔ لیکن رعونت نفس کی وجہ سے ان کے دعوے دیکھو تو جنید وبسطامی (رحمہما اللہ تعالٰی) کو بھی پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور مخلوق کو دام تزویر میں پھنسانے میں طرح طرح کے مکر وفریب کرتے ہیں۔ اور اپنے بعض جہال کے اقوال پر سختی سے پابند ہوتے ہیں اور وہ اپنی مکاریوں سے خوب شکار کھیلتے ہیں بلکہ سچے طالبان حق کے سامنے بھی عجیب کھیل کھیل جاتے ہیں۔ ان غریبوں کو الٹا راہ حق سے بہکانے کی کوشش کرتے ہیں اور انہیں حق والوں کی صحبت میں آنے جانے سے روکتے ہیں اور مشائخ کے قدیمی طریقے پر چلنے کو ملّائیت[1] سے تعبیر کر کے حقیقت ومعرفت سے محروم بنا دیتے ہیں اور وہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ ہر کس ان کا جی حضوری غلام بن جائے اور جو کچھ وہ کریں اس کو ہر ایک سر تسلیم خم کرے بلکہ ان جیسا دنیا بھر کوئی عارف نہ مانا جائے جیسے ہمارے دور کے پیری مریدی کا جال بچھانے والوں کا حال ہے[2] حالانکہ یہ طریقہ ان حضرات کا نہیں ہے[3] جنھیں اللہ تعالٰی نے کتاب وحکمت

---

[1] : جیسے ہمارے دور کے بعض جاہل پیروں نے ادھم مچا رکھا ہے کہ خود تو جاہل ہیں اور اپنے مریدوں اور معتقدوں کو غریب علماء سے متنفر کرنے کے درپے ہیں۔ (اویسی غفرلہ)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور نبوت سے نوازا ہے ۔

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالٰے نے ان جیسے پیروں فقیروں کی مذمت فرمائی ہے ؎

دما دم بشویند چوں گربہ روئے

طمع کردہ در صید موشاں کوئے

(بقیہ صفحہ ۳۰۱ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۲۹۸)

ے ؛ کچھ یہی حال ہمارے دور کے بعض پیر صاحبان کا ہے بلکہ اس فقیر کا تجربہ ہے کہ یہ لوگ اس سے بھی بہت زیادہ زبوں حال ہیں ۔ اللہ تعالٰے ہدایت دے ۔

۳ ؛ مثلاً علماء کرام سے نفرت دلانے کا ایک غلط طریقہ یہ ہے کہ اور لوگوں کو علم سے دور رہنے کی ایک دلیل یہ بھی دیتے ہیں کہ سید بلھے شاہ قدس سرہٗ نے فرمایا ؛ ؎

علموں بس کریں او یار

بہتا علم عزازیل نے پڑھیا

جھگا جاہ او سیدے داسڑیا .. (وغیرہ وغیرہ)

مگر یاد رہے کہ ان کی یہ دلیل غلط ہے اور نہ ہی سید بلھے شاہ رحمہ اللہ تعالٰے کی یہ مراد ہے ۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ علم جو عارف و معروف کے درمیانی پردے نہ اٹھائے اس سے بس کرنی چاہیئے ۔ ورنہ معرفت کا علم حاصل کرنا تو از حد ضروری ہے ۔ اور اس کے تو وہ خود بھی معترف ہیں ۔

چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

اساں پڑھیا علم لدنی ایں — اوتھے شیعہ نہ کوئی سنی ایں

ساڈی سب تھیں فارغ گنی ایں — جو کہاں سو یار منہیندا اے

نیز خود فرماتے ہیں ؎

عالم فاضل میرے بھائی

پاؤ پڑھیاں میری جان جلائی

کوئی منصف ہو نہ دا رہوے

تاں گلی دسنا ہاں

حضور علیہ السلام کو تو حکم ہو کہ "قل رب زدنی علماً" اور سید صاحب اس کے منافی کلام کریں یہ بہت ناممکن ہے ۔ لہٰذا ہر ذی شعور آدمی کو ماننا پڑے گا کہ عارفین رحمہم اللہ تعالٰے علم شریعت کے ہرگز خلاف نہیں ہیں ۔ (اویسی غفرلہٗ)

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ
رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ
اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ
مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَغَيْرَ
دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّ
اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ
وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ
مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّبْتَغِ
غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝
كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ
وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ
اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا
يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا
مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۫ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ
يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ
مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ ع

ترجمہ: یاد کیجئے اے محبوب! (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب اللہ تعالےٰ نے انبیاء (علیہم السلام) سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمھیں کتاب اور حکمت دوں پھر تمھارے ہاں وہ رسول تشریف لاتے جو ان کی تصدیق کرے جو تمھارے پاس ہے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر تم نے میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے کے گواہ ہو جاؤ اور میں خود بھی تمھارے ساتھ گواہوں سے ہوں۔ پھر جو اس کے بعد عہد سے روگردان ہوا تو وہی فاسق ہیں۔ تو کیا اللہ تعالےٰ

کے دین کے سوا دوسرا دین ڈھونڈتے ہیں حالانکہ اس کے سامنے سر تسلیم خم ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں (بعض) خوشی سے (بعض) مجبور ہو کر اور سب اسی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ فرما دیجیے ہم اللہ تعالٰے پر ایمان لائے اور اس پر بھی جو ہم پر نازل ہوا اور جو ابراہیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب اور ان کی اولاد پر اترا اور اس پر جو موسیٰ و عیسیٰ و دیگر انبیاء (علیہم السلام) پر جو ان کے رب سے عطا ہوا ہم ان میں کسی پر ایمان میں تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں۔ اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین طلب کرتا ہے تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالٰے ایسی قوم کو ہدایت ہی کیونکر دے جو ایمان لا کر کافر ہو گئے اور گواہی دے چکے تھے کہ رسول سچا ہے اور ان کے ہاں کھلی نشانیاں آ چکی تھیں اور اللہ تعالٰے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالٰے اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے نہ ان پر عذاب ہلکا ہو گا اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے مگر جنھوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ تعالٰے غفور و رحیم ہے بے شک جو لوگ ایمان لا کر کافر ہوئے پھر اور کفر میں بڑھے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی اور وہی گمراہ ہیں بے شک وہ لوگ جو کافر ہوئے اور کافر ہو کر مرے سو ان کے کسی ایک سے زمین بھر سونا ہرگز قبول نہیں ہو گا۔ اگرچہ وہ معاوضہ میں خلاصی کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہ ہو گا۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۰۰)

ریاضت کش از بہر نام و غرور
کہ طبل تہی را رود بانگ دور

ترجمہ: ہر گھڑی بلی کی طرح منہ دھوتے رہتے ہیں اس کی طرح کہ وہ چوہے کے شکار میں پر امید ہوتی ہے۔ جو نام و غرور پر ریاضت کرتا ہے خالی ڈھول کی طرح اس کی آواز دور تک جائے گی۔

یعنے نقارے کی آواز بہت دور تک جاتی ہے اور اس کی آواز دور سے سنائی دیتی ہے۔ اس لیے کہ وہ اندر سے خالی ہوتا ہے۔ اسی طرح یہی رسمی پیر فقیر کہ وہ لوگوں میں تو بہت مشہور ہوتے ہیں لیکن حقیقت و معرفت کے اسرار و رموز سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ جو شخص اپنی طلب میں صادق اور واصل باللہ ہوتا ہے تو وہ شہرت کو پسند نہیں کرتا اور لوگوں کی صحبت سے نفرت کرتا ہے بلکہ اس کی شان تو یہ ہوتی ہے کہ وہ ماسوی اللہ سے فارغ ہو جاتا ہے نہ کہ اسے اپنی شہرت کا خیال ہوتا ہے اور نہ ہی لوگوں سے مال حاصل کرنے کے درپے ہوتا ہے بلکہ اسے اس شخص سے بہت پیار

ہوتا ہے جو اس سے کنارہ کش رہے سے

کسے راز دیک ظلمت پداوست
چہ دانی کہ صاحب ولایت خود اوست
در معرفت بر کسا نیست باز
کہ درہاست بر روئے ایشاں فراز

ترجمہ: جو تیری نظروں میں بُرا ہے ممکن ہے کہ وہی صاحب ولایت ہو۔ معرفت کا دروازہ اس پر بند نہیں جس کے آگے لوگوں کے دروازے بند ہیں۔

(تفسیر آیات صفحہ نمبر ۳۰۰)

تفسیر عالمانہ وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے صرف انبیاء علیہم السلام سے یہ وعدہ لیا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی تصدیق کریں بایں طور کہ جو نبی علیہ السلام اس کے بعد تشریف لائے تو پہلا نبی پیچھے آنے والے نبی علیہ السلام پر ایمان لائے اور اس کے دین کی مدد کرے اگر وہ اس کے زمانہ میں تشریف لائے۔ اگر اس کا پہلے وصال ہو جائے تو وہ اپنی امت کو حکم دے جائے کہ اگر تم آنے والے نبی کا زمانہ پاؤ تو اس پر ایمان لانا اور ان کے دین کی مدد کرنا۔ مثلاً اللہ تعالٰی نے موسےٰ علیہ السلام سے وعدہ لیا کہ وہ عیسٰی علیہ السلام پر ایمان لائیں اور عیسٰی علیہ السلام سے وعدہ لیا کہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں۔ جب یہ حکم انبیاء علیہ السلام کے لیے تھا تو ان کی امتوں پر زیادہ ضروری ہے کہ وہ اس حکم پر عمل کریں۔ یعنے یاد کیجئے اے میرے پیارے محبوب! "صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" اس وقت کو جب اللہ تعالٰی نے انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں سے وعدہ لیا۔

لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ۔ یہ لام توطیہ کی ہے اس لیے کہ وعدہ لینا بمنزلہ حلف اٹھانے کے ہے اور "ما" مبتدأ کا اور موصولہ ہے اور اتیتکم اس کا صلہ ہے اور اس کی ضمیر عائد محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی "اٰتیتمکوہ" یعنے وہ جو میں تمہیں عطا کروں۔

مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ، کتاب وحکمت سے یعنے حلال وحرام کے احکام اور حدود کے بیانات۔ یہ اسم موصول سے حال ہے۔

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ، پھر تشریف لائیں تمہارے پاس رسول علیہ السلام۔ اس کا عطف صلہ پر ہے اور صلہ کا معطوف وہ بھی صلہ ہے۔ اور صلہ کے لیے رابطہ کا ہونا ضروری ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسولُ کے بعد لفظ "بہ"

محذوف ہے۔

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ، وہ اس کی تصدیق کرنے والے ہوں گے جو تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہاری کتاب کی۔
لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ یہ جواب ہے قسم مقدر کا اور یہ قسم مقدر اور اس کا جواب مبتدا، کی خبر ہے۔
دراصل عبارت یوں ہے:

واللہ لتصدقنہ برسالتہ ولتنصرنہ علیٰ اعدائہ لاظہار دین الحق (اللہ کی قسم! تم اس کی تصدیق کرنا ان کی رسالت کی وجہ سے اور اس کی مدد کرنا اس کے دشمنوں پر دینِ حق کو غالب کرنے کے لیے)۔

سوال: ثم جاءکم رسول کا جملہ لانے کا کیا فائدہ؟ اس لیے کہ وہ رسول نبیوں کی طرف رسول بن کر تو تشریف نہیں لائیں گے بلکہ رسول تو امت کی طرف تشریف لاتا ہے۔

جواب: اگر اخذنا میثاق النبیین کے مضمون کو محمول امتوں پر کریں کہ اللہ تعالےٰ نے امتوں کے نبیوں کے ذریعہ وعدہ لیا تو پھر کسی قسم کا سوال پیدا نہیں ہوتا اور اگر اسے اپنے معنے پر برقرار رکھا جائے تو معنے یہ ہوگا کہ وہ نبی اگر تمہارے زمانہ میں تشریف لائیں تو قَالَ، اللہ تعالےٰ نے ان سے وعدہ لینے کے بعد فرمایا کہ ءَاَقْرَرْتُمْ، کیا تم اس پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا اقرار کیا۔ یہ استفہام تقریری ہے اور انہیں تاکید کے طور پر کہا گیا ہے ورنہ اللہ تعالےٰ کے حق میں حقیقی استفہام محال ہے۔ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ، اور تم نے میرے اس وعدہ کو لے لیا ہے۔ اِصْرِیْ ؕ میرے اس عقد کو جو میں نے تم سے کیا ہے۔

اصر دراصل اس بوجھ کو کہتے ہیں جو انسان کو عمل پر التزام کرنے سے لاحق ہوتا ہے۔ اور یہاں پر بہت سخت وعدہ لینا مراد ہے۔ اس لیے کہ وہ صاحب وعدہ پر بہت بڑا سخت ہے۔ اس حیثیت سے کہ وہ اس کی مخالفت سے ہر وقت رکتا رہے گا۔

قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ انھوں نے کہا کہ ہم نے اقرار کیا ہے یعنے اس کا ہمیں اقرار ہے۔
یہاں پر صرف اقررنا پر اکتفا کیا گیا ہے۔ جب کہ اصری کو بیان نہیں کیا گیا اس لیے کہ اس کا ذکر ابھی گزرا ہے۔ اس قرینہ سے اس کا ذکر نہ کرنے اور مراد لینے میں کوئی حرج نہیں۔

قَالَ، فرمایا سبحانہٗ تعالےٰ نے۔ فَاشْهَدُوْا، پس اے انبیاء علیہم السلام اور تمام امتیں ایک دوسرے کے اقرار پر گواہ ہوجاؤ۔ وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ اور میں بھی تمہارا شاہد ہوں۔

سوال: لفظ معکم خطاب پر داخل کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ حقیقی شہادت کے مرتکب وہی ہیں۔ اس سے مقصود صرف تاکید ہے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ ہم اس سے رجوع کیسے کر سکتے ہیں جب کہ اس پر اللہ تعالےٰ کی شہادت بھی ہے اور ہم ایک دوسرے پر شاہد ہو چکے ہیں۔

فَمَنْ تَوَلّٰى، پس وہ شخص اعراض کرے گا اس سے جو مذکور ہوا۔ بَعْدَ ذٰلِكَ، بعد اس وعدہ لینے اور تاکید بالاقرار و الشہادۃ کے۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ پس وہی ہوں گے فاسق و متمرد اور طاعت سے خروج کرنے والے کافر۔ اس لیے کہ فاسق ہر اس گروہ کو کہا جاتا ہے جو تجاوز کر جائے۔ (کذافی التیسیر)

سوال: حضرات انبیاء علیہم السلام سے اعراض و روگردانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ وہ فسق سے موصوف کیے جا سکتے ہیں پھر یہاں پر ہر دونوں کیوں مستعمل ہوئے ہیں؟

جواب (۱) میثاق اصالۃً تو انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا اور ان کی امتوں سے تبعاً لیکن اعراض روگردانی کی بات صرف امتوں کے لیے ہے۔

(۲) کسی فعل میں ابتلاء و آزمائش عصمت کے منافی نہیں۔

ربط: یہ میثاق اہل کتاب کی کتابوں میں مذکور تھا اور وہ اسے بخوبی جانتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نبوت کے دعوے میں سچے ہیں ان کے کافر ہونے کا کوئی سبب ہی نہیں تھا سوائے عداوت و حسد کے تو وہ ابلیس شیطان کی طرح حسد میں مبتلا ہو کر کفر کے مرتکب ہوئے پس انہیں اللہ تعالےٰ نے جتلایا کہ جب اہل دنیا اس نہج کو پہنچ جائیں گے تو سمجھ لینا کہ وہ ایسے دین کو طلب کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین کا غیر ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ۔ اس کا عطف مقدر پر ہے۔

اصل عبارت یوں تھی: ایتولون۔۔۔۔۔ الخ کیا وہ روگردانی کرتے ہوئے اللہ کے دین کے بغیر کسی دوسرے دین کی تلاش میں ہیں۔ اور اس غیر دین کو طلب کر رہے ہیں۔

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ، اللہ تعالےٰ کے لیے گردن جھکائی خلوص کیا اور فرمانبردار ہوئے۔ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ، جو آسمان اور زمین میں رہنے والے ہیں۔ طَوْعًا، خود بخود یعنے اہل توحید وَّكَرْهًا، اور مجبور ہو کر یعنے انکار کر کے۔ اس سے منکرین مراد ہیں یعنے انہیں اس لیے سر جھکانا لازمی ہوگیا ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ اس خالق کی صنعت کے آثار عالم میں موجود ہیں اور دنیا کے حدوث کے علامات بھی واضح ہیں۔ اور پھر وہ قادر اپنے بندوں کو جیسے چاہتا ہے پھیرتا ہے کبھی تندرستی کبھی بیماری کبھی دولت مندی کبھی افلاس کبھی خوشی کبھی غمی اسی طرح دیگر احوال جو بندوں کو لاحق ہوتے ہیں پھر وہ بندوں کو اللہ تعالےٰ کی قضاء و قدر کو دفع کرنے کا کوئی امکان بھی نہیں۔ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ زمین و آسمان کے اندر رہنے والے سب اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ یعنے جو آج اللہ تعالےٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے تو آخر اس نے ایک دن اس کے حضور میں پیش ہونا ہے اور پھر سب کو معلوم ہے کہ اس کے سوا ذاتی طور پر) نفع و نقصان کا کوئی مالک نہیں۔ اس میں دین حق کے مخالف کے لیے بہت بڑی سخت وعید ہے۔

سبق: دانا کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے رب تعالےٰ کی فرمانبرداری کرے اس کی نافرمانی سے بچے اور نہ ہی

وہ وعدہ توڑے جو اس نے روزِ میثاق اپنے رب تعالٰی سے کیا ہے۔

ف: اللہ تعالٰی نے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے توحید اور اقامتِ دین اور اس میں عدم انتشار اور ایک دوسرے کی تصدیق کا وعدہ لیا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی کہ تم مخلوق کو دعوت الی الطاعۃ دینا اور یوں بھی بتایا کہ عبادت خاص اللہ تعالٰی کے لیے ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالٰی اپنے بندوں سے صرف یہ چاہتا ہے کہ اس کا بندہ عبودیت میں خلوص و صدق سے کام لے اور حقوقِ ربوبیت کی پوری نگہداشت کرے۔

حکایت: سیدنا شیخ شاذلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جب سالک کو طاعتِ الٰہی کی توفیق نصیب ہو اور ساتھ ہی یہ خیال بھی دل سے اتر جائے کہ میں نے عبادت کی ہی نہیں تو سمجھے کہ اللہ تعالٰی نے اسے ظاہری نعمتوں سے بھرپور فرمایا ہے اس لیے کہ اس کا یہ احسان کچھ کم ہے کہ اس نے اپنے امر کی مخالفت سے اپنے بندے کو بچا لیا اور باطنی نعمتوں سے بھی اسے نوازا ہے کہ بندہ فرمانبرداری کر کے اس کے قہر و غضب سے امان پا گیا۔ اور اللہ تعالٰی اپنے بندوں سے صرف یہی چاہتا ہے۔

حکایت: حضرت ابراہیم بن ادہم قدس سرہٗ سے عرض کیا گیا کہ آپ کبھی تو ہمارے ساتھ مسجد میں بیٹھ جایا کریں تاکہ آپ کی پاک مجلس کی برکت سے اور مقدس ملفوظات سے ہم بھی استفادہ کریں۔ آپ نے فرمایا کہ میں چار امور میں نہایت ہی زیادہ مصروف ہوں۔ جب ان سے فراغت پاؤں گا تو تھوڑی دیر تمہارے پاس بھی بیٹھ جایا کروں گا۔ عرض کی گئی کہ اے ابو اسحاق (یہ حضرت ابراہیم بن ادھم کی کنیت ہے) اس کی تفصیل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

۱ جب مجھے وہ گھڑی یاد آجاتی ہے جب کہ اللہ تعالٰی نے حضرت آدم علیہ السلام سے وعدہ لے کر فرمایا کہ یہ جماعت بہشت میں جائے گی اور یہ جہنم میں تو مجھے فکر دامن گیر ہو جاتا ہے کہ نامعلوم میں کس گروہ میں ہوں۔

۲ جب نطفہ ماں کے رحم میں ٹھہرتا ہے تو اس کے اندر روح پھونکی جاتی ہے تو مؤکل فرشتہ عرض کرتا ہے، یا اللہ! یہ نیک بخت ہے یا بدبخت مجھے فکر ہے کہ نامعلوم میرے متعلق کیا جواب ملا۔

۳ جب ملک الموت روح قبض کرتا ہے تو اللہ تعالٰی سے پوچھتا ہے کہ اے مولیٰ! اس کی روح اسلام پر قبض کروں یا کفر پر۔ مجھے خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ نامعلوم میرے متعلق کیا جواب ملتا ہے۔

۴ قیامت میں اللہ تعالٰی اعلان فرمائے گا: وامتازوا الیوم ایھا المجرمون (اے مجرمو! آج علیحدہ ہو جاؤ) مجھے اس کا خوف ہے کہ اللہ تعالٰی مجھے کس گروہ میں شامل کرے گا۔ جب تک میں اس شغل میں مشغول ہوں نہ میں تمہارے ساتھ بیٹھ سکتا ہوں اور نہ بات کر سکتا ہوں۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ بندہ قضاء و قدر کو مانتا ہو تو تب بھی اسے ضروری ہے کہ

وہ امور تکلیفیہ کی پوری نگہداشت کرے۔ اس لیے کہ خیر و شر تقدیر میں پہلے لکھا جا چکا ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی جیسی تقدیر ہوتی ہے اُسے انہی اعمال کی توفیق میسر ہوتی ہے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ اوّلاً تزکیۂ نفس کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی نیک صحبتوں میں رہ کر ان کی ہر وصیت و نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کرے اس لیے کہ انسان کو اس کی وسعت کے مطابق مکلف بنایا جاتا ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ لوگ مراتب کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ مبارک باد ہو اس نیک بخت کو جو اعلیٰ مطالب پہ فائز ہوا ؎

بقدرِ حوصلۂ خویش دانہ چنید مرغ
بصحوۂ نتواں داد طعمۂ شہباز

ترجمہ: اپنی مقدور و قوت پر مرغ دانہ چنتا ہے۔ مولا شہباز کی خوراک نہیں کھا سکتا۔

حکایت حضرت شیخ صفی قدس سرہٗ سے سوال ہوا کہ جب بندہ سلوک کی تمام منازل طے کر لے گیا تو اس کے بعد بھی کوئی منزل ہے کہ جسے طے کرنے کی کوشش کرے۔ انھوں نے فرمایا: ہاں، ایک ایسی منزل ہے جسے طے کرنا ابھی ہے لیکن طے ہوتی بھی نہیں وہ یہ کہ ہر وقت اس تصور میں رہے کہ نامعلوم کہ وہ بارگاہِ حق میں قبول بھی ہوا ہے یا نہ۔

مسئلہ: رسالہ قشیریہ شریف میں ہے کہ ولی اللہ کے لیے یہ بھی ممکن ہے کہ بعد میں اس کا انجام برباد ہو کر اس کا خاتمہ ایمان پر نہ ہو۔ (العیاذ باللہ)

مسئلہ: ولی اللہ کی یہ کرامت سمجھی جاتی ہے جب اسے موت سے پہلے معلوم ہو جائے کہ اس کا خاتمہ ایمان پہ ہوگا۔

سبق: نیک خاتمہ کے حصول کے لیے ہر سالک کو کوشاں رہنا لازمی ہے ؎

ہمہ عالم ہمی گویند ہر آں
کہ یا رب عاقبت محمود گرداں

ترجمہ: تمام جہاں ہر لحظہ کہتا ہے کہ اے اللہ عاقبت بالخیر فرما۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ. فرمائیے! اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرمایا کہ وہ اس کی مخلوق کو خبر دیں کہ مذکورہ طریقہ کے ساتھ اس پر ایمان لائیں۔

سوال: اس تقریر پر حضور علیہ السلام اگر مراد ہیں تو پھر ضمیر جمع کی کیوں؟

جواب: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلالت قدر اور رفعتِ مرتبہ کی وجہ سے تاکہ آپ کے امر کا اثر

عوام کے قلوب پر پورے طور پر ہو کر آپ امر سناتے وقت وہ طریقہ اختیار فرمائیں جو بادشاہوں کا ہوتا ہے (اور آپ تو بادشاہوں کے بادشاہ ہیں)۔

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا، اور وہ جو ہمارے اوپر نازل ہوا یعنی قرآن۔

فعل نزول جیسے الیٰ سے متعدی ہوتا ہے کہ قرآن رسول علیہ السلام کی طرف بھیجا گیا۔ ایسے ہی علیٰ سے بھی متعدی ہوتا ہے اس لیے کہ قرآن اوپر سے ہی آیا ہے۔

وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ، اور جو ابراہیم واسماعیل واسحاق ویعقوب اور ان کی اولاد پر اترا یعنے صحائف وغیرہ۔

اسباط سبط کی جمع ہے بمعنے پوتے اور اس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور ان کے بارہ [۱۲] بیٹے مراد ہیں اس لئے کہ وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔

وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى، اور وہ جو موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو دیا گیا یعنے توریت وانجیل اور وہ معجزات جو ان سے ظاہر ہوئے۔ ان دو حضرات کی اس لیے تخصیص کی گئی ہے کہ بات یہود ونصاریٰ سے ہو رہی ہے۔ وَالنَّبِيُّوْنَ اور وہ جو دیگر انبیاء علیہم السلام کو دیا گیا ان کا ذکر ہوا ہے یا نہیں ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر بھی ہمارا ایمان ہے جو انہیں کتابیں اور صحائف واحکام دیئے ہیں۔ مِنْ رَّبِّهِمْ، ان کے رب کی طرف سے کتابیں اور معجزات۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ، ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے۔ سب پر ہمارا ایمان ہے۔ یہود ونصاریٰ کی طرح نہیں کہ وہ بعض انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں اور بعض سے کفر کرتے ہیں۔ بلکہ ہم تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو صحیح مانتے ہیں اور جو کتابیں، صحیفے اور احکام ان پر ان کے زمانے میں نازل ہوئے ہم سب کو حق مانتے ہیں۔

غلطی کا ازالہ اور مسئلہ امام صاحب نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ علماء کا اختلاف ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کہ جن کی شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں ان پر ایمان لانے کی اور علماء کے خلاف کی نوعیت یہ ہے کہ جب ان کی شریعت کے ساتھ ان کی نبوت بھی منسوخ ہو گئی۔ تو اب ان پر یوں ایمان ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے زمانہ کے نبی اور رسول تھے۔ لیکن اب نہ ان کی نبوت ہے اور نہ رسالت (یہ قول نہایت ناقابل اعتبار ہے) ۔ اور بعض نے فرمایا کہ ان کی شریعت کے منسوخ ہونے سے ان کی نبوت منسوخ نہیں ہوئی۔ یہی حق اور صحیح ہے۔

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ اور ہم اللہ تعالےٰ کے سامنے گردن جھکانے والے فرمانبردار ہیں۔ جب کہ اسلام بمعنے استسلام یعنی فرمانبرداری ہو یا مسلمان بمعنے مخلصین ہے یعنے ہم اپنے نفوس کو اللہ تعالےٰ کے لیے مخلص کرنے والے ہیں۔ ہم عبادت میں اس کا کوئی شریک نہیں مانتے۔ یہ اس وقت ہے جب مسلمون کا مادہ سلامۃ مانا جائے۔ اس میں اہل کتاب کے ایمان پر تعریض ہے کہ دوسرے سے ایمان ہی نہیں لائے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ ، اور جو شخص اسلام کو چھوڑ کر دوسرے کسی دین کو طلب کرتا ہے یعنے توحید کے بغیر اور غیر اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکاتا ہے جیسے کھلم کھلا مشرکین کا طریقہ ہے۔ اور جیسے اہل کتاب کہ توحید کے دعوے کے باوجود پھر بھی شریک کرنے میں مبتلا ہیں۔ دِيْنًا ، دین بنا کر کہ جس کی طرف رجوع کیا کریں۔

یہ منصوب ہے کیونکہ یبتغ کا مفعول بہ ہے اور غیر الاسلام، دین سے حال ہے۔ یہ دراصل دین کی صفت ہے لیکن چونکہ دیناً سے مقدم ہوگیا ہے اور دیناً ہے بھی نکرہ اس لیے اسے حال قرار دیا گیا ہے۔

فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ، پس وہ قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ بہت بری طرح اس کے منہ پر مارا جائے گا۔ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ اور وہ آخرت میں خسارہ والوں میں سے ہے یعنے گھاٹے میں ہے۔ ثواب سے محروم ہو کر اور عذاب کا نشانہ بن کر۔

مسئلہ اس میں وہ بھی داخل ہے جو دنیا میں عمل صالح کرنے سے محروم رہا تو اسے حسرت اور افسوس ہوگا کہ کاش! میں یہ کام کرتا یا دین باطل پر دکھ اور تکلیف اٹھائے تو بھی پریشان ہوگا کہ نہ میں اس دین میں داخل ہوتا نہ مجھے یہ مصائب نصیب ہوتے۔

خلاصۃ التفسیر خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام سے روگردانی کر کے غیر اسلام کے طلب کرنے والے کو کوئی نفع نہیں ہوگا۔ بلکہ فطرۃ سلیمہ (جس پر انسانوں کو اللہ تعالٰے نے پیدا فرمایا) کو باطل کر کے گھاٹے میں پڑا۔

مسئلہ : آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام ایک ہی شے ہے اس لیے کہ اگر ایمان اسلام کا غیر ہوتا تو ایمان بھی قبول نہ ہوتا جب کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا :

"ومن يبتغ غير الاسلام ديناً فلن يقبل منه"

لیکن اس کی یہ دلیل غیر معلوم ہے۔ اس لیے کہ 'غیر الاسلام' کی مغایرت سے دین باطلہ مراد ہیں۔ اور ان کی عدم قبولیت سے اسلام کے ہر مغایر کی عدم قبولیت لازم نہیں آتی۔ (دلیل ناموزوں ہے ورنہ مسئلہ تو حق ہے)۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ ، اللہ تعالٰے حق کی طرف کیسے ہدایت دے۔ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ اس قوم کو جنھوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا۔

بعض نے کہا اس سے وہ دس آدمی مراد ہیں جو ایمان لا کر مرتد ہو گئے اور پھر مکہ چلے گئے۔ یعنی جو حق کے معاندین و مکابرین ہیں اور پھر حق کے لیے سر بھی نہ جھکائیں ان کے لیے اللہ تعالٰے کیونکر ہدایت فرماتے۔

ف : یہاں پر ہدایت بمعنے خلق ہدایت ہے۔

مسئلہ : دار دنیا میں اللہ تعالٰے نے یہ قانون بنایا ہے کہ بندہ جیسا ارادہ کرے تو ارادہ کے بعد اس کے لیے وہی امر پیدا کر دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰے ان کے لیے معرفت و ہدایت کیسے پیدا فرمائے جب کہ ان کا قصد کفر کے حصول کا ہے اور ان کی مراد ہے۔

وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ ، اور انھوں نے گواہی دی کہ بے شک اللہ تعالٰے کا رسول حق ہے یعنے اپنی بتائی ہوئی بات میں وہ سچے ہیں۔ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ اور ان کے پاس بینات آئے یعنے قرآن میں ایسے شواہد موجود ہیں جو ان کی نبوت کے صدق پر دلالت کرتے ہیں۔ اس کا عطف ایمانھم پر ہے۔ اس لیے کہ ایمانھم کو جملہ فعلیہ کی صورت اختیار کرائی گئی ہے گویا وامنوا کی قوت میں ہے۔ ای بعد ان امنوا و بعد ان شہدوا۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہوا کہ اقرار باللسان یقیناً ایمان کی حقیقت سے خارج ہے اس لیے کہ معطوف معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اور اللہ تعالٰے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یعنے وہ لوگ جنھوں نے نظر کی کوتاہی سے اپنے نفسوں پر ظلم کیا کہ ایمان کے بجائے کفر کو اختیار کیا۔ جب وہ ایسے ظالم سے محبت نہیں کرتا تو پھر اس سے کیسے محبت کرے گا جو ایمان لاکر پھر کافر ہو جاتے یعنے مرتد ہو جاتے۔

سوال : آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص ایمان کے بعد کفر کرے گا اللہ تعالٰے اسے بھی ہدایت نہیں دے گا اور جو ظالم (یعنے مذکور ہوگا اسے بھی ہدایت نہیں دے گا۔ حالانکہ ہم نے بہت سے مرتدین کو دیکھا کہ وہ ارتداد کے بعد دولتِ اسلام سے نوازے گئے۔ اسی طرح بہت ظالموں کو دیکھا گیا کہ وہ اپنے ظلم سے سچے دل سے تائب ہوتے۔

جواب : اس کا معنے یہ ہے کہ جب تک وہ لوگ اس کفر پہ ثابت قدم رہیں اور اس کی محبت ان میں ہو اور اسلام کی طرف ذرہ برابر بھی رغبت نہیں رکھتے۔ انھیں اللہ تعالٰے ہدایت نہیں دے گا۔ ہاں اگر وہ حق کی حقانیت میں سوچ بچار کریں یا حق کے قائم کردہ دلائل کو منصفانہ نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کریں تو پھر اللہ تعالٰے ہدایت دے گا یعنی ان کے لیے ہدایت پیدا کرے گا۔

اُولٰٓئِكَ ، وہی لوگ جو اپنے اوصاف کے ساتھ مذکور ہوئے یعنی وہ بُری صفات جو پہلے مذکور ہوئیں۔

جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ ، ان کی جزاء یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالٰے کی لعنت ہے ان پر۔ لعنت یعنے جنت سے دور کرنا اور عقوبت و عذاب نازل کرنا وَالْمَلٰٓئِكَةِ ، اور فرشتوں کی لعنت۔ ملائکہ بھی لوگوں کی طرح اقوال سے لعنت کرتے ہیں۔ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ اور تمام لوگوں کی لعنت۔ اور " الناس " سے مومن مراد ہیں۔ اس لیے کہ " الناس " سے اگر تمام لوگ مراد ہوں تو معنے ہوگا کہ تمام لوگ ایک دوسرے کو لعنت کرتے ہیں اور یہ ناموزوں ہے ہاں اگر تمام لوگ مراد ہوں تو اس کا معنٰے یہ ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو غیر مبطل و کافر سمجھ کر دوسرے کو لعنت

کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالٰے کے ہاں وہ کافر ہوتا ہے جس کا اسے علم نہیں۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ وہ اس لعنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہ علیہم کی ضمیر سے حال ہے یعنے وہ لعنت و عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ خلود فی اللغتہ کا معنٰے یہ ہے کہ وہ بامت میں ہمیشہ ہمیشہ ان پر ملائکہ اور مومنین بلکہ جو ان کے ساتھ جہنم میں ہوں گے لعنت کرتے رہیں گے کہ وہ اس لعنت سے سی حال میں بھی خالی نہیں ہوں گے۔

لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ۝ اور نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا۔ اور نہ ہی مہلت دیئے جائیں گے۔

الانظار بمعنی التاخیر (مہلت دینا) یعنے نہ ان سے عذاب ہلکا ہو گا۔ اور نہ ہی ان کے لیے عذاب کو ایک وقت سے دوسرے وقت تک مؤخر کیا جائے گا۔

مسئلہ کفار کو دائمی عذاب ہو گا اور ان کے لیے ضرر ہی ضرر ہو گا جس میں ذرہ برابر بھی نفع کی گنجائش نہیں ہوگی اور نہ ہی عذاب ان سے منقطع ہو گا۔ ہم اللہ تعالٰے کے عذاب اور ان اسباب سے پناہ مانگتے ہیں جو عذاب کی طرف لے جانے والے ہیں۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ، مگر وہ لوگ جو ارتداد کے بعد تائب ہوئے۔ وَ اَصْلَحُوْا ۫ اور اپنے گندے کرتوں سے پاک و صاف ہو گئے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ تو بے شک اللہ تعالٰے غفور رحیم ہے ان کی توبہ قبول کر کے ان پر لطف و کرم کرتا ہے۔

مسئلہ: اصلحوا کے تابوا پر عطف ڈالنے سے معلوم ہوا کہ صرف توبہ سے کام نہیں بنتا جب تک کہ اس کے ساتھ عمل صالح نہ ہو۔

مسئلہ: ارتداد وغیرہ (جو زمانہ ماضی میں سرزد ہوا) پر نادم ہونا اور آئندہ مستقبل میں ان کے ارتکاب سے باز رہنے کے پختہ ارادہ کا نام توبہ ہے۔

مسئلہ: حقیقی توبہ یہ ہے کہ باطن کو مراقبات سے حق کی طرف متوجہ کیا جائے اور خلق خدا سے معاملات صحیح رکھے جائیں۔

ف: ایسی ندامت اور توبہ ہر اس شخص کو نصیب ہو سکتی ہے جو نفس امّارہ کے استیلاء کو قلب پر وارد نہ ہونے دے بلکہ اس سے نفس کی تمام آلائش کو قلب سے دور رکھے۔ ایسے شخص کے نفس کے حجابات کے آگے نور کی استعداد کا مسکہ اس کے قلب پر اثر انداز ہوتا ہے جس پر اسے رحمت و توفیق ایزدی اپنے دامن میں لے لیتی ہے۔ تب اسے ندامت حقیقی کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ پھر اس وجہ سے وہ ہمیشہ ریاضات کے باب تزکیہ و تصفیہ پر مقیم رہتا ہے۔

حکایت: ایک دن حضرت سری سقطی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مجھے اس ضعیف سے بہت زیادہ تعجب ہوتا ہے جو آپ

سے بہت بڑے قوی کی نافرمانی کرتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے دن میں نے صبح کی نماز پڑھی تو میرے ہاں ایک نوجوان حاضر ہوا اور اس کے پیچھے بہت سے سواریوں کے سوار اور ان کے آگے حسین وجمیل لڑکے خدام تھے اور وہ خود بھی بہتر سواری پر سوار تھا۔ اپنی سواری سے نیچے اتر کر پوچھا کہ تم میں سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کون ہے؟ میرے ہم نشینوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ وہ میرے ہاں حاضر ہو کر السلام علیکم کہہ کر بیٹھ گیا۔ اور کہا: میں نے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس ضعیف سے تعجب ہے جو اپنے سے بہت زیادہ قوی کی نافرمانی کرتا ہے۔ ضعیف سے آپ کی مراد کیا ہے اور قوی سے کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ضعیف سے ابن آدم مراد ہے اور قوی سے اللہ تعالے۔ ابن آدم نہایت ہی کمزور ہو کر بہت بڑی قوی ذات اللہ تعالے کا بے فرمان ہے۔ میری یہ تقریر سن کر وہ نوجوان رو پڑا اور کہا:

یا حضرت! کیا آپ کا رب مجھ جیسے غریق العصیان کی توبہ بھی قبول فرمائے گا جب کہ میرا بال بال گناہوں میں غرق ہے۔ اور میرے اوپر حقوق العباد کی تو شمار ہی کوئی نہیں۔ اب میں کیا کروں۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا "جب تو پورے طور پر حق کا ہو جائے گا تو تیرے مطالبہ کرنے والوں کو وہ خود راضی کرے گا۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو مطالبہ کرنے والے لوگ اللہ کے دوست سے مطالبہ کے لیے آجائیں گے ملائکہ کرام اعلان کریں گے کہ اللہ تعالےٰ کے دوست کو مت چھیڑو۔ اب اس پر جتنے حقوق ہیں، وہ اللہ تعالےٰ خود ادا کرے گا۔ مطالبہ کرنے والوں کو ان کے مطالبات پر انھیں بہت بلند مراتب عنایت فرمائے گا۔ اس پر وہ مطالبہ کرنے والے اپنے مطالبات ترک کر دیں گے۔"

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی یہ تقریر سن کر پھر وہ شخص خوب رویا اور عرض کی کہ یا حضرت! مجھے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ بتائیے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم میانہ رو لوگوں کا راستہ اختیار کرنا چاہو تو بکثرت روزے رکھو، اور نوافل بہت زیادہ پڑھو اور گناہوں کو بالکل ترک کر دو۔ اگر تم اولیاء کا راستہ اختیار کرو تو ماسوائے اللہ کے تعلقات سے بالکل آزاد ہو کر خالص عبادتِ حق میں مصروف ہو جاؤ۔

نسخہ صوفیانہ: سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام گناہوں سے توبہ کر کے اپنے تمام خیالات کو اللہ تعالےٰ کے مشاہدہ کے تصورات میں لگا دے ۔

بہشت تن آسانی آنکہ خوری
کہ بر دوزخ نیستی بگذری

یعنی حضور باقی اور حیاتِ ابدی میں اس وقت پہنچ سکو گے جب اپنے وجود کو وجود حق میں فنا کر دو گے اور اخلاق ذمیمہ کو مٹا کر اخلاقِ حمیدہ پیدا کر لو گے۔ جب تم اس مشکل بھرے راستے کو طے کر لو گے تو تمہیں جنابِ مطلق تک رسائی

نصیب ہو جائے گی۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے ایک دن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبداللہ! دنیا میں ایسے رہو جیسے تم مسافر ہو۔ یعنی دنیا کو جھانک کر بھی نہ دیکھو اور نہ ہی اسے اپنا وطن تصور کرو اور نہ ہی اس میں کوئی شغل اختیار کرو جیسے مسافر سفر میں کوئی شغل اختیار نہیں کرتا۔ جب اس کا وہاں سے کوچ کرنے کا ارادہ ہو بلکہ اپنے آپ کو اصحاب القبور میں شمار کرو۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ بندہ اپنے اس اضافی وجود کے تصور کو ایسا مٹائے کہ اسے صرف اللہ تعالیٰ کا وجود نظر آئے۔ بدن روح کے لیے بمنزلہ قبر کے ہے جیسے میت قبر میں اپنے مولا کے ہر امر کے سامنے سر تسلیم خم رکھتی ہے اور وہ کسی شے کے درپئے نہیں ہوتی۔ ایسے ہی انسان کے لیے ضروری ہے کہ آفاتِ بدنیہ وقلبیہ کے فکر میں رہے بلکہ فطرت اصلیہ اور شہودِ تام کو مدِ نظر رکھ کر اس حال میں خوش رہے جس حال پہ اسے مولیٰ رکھے لیکن ایسی آفات سے بہت تھوڑے ہیں جنھیں سلامتی نصیب ہو۔ (ورنہ اکثر ایسی آفات میں مبتلا ہو کر مقصود سے محروم رہے) ہاں جس بندے پر توبہ کا دروازہ کھل جاتا ہے تو وہ اپنے سے فوت شدہ مقامات حاصل کر لیتا ہے۔ اے سالک! خبردار! کسی وقت بھی نفس کی کسی ہی برائی کے ارتکاب کی اجازت نہ دینا۔ جب تم نے کسی وقت بھی نفس کے لیے کسی برائی کا دروازہ کھولا تو سب سے پہلے وہ خطرہ (وسوسہ شیطانی) میں مبتلا کر دے گا۔ جیسے بارش صرف ایک قطرہ ہے (لیکن قطرہ کی بہتات کئی ملکوں کو تباہ کر ڈالتی ہے)۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اس قوم کا کیسا غلط رویہ ہے کہ وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن عبادت گذار نیک لوگوں کی تحقیر کرتے ہیں۔ قرآن پر اتنا عمل کرتے ہیں جو ان کی خواہش نفسانیہ کے موافق ہو اور جو اُن کی خواہشات نفسانیہ کے مخالف ہے اسے ترک کر دیتے ہیں۔"

انہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ وہ کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے بعض حصّہ کو ترک کر دیتے ہیں۔ ان امور میں بہت زیادہ کوشش کرتے ہیں، جو ان کے لیے قدرت نے اپنے ذمہ کرم لگایا ہے یعنی تقدیر کے حتمی فیصلے اور رزق مقرر کردہ اور اجل معین شدہ لیکن ان میں معمولی سے معمولی توجہ بھی نہیں کرتے کہ جن کے متعلق انھیں کوشش اور جدوجہد کرنی لازم ہے یعنے اجر و ثواب کا حصول اور سعی مشکور اور ایسی تجارت کہ جس میں انھیں کسی قسم کا خسارہ نہیں۔

سبق: اے سالک! اگر تمھیں میری یہ نصیحت سمجھ آ جائے تو تم تمام اپنی کوشش امور آخرت میں صرف کرو نہ کہ دنیوی امور میں بلکہ اللہ تعالےٰ سے کچھ مانگنا ہے تو صرف اس کا مشاہدہ مانگو۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو عطا فرمائے۔ (آمین)

تفسیرِ عالمانہ اِنَّ الَّذِیۡنَ ، بے شک وہ لوگ جیسے یہود ۔ کَفَرُوۡا ، کفر کیا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ۔ بَعۡدَ اِیۡمَانِہِمۡ ، بعد ایمان لانے کے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام اور توریت پر ایمان رکھتے تھے ۔ ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا ، پھر وہ کفر میں بڑھے ۔ جب انھوں نے حضور سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے انکار کیا اور قرآن کو نہ مانا یا اس کا یہ معنے ہے کہ حضور علیہ السلام کے تشریف لانے سے پہلے ان پر ایمان رکھتے تھے جب حضور سرورِ عالم تشریف لائے تو انکار کر دیا ۔ اس لحاظ سے وہ کفر میں بڑھے ۔ اس انکار پر اصرار کیا اور آپ کو مطعون کیا اور ان پر ایمان لانے سے دوسروں کو روکا اور وعدۂ میثاق توڑ دیا ۔ لَّنۡ تُقۡبَلَ تَوۡبَتُہُمۡ ، ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی ۔ اس لیے کہ وہ اس وقت توبہ کرتے ہیں جب موت سامنے آجاتی ہے ۔

نکتہ : ان کے توبہ نہ کرنے کو عدمِ قبول کے ساتھ تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کا حال بہت بُرا ہے اور وہ اس لائق نہیں ہیں کہ ان کی بُری طرح سرزنش کی جائے اور وہ اب اس حال کو پہنچ چکے ہیں کہ اب انھیں اللہ تعالےٰ کی رحمت سے امید بھی نہ رکھنی چاہیئے اس لیے کہ اب اگر وہ توبہ کریں گے بھی تو خالی از منافقت نہیں ہوگی کیونکہ اب تو وہ مرتدین اور کفر کی آخری سرحد کو پہنچ چکے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اس جملہ پر واؤ عاطفہ نہیں ۔

وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الضَّآلُّوۡنَ ۝ یہی لوگ مکمل طور پر گمراہ ہیں ۔

یہ حصرالکمال کے قبیل سے ہے ورنہ ہر کافر گمراہ ہے خواہ وہ ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے یا پہلے ہی کفر کرے اور ان کے کفر میں گمراہی تک پہنچنے کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ اس گمراہی پر خوب جمے ہوئے ہیں کہ ان سے ہدایت کی امیدیں بھی منقطع ہو چکی ہیں ۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَمَاتُوۡا وَہُمۡ کُفَّارٌ فَلَنۡ یُّقۡبَلَ ، بے شک وہ لوگ جو کافر ہوئے اور اسی کفر پر مرے تو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا ۔ یہاں پر فا اس لیے داخل ہوا ہے کہ ان کی کفر کی موت ان کے فدیہ کے عدمِ قبولیت کا سبب ہے ۔ یہ فا سببیہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ مبتدا اپنی خبر کا سبب ہے ۔ مِنۡ اَحَدِہِمۡ ، کسی ایک سے فدیہ ۔ مِّلۡءُ الۡاَرۡضِ ذَہَبًا ، زمین کے برابر سونا ۔

ذھبا تمیز ہے یعنے اگر وہ لوگ اپنی جان رہائی میں مشرق سے مغرب تک زمین کو سونے سے بھر دیں ۔

وَّلَوِ افۡتَدٰی بِہٖ ؕ اگر اس زمین کے برابر سونے کو فدیہ کے طور پر دیں ۔

سوال : ان سے زمین کے برابر سونے کے قبول نہ کرنے کے کلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر قیامت میں سونے وغیرہ کا مالک ہوگا کہ جس سے وہ فدیہ دے کر جان چھڑانے کی کوشش کرے گا حالانکہ مسلمات سے ہے کہ وہ کھجور کے چھلکے کے برابر بھی کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا ۔ چہ جائے کہ زمین کے برابر سونا ؟

جواب : یہ مضمون علیٰ سبیل الفرض والتقدیر ہوا ہے ۔

ف : چونکہ سونا مال و اسباب میں اعلیٰ شئے سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے اس کا ذکر فرمایا اور زمین کے برابر سے کثرت اور فراوانی مراد ہے یعنے کافر قیامت میں اگر بہترین مال پر بھی قدرت پا جائے اور ہو بھی اس کے پاس وافر وافر پھر اسے خرچ کرنے پر قدرت بھی ہو تاکہ وہ اپنے مطالب حاصل کر سکے تو تب بھی اسے یہ نصیب نہ ہوگا کہ اتنا زیادہ مال صرف کر کے اپنے آپ کو اللہ تعالٰے کے عذاب سے نجات دے سکے۔ مقصد یہ ہے کہ کافر قیامت میں اللہ تعالٰے کے عذاب سے نجات پا جانے سے بالکل ناامید ہو چکے ہوں گے۔

وَأُولَٰئِكَ۔ یہ ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو انہی اوصاف قبیحہ کے ساتھ مذکور ہوئے۔ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ، ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ○ اور نہ ہی ان کے لیے کوئی مددگار ہوں گے جو انھیں عذاب سے بچا سکیں یا ان سے عذاب ہلکا کر سکیں۔

یہ من زائدہ استغراق کا فائدہ دیتا ہے اور جمع کا صیغہ ضمیر ھم کی رعایت کی وجہ سے لایا گیا ہے یعنے ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
"قیامت میں سب سے زیادہ ہلکا عذاب اسے ہوگا جسے کہا جائے گا کہ کیا تمھارے لیے تمام روئے زمین ملکیت کے طور پر دی جائے تو کیا پھر تو اپنے چھڑانے کے لیے فدیہ کے طور پر دے گا۔ وہ عرض کرے گا ہاں! اللہ تعالٰے فرمائے گا میں نے اس سے بہت زیادہ آسان معاملہ کیا تھا۔ لیکن تو نے انکار کر دیا تھا وہ یہ کہ جب تو اپنے باپ آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا تو میں نے کہا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا لیکن تو نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ نہیں، میں تو تیرے ساتھ ضرور کسی کو شریک کروں گا۔

ف : حضرت امام رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ کافر تین قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) اپنے کفر سے پورے طور پر اور صحیح اور سچی نیت سے توبہ کر لے اور اس کی توبہ بھی قبول ہو جائے۔ یہ وہ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالٰے نے یوں فرمایا:

"الا الذین تابوا و اصلحوا فان اللہ غفور رحیم۔"

(۲) بظاہر تو توبہ کرے لیکن اس کا دل بدستور منکر ہو۔ یہ وہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالٰے نے اس آیت سے پہلے بیان فرمایا، فرمایا:

"لن تقبل توبتھم۔"

(۳) وہ یہی کہ توبہ کے بغیر مر جائے اس کا ذکر اللہ تعالٰے نے انہی آیات میں یوں فرمایا:

"وھم کفار" الآیۃ"

تفسیر صوفیانہ حقیقی کافر وہ ہیں کہ جن کے قلوب پر نفس امارہ کا غلبہ ہے اور وہ نفس امارہ قلوب پر پوری قدرت پا جائے اوران پر غل وغش کے انبار لگا دے۔ یہی لوگ شر اور گمراہی میں انتہا کو پہنچ جاتے ہیں، سرکشی اور بغاوت میں یکتا ہوتے ہیں اسی لیے زمین کے برابر سونا ہو تو بھی ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ وہاں تو وہ امور قبول ہوتے ہیں جو نورانیت سے لبریز اور باقی رہنے والے ہوں۔ کیونکہ آخرت تو نور اور بقا کا ملک ہے وہاں تو امور ظلمانیہ فانیہ کا نام ونشان تک بھی نہیں اور ان کے کفر اور حق سے محجوب ہونے کا سبب بھی یہی تھا کہ وہ ان عوائق فانیہ کی محبت میں منہمک تھے۔ پھر وہی امور ظلمانیہ فانیہ کیسے ان کا فدیہ بن کر ان کی جان چھڑا سکتے ہیں۔ جن امور کو وہ اپنی نجات اور قرب وقبول کا سبب سمجھتے رہے بعینہٖ وہی اشیا ان کی ہلاکت اور خسارہ اور محرومی کا سبب بنے۔

سبق: اے سالک! تو کفر کے اوصاف سے کنارہ کشی اختیار کرلے۔ کفر کے اوصاف یہ ہیں:

1. حُبِ دنیا۔
2. اتباعِ شہوات۔
3. خواہشات نفسانیہ کی طرف متوجہ ہونا۔
4. حق سے روگردانی کرنا ؎

ترا شہوت و کبر و حرص و حسد
چوں خون دررگند و چوں در جسد

ترجمہ: تیرے اندر شہوت وکبر و حرص اور حسد ایسے ہیں جیسے خون رگوں میں اور جان جسم میں۔

یعنے جیسے خون رگ و ریشہ میں جاری وساری ہے اور جیسے کہ روح جسم کے ہر ذرے میں ہے اسی طرح یہ صفات مذمومہ تجھے محیط ہیں ؎

اگر ایں دشمناں تقویت یافتند
سر از حکم و رائے تو برتافتند
ہوا و ہوس را نماند ستیز!
چو بینند سرپنجۂ عقل تیز

ترجمہ: اگر یہ دشمن قوت پا گئے تو پھر وہ تیرے حکم سے روگردانی کریں گے۔ ہوا وہوس کو جنگ کی سکت نہیں رہتی جب دیکھتے ہیں کہ عقل کی طاقت مضبوط ہے۔

یعنے جب مرد اپنے آپ کو شرع کا تابع بنا دیتا ہے تو اس کی عقل اس کی خواہشات پر غالب رہتی ہے اس پر صفاتِ درندگی یعنی شیطانی عادتیں غلبہ نہیں پا سکتیں۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت پر بڑا خوف ہے کہ وہ خواہشات کی اتباع اور لمبی لمبی آرزوؤں میں مبتلا ہو جائیں گے۔

خواہشاتِ نفسانیہ انسان کو سدِ راہِ حق ہو جاتی ہیں اور لمبی لمبی آرزوئیں آخرت کے امور سے فراموش کر دیتی ہیں۔

رُوحانی نسخے: حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

(۱) عبادت کی کنجی فکر ہے۔

(۲) حق بات پر پہنچنا غلط خواہش اور نفس کی مخالفت میں ہے۔ اور نفس کی مخالفت کا یہی مطلب ہے کہ اس کی خواہشات کو دبایا جائے۔

حکایت حضرت جعفر بن نصیر فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت جنید رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک درہم دے کر فرمایا کہ انجیر لے آؤ۔ میں نے ان کے حکم کے مطابق انجیر خریدی۔ آپ نے روزہ افطار کرتے وقت ایک انجیر منہ میں رکھی ہی تھی کہ فوراً منہ سے نکال کر اسے پھینک مارا اور زار و قطار روئے۔ پھر مجھے فرمایا: اسے لے جا۔ میں نے عرض کی کہ کیا بات ہے۔ فرمایا: میں نے انجیر منہ میں ڈالا تو میرے دل میں خیال گزرا اور ہاتف نے سمجھایا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ ترکِ شہوات کا اللہ تعالےٰ سے وعدہ کیا اور اب پھر اس وعدہ کو توڑ کر شہوت رانی کر رہے ہو۔

ف: حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: جو رات کو نیکی میں گزارتا ہے اسے دن کے لیے بھی نیکی کی توفیق ملے گی اور جو دن کو نیکی سے گزارتا ہے تو اسے رات کو نیکی کی توفیق نصیب ہو گی۔ جو شخص سچے دل سے ترکِ شہوت کرتا ہے، اسے اللہ تعالےٰ کی طرف سے قوتِ ربانی نصیب ہو گی اور اللہ تعالےٰ کی شان بلند ہے کہ وہ شہوت کے تارک کو ترکِ شہوت کی وجہ سے عذاب میں مبتلا نہ کرے۔

تقریرِ عجیب: سالک کو معلوم ہونا چاہیئے کہ انسان کا ایک عجیب لطیفہ ہے ذراصل یہ اخلاقِ مذمومہ کا گنجینہ ہے کہ اس میں اللہ تعالےٰ نے بُرے اخلاق امانت کے طور پر رکھے ہیں جو انسان کے تمام جسم کو محیط ہیں۔ دراصل یہ برائیوں کا خوگر ہے۔ اس لیے یہ برائیوں کا حکم دیتا ہے۔ اس کی تخلیق بھی اس لیے ہوئی کہ یہ ان روحانی امور کے لیے سدِ راہ بنے جو الملکوت الاعلیٰ سے تعلق رکھتی ہیں اس لیے کہ وہ امور روحانی انسان کو کارِ خیر کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ اور یہ نفس شیاطین ملکوتِ سفلی سے متعلق ہے اور شیاطین ہمیشہ برائی کا ہی حکم دیتے ہیں۔ اور ان کی طبیعت میں سرکشی اور انکار و استکبار رہی ہے یہی وجہ ہے کہ نفس نصیحت کو قبول نہیں کرتا۔ بلکہ الٹا سرکشی کا اظہار کرتا ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالےٰ نے قصیدہ بردہ میں فرمایا ؎

فان امارتی بالسوء ما اتعظت

من جهلها بنذير الشيب والهرم

ترجمہ : بے شک میرا نفس امّارہ اپنی جہالت کی وجہ سے بڑھاپے وغیرہ کے پیامبروں سے نصیحت نہیں لیتا۔

شرح : وہ نفس برائیوں اور عیوب کا حکم دیتا ہے وہ بڑھاپے کے پیامبر سے نصیحت قبول نہیں کرتا۔ باوجودیکہ بڑھاپے کی منزلیں طے کر رہا ہے لیکن گمراہی کی انتہا کر دیتا ہے اور نہ ہی ندامت کے ہاتھوں سے شہوت کے گھوڑے کی لگام تھامتا ہے۔

ف : اللہ تعالےٰ نے نفس کو جہنم کی صورت میں پیدا فرمایا ہے پھر جہنم کے ہر طبقہ کی صفت پیدا فرما دی اور یہ شہوت اس جہنم کا ایک دروازہ ہے جس سے جہنم کے طبقات کے جس طبقہ میں جانا چاہتا ہے اور وہ سات طبقات کے صفات یہ ہیں :

۱۔ تکبر ۔ ۲ ۔ حرص ۔ ۳ ۔ شہوت

۴۔ حسد ۔ ۵ ۔ غضب ۔ ۶ ۔ بخل

۷۔ حقد (کینہ)

جو شخص اپنے نفس کو انہی صفات سے پاک اور صاف کرتا ہے تو وہ ان درکاتِ سفلیہ سے گذر کر کے بہشت کے بلند درجات کو پہنچ جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا : (قد افلح من زکاھا) جس نے نفس کو ان صفاتِ رذیلہ سے پاک اور صاف نہ کیا تو وہ خائب و خاسر ہو کر جہنم کے درکات میں پڑا رہا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا "قد خاب من دساھا" اللہ تعالےٰ ہم سب کو نفس امارہ کے مکر و فریب اور شیطان کے شر سے بچائے۔ اور جب تک ہمارے ابدان میں ارواح قرار پکڑتے رہیں ہمارے حالات کو اچھا رکھے۔ (آمین یا مستعان)۔

فصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہٖ خیر خلقہ ونور عرشہ وزینۃ فرشہ سیدنا ومولنا

محمد وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین

قد تم الجزء الثالث فی الثانی والعشرین من شھر رجب فی الیوم الرابع من سنۃ ثلثمائۃ وثلث وتسعین بعد الالف من ھجرۃ ذوی المجد والشرف صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم الف الف مرۃ۔

والآن یلیہ الجزء الربع انشاء اللہ تعالیٰ ثم انشاء رسولہٖ الاعلی علیہ التحیہ والثناء۔

حررہ الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ ـــــ بہاولپور۔



بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر (۱۱۱)

سلہ : حدیث شریف میں خون کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا گیا ہے لیکن موجودہ دور میں اکثر امراض کا علاج خون کی خرید و فروخت پر چل رہا ہے بلکہ بسا اوقات خون ہی سے موت و حیات کا نتیجہ نکلتا ہے یعنے خون مل گیا تو مریض کو نئی حیات نصیب ہو گئی ورنہ موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔ اور پھر اپریشن کے وقت خون کی ضرورت پڑتی ہے اور وہ ہسپتال ہی سے قیمتاً مل جاتا ہے تمام دنیا میں پھیلی ہوئی انجمن ہلال احمر (ریڈ کراس) جو نیکی کے کاموں کے لیے کرۂ ارض پر مشہور ہے وہ بھی خون قیمتاً بیچتی ہے۔ یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے یہاں اختصار کے طور پر اتنا کہا جاسکتا ہے ؎

فریب خوردہ را بہانہ بسیار

ورنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے ضوابط و اصول ہمیں عطا فرمائے ہیں وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ وحی من اللہ ہیں جنھیں ہم رہتی دنیا تک اپنے لیے سرمایۂ حیات اور زندگی کا دستور العمل بنائیں۔ اسی میں ہمیں نہ صرف اخروی بلکہ دنیوی لاکھوں منافعے نصیب ہوں گے۔ آج دنیا ہر معاملہ میں مصائب اور پریشانیوں میں گھری ہوئی ہے ان کا حل سمجھ سے بالاتر ہوتا جارہا ہے اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تا قیامت تمام انسانوں کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود کے اصول عنایت فرما گئے، وہ ہم نے پس پشت ڈال کر اپنے عقول و فہوم کو دوڑاتے لگے اور انسانی عقول و فہوم سراسر خسارے میں ہیں۔

خون حرام اور اس کی خرید و فروخت حرام، لیکن اس کے عارضی فوائد پر ہم خوش ہو گئے جیسے ایک نادان بچے کے آگے زہر رکھ دی جائے پہلے تو وہ اسے راحت جان سمجھے گا اور پھر ہزاروں آفتوں کا شکار ہو جائے گا۔ یہی ہمارا حال ہے کہ ہم ایک طرف خون و دیگر حرام اشیاء سے فوائد پاکر خوش ہو جاتے ہیں لیکن ان سے جو دیگر امراض اور خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں کہ پھر ان کا علاج سوچا بھی نہیں جاسکتا بلکہ بسا اوقات علاج کا موقع ہی نہیں ملتا مثلاً غلط گروپ کا خون لگنے سے فوری موت وغیرہ وغیرہ۔

اگر ہمارے مسلمان ڈاکٹر اس کا بدل سوچتے تو ہزاروں نعم البدل نظر و فکر کے سامنے گھوم جاتے، لیکن ان بیچاروں کو تو غیروں کی تقلید سے فرصت ہی نہیں کہ کچھ سوچ سکیں۔ خون کے کاروبار کی ہمہ گیری ایسے ہے جیسے سود کی لعنت۔ تو کیا اس کی ہمہ گیری جواز کی صورت پیدا کرلے گی تو پھر جیسے وہ ویسے یہ۔ (اویسی)